

امتحان  
پروفیسر ملک محمد اسلم

مرتبین

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت



شعبہ علوم اسلامیہ  
جامعہ پنجاب، لاہور

0  
1  
2  
3  
4  
5  
6  
7  
8  
9

امضات  
پروفیسر ملک محمد اسلم

مرتبین

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت



شعبہ علوم اسلامیہ  
جامعہ پنجاب، لاہور

297-21

1572

119265

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت: اول، فروری ۲۰۱۴ء/ربیع الثانی، ۱۴۳۵ھ

مطبع: پنجاب یونیورسٹی پریس، جامعہ پنجاب، لاہور

قیمت:

-۱

Copyright: 2014

Armughan-e-Prof. Malik Muhammad Aslam

A Commemoration Volume

in honour of

Prof. Malik Muhammad Aslam

Compiled by:

Prof. Dr. Hafiz Mahmood Akhtar

Prof. Dr. Jamila Shaukat

February, 2014/ Rabi Al-Thani 1435Hijri

Published by: Department of Islamic Studies

University of the Punjab, Lahore

Price:

ارمغانِ پروفیسر ملک محمد اسلم  
پیشہ گوشت

محمد اسلم، سک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پروفیسر

نہج



# ارمغانِ پروفیسر ملک محمد اسلم

شعبہ علوم اسلامیہ،

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

کے

مرحوم اساتذہ کی یاد میں - II

ان شاء اللہ اس سلسلے کی آئندہ کتابیں:

- (۱) ارمغانِ حافظ احمد یار
- (۲) ارمغانِ خالد علوی
- (۳) ارمغانِ امان اللہ خان
- (۴) ارمغانِ بشیر احمد صدیقی





پروفیسر ملک محمد اسلم



پروفیسر علامہ علاء الدین صدیقی کے اعزاز میں دی گئی الوداعی تقریب  
کے موقع پر پروفیسر ملک محمد اسلم خطاب فرماتے ہوئے

## حُسن ترتیب

- |     |   |  |
|-----|---|--|
| i   | پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر                   | تقدیم  |
| iii | پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت                        | مقدمہ  |
| 1   | پروفیسر حافظ محمد ارشد<br>ڈاکٹر اسد اللہ        | ۱۔ پروفیسر ملک محمد اسلم مرحوم (آثار و خدمات)                                  |
| ❁ ❁ |   |  |
| 15  | پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر<br>ڈاکٹر میمونہ تبسم | ۲۔ برصغیر میں علمِ حدیث کا طائرانہ جائزہ                                       |
| 41  | ظلیٰ ہما  | ۳۔ اصولِ حدیث پر اردو میں لکھی گئی معروف کتب<br>کا مختصر جائزہ                 |
| 77  | جناب عثمان احمد                                 | ۴۔ رد و قبولِ حدیث۔ چند مباحث  |
| ❁ ❁ |   |  |
| 91  | ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر                       | ۵۔ نواب صدیق حسن خانؒ کی خدماتِ حدیث   |
| 105 | پروفیسر ڈاکٹر خالد ظفر اللہ                     | ۶۔ ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی کی<br>خدماتِ حدیث                         |
| 127 | پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد صدیقی                    | ۷۔ التعلیق الصبیح (شرح مشکوٰۃ المصابیح)<br>مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا منہج |
| 153 | ڈاکٹر عاصم نعیم                                 | ۸۔ عقیدہ معاد، اور احادیثِ نبویہ۔ فکرِ اصلاحی<br>کا تجزیاتی مطالعہ             |
| 197 | ڈاکٹر محسنہ منیر                                | ۹۔ دفاعِ حدیث میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ<br>کی جدوجہد کا جائزہ                 |
| 237 | ڈاکٹر ساجد اسد اللہ                             | ۱۰۔ برصغیر کے مسیحی ادب میں حدیثِ نبویؐ  |



۱۱۔ انکارِ حدیث۔۔۔ حق یا باطل؟ [ایک منکر] 263 مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

حدیث کے شبہات کے جوابات]

۱۲۔ بیسویں صدی میں انکارِ حدیث۔ تجزیاتی مطالعہ 301 پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

۱۳۔ سندِ حدیث۔ مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ 323 ڈاکٹر احسان الرحمن غوری



۱۴۔ لمحات من منهج الامام النووی فی 333 عبدالکریم مستور القرنی

شرح صحیح مسلم

۱۵۔ الشیخ رشید احمد الکنکوہی۔ حیاتہ 359 ڈاکٹر عبدالباسط خان

وجہودہ فی علم الحدیث (دراسة تحقیقیة)

377 شرکاء کا تعارف

1 Prof. Malik  
Muhammad Aslam

Tradition and Islam ۱۶

## تقدیم

ارمغان کے سلسلہ کتب کی دوسری کتاب ارمغان پروفیسر ملک محمد اسلم قارئین کرام کے لیے پیش خدمت ہے۔ آج سے چند برس قبل جس منصوبے کا تصور ذہن میں آیا تھا، اللہ کے فضل و کرم سے اس کی تکمیل کی طرف شعبہ رواں دواں ہے۔ اس سلسلہ کتب کا بنیادی مقصد تو شعبہ کے اساتذہ قدیم کے نام کو علمی دنیا میں زندہ رکھنا تھا۔ لیکن اس مقصد کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا کہ مقالات میں تحقیق کے جدید معیارات کو ملحوظ رکھا جائے اور تخلیقی کام ہی پیش کیا جائے۔ ہم اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے، اس کا فیصلہ کرنا تو اہل علم ہی کا کام ہے۔

ارمغان علامہ علاؤ الدین صدیقی اور موجودہ ارمغان پروفیسر ملک محمد اسلم کے مقالات کو جدید تحقیق کے اصولوں کی روشنی میں جانچا گیا حتی الامکان یہ بات بھی ملحوظ رکھی گئی کی یہ مقالات اس سے قبل کہیں طبع نہ ہوئے ہوں اس طرح اس ارمغان میں شامل ہونے والے مضامین اپنی حیثیت میں تحقیقی مقالات ہیں۔ جن اہل علم نے تحقیقی مقالات لکھے ہیں، شعبہ ان کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ممنون ہے اور امید کرتا ہے کہ ان کا یہ علمی تعاون ہمیں مستقبل میں بھی حاصل رہے گا۔

ارمغان پروفیسر ملک محمد اسلم کی تیاری یقیناً محترمہ پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کی پر خلوص مساعی جمیلہ کی مرہونِ منت ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کی جس تندہی، اور خلوص کے ساتھ انہوں نے اس جلد کی ترتیب و تشکیل میں محنت کی ہے، اس کا اجر انہیں اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں گے۔ اگر ان کی عرق ریز محنت شامل نہ ہوتی تو ارمغان ملک محمد اسلم زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنے مضمون اور شعبہ کے ساتھ ڈاکٹر صاحبہ کی پر خلوص دلی وابستگی ہی وہ بنیادی محرک ہے جس کے سبب ارمغان کا سلسلہ آگے بڑھ رہا ہے۔

چونکہ ارمغان کے اس نمبر کا بنیادی مقصد ”برصغیر میں خدمات حدیث“ ہے اس لئے زیادہ تر

مقالات برصغیر کے نامور علماء کی خدماتِ حدیث سے متعلق ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر خالد ظفر اللہ کا مقالہ ”مولانا شمس الحق عظیم آبادی“، ڈاکٹر عبدالباسط کا مقالہ ”مولانا رشید احمد گنگوہی“، ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر کا مقالہ ”نواب صدیق حسن کی خدماتِ حدیث“، ڈاکٹر محسنہ منیر کا مقالہ ”دفاعِ حدیث میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی جدوجہد“، ڈاکٹر محمد سعد صدیقی کا مقالہ ”التعلیق الصبیح (شرح مشکوٰۃ المصابیح): مولانا محمد ادریس کاندھلوی“ کا منہج میں ان اکابر علماء کی خدمات کا بنظر عمیق جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مقالہ نگاروں کی کاوشوں کے نتیجے میں ان علماء کے تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں۔

اس نمبر میں مقالات کے حوالے سے یہ پہلو بھی نمایاں ہے کہ انکارِ حدیث اور استخفافِ حدیث سے متعلق ڈاکٹر جمیلہ شوکت کا مقالہ ”بیسویں صدی میں انکارِ حدیث“، ڈاکٹر احسان الرحمن غوری کا مقالہ ”سندِ حدیث اور مستشرقین“، جناب عثمان احمد کا مقالہ ”رد و قبولِ حدیث“ اور صفی الرحمن مبارکپوری کا مقالہ ”انکارِ حدیث، حق یا باطل“ بھی اپنے موضوع پر گراں قدر تحقیقی مواد کا حامل ہے۔ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری کا یہ مقالہ بہت وقیع ہے جس میں انہوں نے انکارِ حدیث پر بہت تحقیقی اور منفرد قسم کا مواد پیش فرمایا ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر کا مقالہ ”برصغیر میں علمِ حدیث کا طائرانہ جائزہ“ وہ مقالہ ہے جن میں مقامِ حدیث سے متعلق تحقیقی مواد مہیا کیا گیا ہے۔ ظلِ ہما کا مقالہ ”اصولِ حدیث میں اردو میں لکھی گئی کتب کا مختصر جائزہ“ اس اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں اس خطہ میں لکھی گئی کتب کا احاطہ کیا گیا ہے اور اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے قیمتی راہنمائی مہیا کر دی گئی ہے۔ ڈاکٹر عاصم نعیم کے مقالہ میں مولانا امین احسن اصلاحی کے عقیدہ معاد کے بارے میں نقطہ نگاہ کا تحقیقی انداز سے جائزہ لیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ مولانا کا یہ نقطہ نگاہ امت کے عمومی نقطہ نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔ مقالہ نگار نے مولانا اصلاحی کے نقطہ نگاہ کا دلائل کے ساتھ محاکمہ کیا ہے۔

ہم اس جلد میں صاحبِ ارمغان جناب پروفیسر ملک محمد اسلم صاحب کی کتاب The Role of Tradition in Islam کا ایک باب ہے یہ کتاب شعبہ علومِ اسلامیہ سے 1996ء میں طبع ہوئی۔ جو قارئین کی استفادے کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر

ڈین / صدر شعبہ علومِ اسلامیہ

## مقدمہ

رب رحیم و کریم کا بے پایاں کرم اور احسان کہ اس علیم و خبیر ذات نے ارمغانِ علمی کے سلسلے کی دوسری کتاب جو استاذ محترم پروفیسر ملک محمد اسلم کے خدمات جلیلہ کے اعتراف میں ہے، پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سلسلہ الذہب کی پہلی کتاب استاذ مکرم پروفیسر علامہ علاؤ الدین صدیقی کے آثار ذہبیہ کے اعتراف میں شائع ہو چکی ہے۔

ہم اہل علم کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس منصوبے کو سراہا اور اس اظہارِ پسندیدگی نے ہمارے کام کو مزید بڑھانے کے لئے ہمیز کا کردار ادا کیا۔ جناب ملک محمد اسلم فلسفہ اور اسلامیات میں ایم اے تھے۔ خاندانی پیشہ تجارت تھا۔ ملک صاحب مرحوم نے تدریس اسلامیات کے عظیم اور نازک فریضے کو اختیار کیا جو دین اسلام سے ان کی محبت و رغبت کی واضح دلیل ہے۔ کمیٹی کے ارکان کے سابقہ فیصلے کو مد نظر رکھتے ہوئے اس جلد میں ملک صاحب مرحوم کے اختصاصی مضمون یعنی علوم حدیث سے متعلق مضامین پیش کیے جا رہے ہیں۔

ملک صاحب مرحوم کے عزیز محترم اور ہم سب کے مشفق و مکرم استاد حافظ ارشد صاحب (سابق چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ڈگری کالج، گوجرانوالہ) اور جناب ملک صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر اسد اللہ کے لیے تشکر کے جذبات کا اظہار مجھ پر واجب ہے کہ انہوں نے جناب ملک محمد اسلم صاحب کے بارے میں ضروری معلومات اور تصاویر فراہم کیں۔ ڈاکٹر عاصم نعیم کا شکر یہ بھی لازم ہے کہ جنہوں نے ان حضرات محترم سے معلومات کے حصول میں بھرپور تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجرِ جزیل عنایت فرمائے۔

علم حدیث کی خدمت کے حوالے سے پروفیسر عبدالرؤف ظفر کا نام علمی دنیا میں جانا پہچانا

ہے۔ انہوں نے اپنی صاحبزادی ڈاکٹر میمونہ کے اشتراک سے تحریر کردہ مقالہ میں برصغیر کے محدثین اور ان کی مساعی جلیلہ کا جائزہ لیا۔

شعبہ علوم اسلامیہ کی پی ایچ ڈی کی طالبہ عزیزۃ القدر ظلّ ہما نے اصول حدیث پر اردو میں لکھی گئی کتب کا جائزہ لیا۔ یہ مقالہ ان شاء اللہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے معاون ثابت ہوگا۔ عزیزم عثمان احمد جو اس وقت ملائیشیا میں اپنی پی ایچ ڈی کے مقالے کی تحریر میں شب و روز مصروف ہیں نے اپنے مختصر لیکن اہم موضوع یعنی رد و قبول حدیث کے مباحث پر روشنی ڈالی۔

ہمارے بعض فاضل مقالہ نگار حضرات نے برصغیر کی بعض ان شخصیات پر معلومات فراہم کیں جن کے اسماء گرامی علم حدیث کے حوالے سے بڑے معروف ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر نے برصغیر کی ایک نہایت معتبر اور صاحب علم شخصیت نواب صدیق حسن خان کی خدمات حدیث پر ایک جامع مقالہ سپرد قلم کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر خالد ظفر اللہ نے جناب ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی مشہور شارح کتب حدیث کی خدمات حدیث پر تحقیقی مقالہ رقم فرمایا۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد صدیقی (حال صدر شعبہ علوم اسلامیہ) نے اپنے مرحوم دادا مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کے خصائص قلمبند فرمائے۔ ان کی یہ کاوش یقیناً دادا محترم کے لیے صدقہ جاریہ ہوگی۔

ڈاکٹر عاصم نعیم نے عقیدہ معاد کے حوالے سے فکر اصلاحی کا تفصیلی جائزہ لیا۔ مقالہ اپنے عظیم اسلاف کی تحریروں سے استفادے اور تجزیے کے حوالے سے اچھی مثال ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ برصغیر کے دوسرے مذاہب کے اہل علم حضرات نے بھی قرآن حکیم اور حدیث رسول ﷺ پر اپنے موقف اور تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر ساجد اللہ اسد نے اپنے مقالے مسیحی ادب میں حدیث نبوی پر معلومات کو قارئین کے استفادے کے لیے پیش کیا ہے۔

اس سلسلے کا ایک اور مضمون دفاع حدیث میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جدوجہد ہے جو ڈاکٹر محسنہ منیر صاحبہ نے تحریر کیا۔ یہ مقالہ سید صاحب مرحوم کی ان کاوشوں کے تعارف کی طرف راہنمائی کرتا ہے جس میں انہوں نے حدیث کی حجیت اور اس کی اہمیت کو مدلل و مبرہن کیا۔

مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ کے نام سے اہل علم بخوبی آشنا ہیں۔ ہم عظمت حدیث کے ضمن میں ان کی بے شمار تحریروں میں سے ایک تحریر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس کی افادیت



آج بھی مسلمہ ہے۔ اللہ کریم انہیں جنت میں مقام رفیع عطا فرمائے۔

ڈاکٹر احسان الرحمن غوری جو مستشرقین کی علمی کاوشوں سے باخبر رہنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، انہوں نے سند کے حوالے سے مستشرقین کا نقطہ نظر اور اس کا مدلل تجزیہ پیش کیا ہے۔

راقمہ نے اپنی بساط کے مطابق اس علمی دستاویز کا حصہ بننے کیلئے مصری منکرین حدیث کے افکار باطلہ کا رد اہل علم کے مدلل اقوال کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

عربی میں دو مقالات پیش کیے جا رہے ہیں۔ پہلا مقالہ عبدالکریم مستور القرنی کا لمحات من منہج الامام النووی --- ہے۔ امام مسلم کی الجامع (متن اور شروح) کا مطالعہ اسلامیات کے نصاب میں داخل ہے۔ امید ہے کہ یہ مقالہ دینی علوم کے طالب علموں کے لیے بھی مفید ہوگا۔

ڈاکٹر عبدالباسط نے اپنے مقالے میں برصغیر کے ممتاز محدث شیخ رشید احمد گنگوہی کی خدمات حدیث پر مستند معلومات پیش کی ہیں۔

کتاب کا آخری مقالہ Tradition and Islam جو بزبان انگریزی ہے صاحب ارمغان، پروفیسر ملک محمد اسلم مرحوم کی کتاب The Role of Tradition in Islam کا ایک باب ہے۔ اہل علم کے استفادے کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ استاد محترم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے (آمین)۔

ہم اپنے تمام مقالہ نگار حضرات کے حد درجہ ممنون ہیں کہ جنہوں نے ہماری درخواست پر اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود علمی و تحقیقی کاوشیں عنایت کیں۔ ہم ان اہل علم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے مقالات کو جانچنے اور پرکھنے کی نازک ذمہ داری ادا کی۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء شعبہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ محترم بالخصوص پروفیسر ڈاکٹر طاہرہ بشارت (ڈین کلیہ علوم اسلامیہ) کی معاونت پر شکر گزار ہیں۔

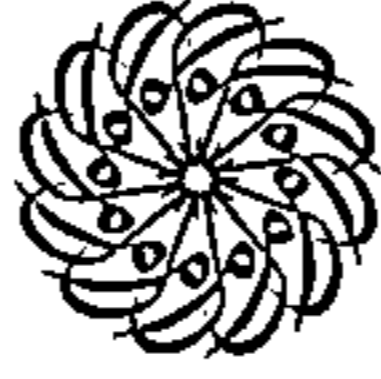
شعبہ علوم اسلامیہ کے مرحوم استاد جناب ملک محمد اسلم کی خدمت میں یہ عاجزانہ تحفہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ کریم ہماری اس عاجزانہ کوشش کو قبول فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر، سابق صدر شعبہ اسلامیات / ڈین کلیہ علوم اسلامیہ کے ممنون ہیں کہ جن کے تعاون کے بغیر یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔

اس تحفہ کو عملی جامہ پہنانے ہم سب اساتذہ، شعبہ جناب وائس چانسلر صاحب کے بے حد شکرگزار ہیں جن کے اخلاقی اور مالی تعاون سے یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔  
عزیزم سرفراز احمد جنہوں نے مقالات کو محنت سے آخری شکل دی، اللہ تعالیٰ انہیں بھی اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ ہم سب پنجاب یونیورسٹی کے پریس سپرنٹنڈنٹ جناب علی احمد کے تعاون کے بھی شکرگزار ہیں۔ جنہوں نے کتاب کے ظاہری حسن کی طرف توجہ دی۔

ڈاکٹر جمیلہ شوکت

پروفیسر امریتپس

شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور





## پروفیسر ملک محمد اسلم مرحوم (آثار و خدمات)

پروفیسر حافظ محمد ارشد\*

ڈاکٹر اسد اللہ\*\*

### خاندان کا اجمالی تعارف

ملک صاحب مرحوم کے والد صاحب کا اسم گرامی ملک محمد فاضل ولد نور احمد خان تھا جن کا تعلق سکے زئی افغان فیملی سے تھا۔ نور احمد خان مشہور تاجر تھے۔ ان کے نام سے امرتسر شہر کے وسط میں ایک بارونق محلہ کوچہ نور خان کے نام سے مشہور تھا۔ اس خاندان کے تجارتی روابط بعض افریقی ممالک کے ساتھ بھی تھے۔ نور احمد خان صاحب کے چار صاحبزادے تھے۔ ان کے تمام بیٹے تجارت پیشہ تھے۔ مگر تجارتی معاملات میں ملک محمد اسلم کے والد، ملک محمد فاضل کو اللہ رب العزت نے زیادہ برکت اور وسعت عطا فرمائی تھی۔ آپ امرتسر کی مسلم تاجر برادری کے سربراہ تھے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ایک کمرشل گزٹ شائع ہوتا تھا جس میں سرکردہ تاجروں کا تذکرہ ہوتا۔ اس موقر گزٹ میں ملک محمد فاضل صاحب کا نام بھی شامل ہوتا۔ جس طرح اللہ کریم نے کاروبار میں وسعت دے رکھی تھی، اس طرح دل بھی بڑا فراخ تھا۔ انہوں نے سینکڑوں بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے وظائف مقرر کئے ہوئے تھے۔ بہت سے نادار لوگ دست سوال لیکر آتے، کوئی مایوس نہ جاتا۔ ان کی اس دریا دلی کارا از اس دن فاش ہوا، جس روز ان کا انتقال ہوا۔ جونہی یہ جائگاہ خبر مشتہر ہوئی، شہر کے درو دیوار گریہ کناں معلوم

\* پروفیسر ملک محمد اسلم کے قریبی عزیز اور علوم اسلامیہ کے نامور استاد

\*\* مرحوم کے صاحبزادہ محترم

ہوئے۔ گھر کے قریب ہی چار پائی دیدارِ عام کیلئے رکھ دی گئی۔ جس کی بھی نظر پڑی دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ ہر طرف سے سسکیوں اور دعائے مغفرت کی آوازیں آرہی تھیں۔ شہری کاروبار بالکل بند تھا۔ اس دن کسی ہندو، سکھ اور مسلمان نے دوکان نہیں کھولی۔ سارا شہر سوگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میرے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ لوگ اس صدمہ کی وجہ سے نڈھال ہیں کہ ایک بڑا سخی اور غریب پرور نیک بندہ اللہ کو پیارا ہو گیا ہے۔ اللہم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه

یارب! وہ ہستیاں اب کس دیس بستیاں ہیں کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں  
ملک محمد اسلم کی ولادت

ملک محمد افضل کے گھر 1922ء میں ایک بیٹے کی پیدائش ہوئی، جن کا نام محمد اسلم رکھا گیا۔ ملک محمد افضل کے دیگر بھائی ابھی اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ اس وجہ سے خاندان میں یہ پہلا بیٹا تھا جس کی پیدائش پر بے حد خوشی منائی گئی۔

### تعلیم و تربیت کے مراحل

محمد اسلم خاندان کی آنکھوں کا تارا تھے۔ بچپن بہت لاڈ پیار میں گزرا۔ چونکہ گھر کا ماحول خالص دینی تھا۔ اس وجہ سے دینی تعلیم اپنے گھر میں اپنے چچا جناب حاجی محمد اشرف خان سے حاصل کی۔ ان کے ساتھ ہی مسجد میں آمدورفت شروع ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ نماز کی عادت پختہ ہوتی گئی۔ پرائمری تعلیم کوچہ نور خان کے ایک سکول سے حاصل کی۔ 1931ء سے 1937ء تک گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر میں پانچویں جماعت سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ انٹرمیڈیٹ اور بی اے، ایم۔ اے۔ او کالج سے پاس کیا۔ بی اے میں آپ کے مضامین انگریزی، فلاسفی اور عربی تھے۔ بی اے کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کیلئے ہندوستان کی سب سے مشہور درس گاہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے فلسفہ میں داخلہ لیا۔ شعبہ فلسفہ میں بڑے نابغہ روزگار اساتذہ سے بڑی دلچسپی اور انہماک سے اکتسابِ علم اور کسبِ فیض کیا۔ آپ کے اساتذہ میں کچھ انگریز اساتذہ بھی شامل تھے۔ پروفیسر ملک احمد حسین سے ہسٹری آف فلاسفی پڑھی۔ اس کورس میں زیادہ توجہ مسلم فلاسفرز پر مرکوز رہی۔ 1942ء میں امتیازی حیثیت سے اس امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

## غیر نصابی مشاغل

کالج کی غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی شرکت کرتے۔ چند دوستوں کے ہمراہ باغ جناح تک روزانہ سیر کرتے۔ ملک صاحب کے دو چچا جناب حاجی محمد صادق اور جناب حاجی محمد اشرف (non professional) پہلوانی کا شوق رکھتے تھے۔ انہوں نے ملک صاحب مرحوم کو بھی اس فن کے رموز و اسرار سے آگاہ کیا اور یہ بھی ورزش کے دلدادہ ہو گئے۔ اگرچہ گورنمنٹ کالج میں کوئی (wrestling club) نہ تھی مگر گھر کی ٹریننگ ہی بڑی موثر ثابت ہوئی۔ جب 1941-42ء میں یونیورسٹی کی سالانہ کھیلوں کا انعقاد ہوا تو ملک صاحب اپنے ویٹ میں یونیورسٹی کی ریسلنگ چیمپیئن قرار پائے۔

## مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ

فلسفہ اور عربی، ملک اسلم صاحب کے پسندیدہ مضامین تھے۔ فلسفہ کی تعلیم کی تکمیل گورنمنٹ کالج لاہور میں ہو گئی مگر عربی کی تعلیم میں ابھی تشنگی محسوس کرتے تھے۔ اس زمانہ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں عربی کے نابغہ روزگار استاد پروفیسر عبدالعزیز میمن صدر شعبہ عربی تھے۔ ان کے تبحر علمی کی کشش انہیں مسلم یونیورسٹی لے گئی۔ ایم۔ اے عربی میں باقاعدہ داخلہ لیا۔ بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ تعلیم کی تکمیل کی اور یہ امتحان بھی بڑے اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ آپ اکثر پروفیسر میمن صاحب کی عربی دانی کا تذکرہ کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ وہ یگانہ روزگار استاد تھے، جنہیں جدید اور قدیم عربی شعراء کے ایک لاکھ اشعار زبانی یاد تھے۔ اہل زبان کو بھی شاید عربی زبان و ادب پر اتنا عبور حاصل نہ ہو۔

قیام علی گڑھ کے دوران مسلم یونیورسٹی کی سیاسی اور ادبی سرگرمیوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ ادبی محفلوں میں اس عہد کے نامور شعراء شرکت کرتے۔ آپ خاص طور پر جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی اور حسرت موہانی کی شاعری سے بڑے متاثر تھے۔ اپنی محفلوں میں ان یادگار مشاعروں کے دوران پڑھی گئی بعض غزلوں کے اشعار دہراتے رہتے۔ جگر مراد آبادی کے ترنم سے پڑھنے کے انداز سے بڑے متاثر تھے۔ مسلم یونیورسٹی کے ماحول سے اس قدر مانوس ہو گئے کہ وہاں قیام کا ارادہ کر لیا۔ تاہم اپنے والد گرامی جناب ملک محمد فاضل کے اچانک انتقال کے باعث امرتسر واپس آنا پڑا۔

## تجارتی معاملات کی نگرانی

صادق ہوزری اینڈ ننگ ملز اور دیگر کاروباری اداروں کی نگرانی اور سرپرستی کیلئے ان کا امر تر رہنا ضروری تھا۔ چنانچہ کاروباری معاملات کے انتظام و انصرام کیلئے تمام تعلیمی منصوبوں کو خیر باد کہنا پڑا۔ 1945ء سے تقسیم ہند تک اپنے کاروبار کو منظم کیا۔ آپ نے غریب پروری کی وہی روش جاری رکھی، جو ان کے والد گرامی کا وصف تھا۔ بیوہ عورتوں کے وظائف، یتیموں کی دستگیری، یتیم بچیوں کی شادیاں اور دیگر امور خیر پر بھرپور توجہ رکھی۔ قیام پاکستان سے قبل مسلم لیگ کے فعال اور سرگرم کارکن رہے۔ دامے، درے، قدمے، سخنے، تحریک آزادی میں اپنا کردار ادا کیا۔ صف اول کے کئی لیگی رہنماؤں کے ساتھ رابطے رہے۔

## تقسیم ہند کا مرحلہ اور ہجرت

امر تر تحریک آزادی ہند کا اہم سیاسی مرکز تھا۔ مسلم لیگ کے علاوہ ہندو جماعتیں بھی بڑی منظم تھیں۔ سیاسی سرگرمیوں کے دوران اکثر تصادم ہو جاتا اور نوبت قتل و غارت تک پہنچ جاتی۔ چنانچہ اگست 1947ء کے بعد امر تر کے مسلمان ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ملک صاحب بھی اپنی پوری فیملی کے ہمراہ ہجرت کر کے لاہور منتقل ہو گئے۔ عارضی طور پر ریلوے روڈ کرشنا گلی میں قیام کیا۔ ہجرت کے بعد کے معاملات

پاکستان کا قیام جہاں قدرت کا بہت بڑا عطیہ تھا، وہاں مہاجرین کیلئے سخت ابتلاء اور آزمائش کا سبب بنا۔ جن کی پوری زندگی آرام و راحت اور آسودگی کے ساتھ گزری ہو، ان کیلئے یہ مصائب ناقابل برداشت تھے۔ بہر حال بڑی مشقت اور کوشش کے بعد لاہور میں کاروبار شروع کیا۔ ہوزری کی صنعت کا خاندانی تجربہ تھا۔ دوستوں کے تعاون سے لیرڈ ننگ ملز کے نام سے چوہر جی کے قریب ایک فیکٹری قائم کی۔ یہاں ہوزری کی مصنوعات کی تیار کی جاتی تھیں۔ کچھ عرصہ میں کاروبار مستحکم ہو گیا۔ مگر تقسیم ہند سے پہلے والا خوشحالی اور فارغ البالی کا دور واپس نہ آسکا۔

## علمی مشاغل کی طرف مراجعت

آپ کی زندگی کا چوں کہ بیشتر حصہ حصول علم میں گزرا تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی علمی فضاء



سے فیض یابی اور علیگزہ کے نابغہ روزگار اہل علم سے علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی تھی۔ لہذا زیادہ دیر تک علمی دنیا سے دور نہیں رہ سکتے تھے۔ فلسفہ، عربی اور علوم اسلامیہ کی اہم کتابیں ان کے مطالعہ کی میز پر موجود ہوتیں اور زیر مطالعہ رہتیں۔ علماء کے ساتھ ملک صاحب کے بزرگوں کا بڑا قریبی ربط تھا اور ملک صاحب مرحوم بھی ان کی مجالس میں باقاعدگی کے ساتھ شرکت فرماتے۔ امرتسر میں جن علماء سے متاثر تھے ان میں سر فہرست مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری تھے۔ ان کے علاوہ حافظ محمد عبداللہ روپڑی، مولانا محمد داؤد غزنوی اور مولانا مفتی محمد حسن صاحب کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے۔ آپ ان کے زہد و تقویٰ سے بہت متاثر تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ان بزرگوں کی مجالس میں بڑی رغبت کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔ ان مشاہیر علماء کے علاوہ لاہور کے جید علماء سے بھی تعلق پیدا ہو گیا۔ خصوصاً شیخ الحدیث والنفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی، شیخ الحدیث مولانا محمد عطاء اللہ حنیف اور مولانا محمد حنیف ندوی کے ساتھ بڑی عقیدت اور احترام کا تعلق قائم ہو گیا۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ بالمشافہ تو کبھی رابطہ نہ ہوا تھا مگر اس پیکر علم و دانش کے بڑے معترف تھے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے خلیفہ اول قاضی احسان احمد شجاع آبادی سے بھی ملاقات تھی اور ان کے فنِ خطابت کا اکثر تذکرہ کرتے تھے۔

### علامہ علاؤ الدین صدیقی سے رابطہ

علامہ علاؤ الدین صدیقی مرحوم لاہور کی ادبی، علمی اور سیاسی مجالس کے روح رواں تھے۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں اظہار بیان پر انہیں قدرت حاصل تھی۔ مسجد شاہ چراغ، عقبہ ہائی کورٹ لاہور میں ہفتہ وار دینی مجالس کا انعقاد ہوتا تھا۔ میر مجلس علامہ موصوف ہوتے۔ پنجاب یونیورسٹی اور لاہور کے کالجوں کے اساتذہ بڑی تعداد میں شریک ہوتے۔ دینی اور علمی موضوعات پر تبصرے ہوتے۔ اس دور میں پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ علوم اسلامیہ کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ حضرت علامہ کی تحریک پر آپ نے پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے اسلامیات میں 1953ء میں داخلہ لے لیا۔ ایم اے عربی اور فلسفہ کی ڈگریاں تو پہلے حاصل کر چکے تھے۔ جید علماء سے بھی تعلق خاطر تھا اور پھر اساتذہ کی بھی نظر شفقت تھی۔ چنانچہ 1955ء میں ایم اے علوم اسلامیہ کے امتحان میں یونیورسٹی میں اول پوزیشن

حاصل کی۔

## بطور استاد یونیورسٹی میں ترقی

علامہ صاحب کی خواہش پر آپ شعبہ علوم اسلامیہ میں استاد مقرر ہوئے۔ علوم الحدیث اور اسلامی فلسفہ کی تدریس کی ذمہ داری سونپی گئی۔ علامہ صدیقی صاحب نے شعبہ میں بڑے بڑے اصحاب علم و فن کو جمع کیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر بشارت (پی ایچ ڈی جرمنی)، جناب قمر الدین خان، پروفیسر چغتائی، پروفیسر عبدالرشید آذری، ہمہ وقتی اساتذہ کے علاوہ مشاہیر علماء اور اساتذہ بھی تشریف لاتے۔ ان برگزیدہ شخصیات میں ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، پروفیسر علم الدین سالک، پروفیسر عبدالحمید صدیقی بھی شامل تھے۔ مزید یہ کہ انڈیا، مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش)، ایران، سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کے جید علماء شعبہ اسلامیات میں وقتاً فوقتاً تشریف لاکر اساتذہ اور طلبہ کو مستفید فرماتے۔ اس طرح شعبہ اسلامیات یونیورسٹی میں Centre of Excellence کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ اساتذہ نے سیاست کی وادی پر خار میں ابھی قدم نہیں رکھا تھا۔ اس وجہ سے ماحول خالص علمی سرگرمیوں تک محدود تھا۔ اساتذہ علم کی روشنی پھیلانے میں مصروف رہتے اور ان کی حیثیت ایسی تھی جیسے اندھیری رات میں چراغ۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تھا کہ علم ایسے اساتذہ سے حاصل کرو جو شک سے یقین کی طرف، ریا سے اخلاص کی طرف، تکبر سے تواضع، عداوت سے خیر خواہی اور لالچ سے بے نیازی کی طرف رہنمائی کریں۔ اگر اساتذہ کا motto امام احمد بن حنبلؒ کا طریقہ ہو تو پھر حضرت معاذ بن جبلؓ کے قول کے مطابق طلب علم عبادت ہے۔ تلاش و جستجو جہاد ہے۔ علم کی تدریس صدقہ ہے اور اہل علم جنت کا روشن ستون ہیں۔ اگر اساتذہ ان اقوال کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لیں تو خدا معلوم دل کی کیفیت کیا ہو۔

## علامہ علاؤ الدین صدیقی کے ساتھ خصوصی تعلق

مسجد شاہ چراغ کی علمی محفلوں علامہ صاحب کے علمی افادات کا مشاہدہ کرنے کی بناء پر آپ ان کی علمی و شخصی وجاہت سے بہت متاثر ہوئے۔ یونیورسٹی میں داخلہ کے بعد باقاعدہ شاگردی کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ باہمی خلوص اور ادب و احترام کی بدولت ملک صاحب کا درجہ تلمیذ رشید سے ایک قلبی معاون کی حیثیت اختیار کر گیا۔ ملک صاحب سے اسی شفقت و محبت کا سلوک فرماتے جو اپنے اکلوتے

بیٹے نعمان کے ساتھ روارکھتے۔ شعبہ اسلامیات میں بطور استاد تقرر کے بعد، علامہ صاحب نہ صرف آپ کو شعبہ کے امور کی نگرانی میں شریک رکھتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فیملی معاملات میں انہیں شریک مشاورت رکھتے۔ علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرے دو پر ہیں جن سے میں پرواز کرتا ہوں۔ ایک پروفیسر ملک محمد اسلم اور دوسرا پروفیسر امتیاز علی شیخ (پرنسپل لاء کالج)۔ علامہ علاؤ الدین صدیقی سے قربت کی ایک مثال یہ ہے کہ علامہ صاحب، اپنی صدارت شعبہ کے دوران، گاہ گاہ ملک صاحب کو بلا بھیجتے اور جب وہ آتے تو ان سے کہتے ”ملک صاحب! آج طبیعت بڑی کچھ نڈھال سی ہے، کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا“۔ ملک صاحب کہتے ”تو آئیے پھر کہیں چلتے ہیں اور پھر انہیں کسی ریسٹورنٹ میں لے چلتے اور اکل و شرب سے ان کی بحالی طبیعت کا اہتمام فرماتے۔“

علامہ صاحب کی ایک خاص روایت یہ تھی کہ وہ اپنے شاگردوں کو علمی و روحانی محفلوں میں ساتھ لے جاتے تھے۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی مجالس ذکر میں خود بھی شرکت فرماتے اور خصوصیت کے ساتھ ملک صاحب کو حضرت لاہوری سے متعارف کراتے اور دعاؤں کی درخواست فرماتے۔ اب خیر خواہی اور خلوص کا یہ سلسلہ کہیں نظر نہیں آتا۔

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

مرحوم ملک صاحب 1955ء سے مئی 1976ء تک شعبہ اسلامیات سے منسلک رہے۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ خیر خواہی اور مالی تعاون کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ کلاس میں طلبہ کو مولوی صاحب کے نام سے مخاطب فرماتے۔ دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف تصور کرتے۔ ان کے ہمہ جہتی مسائل کا حل اپنا فرض منہی سمجھتے۔ باقاعدگی کے ساتھ وقت پر اپنی کلاسیں لیتے۔ طلبہ کے ساتھ بے تکلفی سے پیش آنے کے باوجود نظم و ضبط پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ حدود و قیود کا خیال رکھتے۔ ان کے طلبہ پنجاب کے مختلف کالجوں میں تدریس اسلامیات میں مصروف عمل ہیں۔

ان کے کئی شاگرد فارغ التحصیل ہونے کے بعد یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات میں بطور استاد منتخب ہو گئے۔ ان میں امان اللہ خان صاحب مرحوم، ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی مرحوم، میڈم ڈاکٹر جمیلہ شوکت قابل ذکر ہیں۔ آپ کے یہ لائق تلامذہ عرصہ دراز تک ان کے ساتھ تدریس اسلامیات میں شریک رہے۔ مگر استاد اور شاگرد میں جو مثالی تعلق دیکھنے میں آیا شاید وہ کسی شعبہ تدریس میں دیکھنے میں

نہ آئے۔ خلوص، تعاون، ادب اور احترام، یہ شعبہ اسلامیات کا ہی طرہ امتیاز ہے۔  
چیرمین شعبہ کی حیثیت سے تقرری

دور ایوبی میں جب حضرت علامہ علاؤ الدین صدیقی اسلامی نظریاتی کونسل کے چیرمین اور پھر پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے تو صدر شعبہ کا تاج پروفیسر محمد اسلم صاحب کے سر پر سجایا گیا۔ بلاشبہ آپ اس منصب جلیلہ کے اہل تھے۔ شعبہ کے معاملات کو بخیر و خوبی چلانے کے لیے علامہ موصوف نے جو قواعد و ضوابط مرتب فرمائے تھے، ملک صاحب نے ان سے سر مو انحراف نہیں کیا۔ جس روز انہوں نے صدر شعبہ کی کرسی پر جلوہ افروز ہونا تھا۔ یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ آپ نے وہ مڑھ کرسی، جس پر آپ کے استاد گرامی تشریف فرما ہوتے، اس کو اپنی جگہ پر رہنے دیا۔ اس کرسی سے متصل ایک عام سادہ کرسی رکھوالی۔ آخری دن تک استاد کی کرسی پر ٹیک نہیں لگائی۔ تقدس اور احترام کی روش کی یہ روشن مثال آپ ہی کی ذات پر ختم ہو گئی۔

افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

پیدا کہاں ہیں ایسے پر گندہ طبع لوگ

ملک صاحب کا حلقہ احباب

دوست تو زندگی کی زینت اور سفر حیات کا سہارا ہوتے ہیں۔ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس کو دوست عزیز رکھتے ہوں اور وہ دوستوں کو عزیز رکھتا ہو۔ مومن کی یہ خوبی ہے کہ وہ دوستوں سے محبت کرنے والا ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”مومن سراپا الفت و محبت ہے۔ اس آدمی میں کوئی خوبی نہیں جو دوسروں سے محبت نہ کرے اور نہ ہی دوسرے اس سے محبت کریں“۔ خوش مزاج ہم نشینوں کی بدولت افسردگی ختم ہو جاتی ہے۔ دوستوں کی بدولت تحمل و بردباری، ایثار و شفقت اور خلوص و محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر دوستی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو تو آخرت کی زندگی میں انسان سرخ رو ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”قیامت کے دن یہ اعلان ہوگا کہ کہاں ہیں میری خاطر آپس میں محبت کرنے والے۔ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔ جبکہ میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں“۔ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ عرش بریں کا سایہ ہوگا یا جنت کے درخت طوبیٰ کا سایہ۔

دوستیاں اس وقت پائیدار ہوتی ہیں، جب رواداری، عفو و درگزر اور فیاضی کا برتاؤ کیا جائے۔

یہ عالی ظرفی ملک صاحب کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دوستوں کی ایک کثیر تعداد ہر روز

شریکِ محفل ہوتی۔ ان دوستوں میں بڑی variety تھی۔ کچھ دین و دانش کے دلدادہ، کچھ ادب کے رسیا، کچھ سیاست کے شناور، چند کاروباری دنیا سے متعلق افراد، غرض ”گہائے ورنگارنگ سے ہے زینتِ چمن“ والا معاملہ تھا۔ ان مستقل دوستوں regular visitors میں پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف (ممبر پبلک سروس کمیشن) کئی اعلیٰ عہدوں پر متمکن ہوئے، سید عباس علی شاہ (کلاس فیلو اور سیکرٹریٹ میں بڑے عہدے پر فائز)، چوہدری صلاح الدین (انکم ٹیکس کمشنر)، ملک محمد یوسف (پولیس آفیسر)، جناب محمد ادریس مراد آباد (علیگڑھ کے ہم جماعت)، خواجہ عبدالرحمن صاحب (افسر مال) وغیرہم شامل تھے۔ علامہ صدیقی صاحب بھی اپنے پرستاروں کے ہمراہ آپ کے ہاں تشریف لاتے۔ کوچہ نور خان امرتسر کے کچھ بچپن کے دوست اور ہم نشین اکثر رونقِ محفل ہوتے۔ عزیز واقارب تو اپنے مختلف معاملات کے لیے بغرض مشاورت آپ کے ہاں آتے۔ آپ نہایت مہمان نواز تھے، یہ ناممکن تھا کہ کوئی ان سے ملنے آئے اور وہ بغیر کھائے پیئے چلا جائے۔

حُسنِ اخلاق اور تواضع کی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ اپنے ملازمین سے بھی بات کرتے، تو ایسے محسوس ہوتا جیسے دو دوست آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔

آپ کا گھرانہ گویا ایک دیوان عام تھا۔ یہاں شعر و شاعری بھی ہوتی، مسائلِ دینی پر بھی تبصرہ ہوتا، طنز و مزاح سے محفل کشت زعفران بن جاتی۔ اس ساری بزمِ آرائی کا محرک ملک صاحب کا یہ نظریہ تھا کہ مہمانِ رحمت اور خیر و برکت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ آپ خوش دلی اور وسعتِ قلبی سے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جس کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے اس کو چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے“۔ ان کی محفل میں مہمانوں کی جو تکریم اور عزت ہوتی وہ کسی مہاراجہ کے دربار میں بھی نہ ہوتی ہوگی۔ انواع و اقسام کے کھانوں سے مہمانوں کی تواضع کی جاتی تھی۔ جو دوست بقید حیات ہیں آج بھی اس میزبان کی فیاضی کو یاد کرتے ہیں۔ مگر جب اس نے داعی اجل کو لبیک کہا تو دوستوں کی یہ کہکشاں بکھر گئی، ایک روایت ختم ہو گئی۔

دیراں ہے میکدہ خم و ساغرا اس ہیں تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

ملک صاحب کا اپنے والد کے عزیزوں اور دوستوں سے حُسنِ سلوک

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ والد کے انتقال کے بعد ان کے بھائیوں، عزیزوں اور دوستوں سے حُسنِ سلوک سے پیش آیا جائے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس ارشاد پر عمل کتب حدیث میں موجود ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ بیمار ہوئے تو حضرت یوسف بن عبداللہؓ دور دراز کا سفر کر کے عیادت کیلئے حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ مجھے آپ کی علالت کا پتہ لگا تھا آپ میرے مرحوم والد کے دوست تھے۔ اس وجہ سے میں حاضر خدمت ہوا ہوں۔ اسی طرح حضرت ابو بردہؓ کی عیادت کیلئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر حاضر خدمت رہتے۔ اور عرض کرتے کہ آپ میرے والد گرامی کے دوست ہیں، میں ہر خدمت کیلئے تیار ہوں۔

ملک صاحب کے تایا جان تو ان کے والد کے انتقال سے پہلے ہی سفرِ آخرت فرما چکے تھے۔ دو چچا حاجی محمد صادق صاحب اور حاجی محمد اشرف صاحب بقیدِ حیات تھے۔ مرحوم کا ان کے ساتھ برتاؤ مثالی تھا۔ جب حاجی محمد صادق صاحب علیل ہو گئے تو علاج معالجہ کیلئے انہیں لیرولنز میں رکھا۔ خدمت اور آرام و راحت بہم پہنچانے میں کوئی دقیقہ فر دگذاشت نہ کیا۔ بہترین طبی سہولتوں کا انتظام کیا۔ شاید کوئی حقیقی بیٹا بھی اتنا ایثار نہ کرتا۔ آپ کے یہ چچا 1956ء میں انتقال کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے چچا حاجی محمد اشرف صاحب کے دینی مزاج کی وجہ سے ملک صاحب کو ان کے ساتھ قلبی تعلق تھا۔ دلی احترام کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ملک صاحب سگریٹ کا کش لگا رہے تھے کہ اچانک چچا جان تشریف لے آئے۔ سلگتا ہوا سگریٹ نئے سوٹ کے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا کہ کہیں سگریٹ نوشی کا راز فاش نہ ہو جائے۔ کوٹ کی جیب جل گئی مگر یہ پسند نہ کیا کہ صوفی منش چچا کیلئے یہ سگریٹ نوشی بار خاطر ہو۔ ان کے ذاتی آرام و راحت کے علاوہ اپنے عم زاد بھائیوں کو حقیقی بھائیوں کا درجہ دیتے۔ علمی معاونت فرماتے اور ان کی ترقی کیلئے کئی اقدامات تجویز فرماتے۔

آپ بے لوث خدمت کے دل آویز پیکر تھے۔ ان کے ایک بچپن کے ایک ساتھی اور ہم جماعت خواجہ عبدالرحمن بتاتے ہیں کہ ”ایک دفعہ ہم مسجد مبارک (اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ) سے نماز جمعہ کے بعد باہر آ رہے تھے، کہ باہر ساکنان ایک قطار میں بیٹھے تھے، موسم سرما تھا، ایک ضعیف العمر سائل سردی سے ٹھہر رہا تھا۔ ملک صاحب اس کے پاس کھڑے ہو گئے کوٹ کی جیبوں سے رومال، قلم،

پرس نکال کر مجھے پکڑادیئے اور اس بوڑھے کو کھڑا کر کے کوٹ سے پہنایا۔ راستہ میں میں نے ان سے کہا، ”ملک صاحب! یہ کیسی سخاوت ہے، کوٹ سے پہنایا، خود کو سرد موسم کی گرفت میں دیدیا ہے“ کہنے لگے ”یار! چپ کر، میرے پاس ایک اور ہے۔“

اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ بھی بڑا دلہانہ برتاؤ کرتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب نے بیان کیا کہ بیٹی کی شادی کرنی ہے۔ آپ کے والد جناب محمد فاضل صاحب نے خواب میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ میرے بیٹے محمد اسلم کے پاس جاؤ اور اپنی ضروریات سے آگاہ کرو۔ محض خواب کے احوال سن کر شادی کا تمام ساز و سامان خرید کر اس کی مشکل آسان فرمادی۔ اسی طرح کئی عزیز اپنی تکالیف اور پریشانیاں بیان کرتے۔ بغیر تحقیق کے مشکلات کا ازالہ فرمادیتے۔ مرحوم اپنی پھوپھی جان، جن کا شیخوپورہ میں قیام تھا، کا بہت احترام کرتے۔ وقتاً فوقتاً حاضری دیتے۔ ان کے بچوں کے ساتھ بھی پیار اور شفقت کا برتاؤ کرتے۔ ان کے بڑے صاحبزادہ جناب ملک شوکت علی خان صاحب کے ساتھ برادرانہ تعلقات کے علاوہ ذاتی دوستی اور بے تکلفی تھی۔ کئی دوستوں کو گمان تھا کہ شاید یہ حقیقی بھائی ہیں۔ تمام عمر عزیزوں کے ساتھ شکر رنجی نہیں ہوئی۔ عفو و کرم کی روش تمام عمر جاری رہی۔ آج بھی ان کی یادیں اعزاء و اقرباء کیلئے سرمایہ حیات ہیں۔ ایسی ہی عالی ظرفی اور کشادہ دلی کے ساتھ اپنے دیگر عم زادوں کے ساتھ بھی رشتے داری کی شاخ کو تر رکھتے تھے۔ خصوصاً ملک محمد اکرم، ملک محمد انور، ملک محمد سرور اور ملک محمد افضل کے ساتھ بھی بڑی شفقت اور محبت کا تعلق تھا۔ یہ سب بھائی بھی انہیں والد کا درجہ دیتے۔ حق قرابتداری کی ادائیگی میں مثالی ایثار اور فیاضی کا اظہار فرماتے۔

## ازدواجی زندگی

1950ء کے عشرے میں ملک صاحب کی شادی لاہور کے مشہور تاجر جناب ملک حاکم علی مرحوم کی صاحبزادی سے سرانجام پائی۔ یہ طرفین کی خوش نصیبی تھی کہ دونوں میں تحمل اور بردباری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دونوں نرم طبیعت اور نرم خوتھے۔ خوش اخلاقی اور زندہ دلی سے بڑی ہشاش بشاش زندگی گزاری۔ تنگ نظری اور مردہ دلی سے گھر ویران ہو جاتے ہیں۔ یہ اخلاقی بیماریاں اس گھرانے میں پیدا ہی نہیں ہوئیں۔ وعاشروہن بالمعروف پر عمل کا یہ مثالی اظہار تھا۔

## اولاد و احفاد

ملک صاحب مرحوم کے پسماندگان میں آپ کی زوجہ محترمہ، ایک بیٹی اور پانچ بیٹے ہیں۔ بیٹی عمر میں سب بھائیوں سے بڑی ہے۔ ایم ایس سی ہوم اکنامکس میں گولڈ میڈلسٹ اور آج کل کراچی میں ایک بڑے نجی تعلیمی ادارے کی منتظم اعلیٰ ہیں۔ بڑے صاحبزادے میجر عبید اللہ ملک انجینئر کور میں متعین تھے۔ انہوں نے اسی فن انجینئرنگ میں امریکہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

دوسرے صاحبزادے ڈاکٹر اسد اللہ ملک ہیں، انگلینڈ سے FRCS کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد میں پروفیسر آف سرجری کے عہدہ پر کام کر رہے ہیں۔ اللہ کریم نے ہاتھ میں بڑی شفاء رکھی ہے۔ مخلوق خدا کی خدمت میں شب و روز مصروف عمل ہیں۔ ان سے چھوٹے ڈاکٹر سعد اللہ ملک نے بھی انگلستان سے آرٹھو پیڈک سرجری میں ایف۔ آر۔ سی۔ ایس کا امتحان پاس کیا۔ آج کل کیمرج (Cambridge) یونیورسٹی کے متصل ہسپتال میں سروس کر رہے ہیں۔ ان کے بعد ڈاکٹر وسیم اللہ ملک کا نام ہے۔ انہوں نے پاکستانی فوج کے شعبہ میڈیکل میں سروس کی۔ آج کل ملائیشیا میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ سب سے چھوٹے ڈاکٹر عامر اللہ ملک ہیں۔ انہوں نے بھی یو کے سے امراض اطفال میں MRCP کی ڈگری حاصل کی ہے۔ یہ آجکل سروسز ہسپتال میں اسٹنٹ پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مرحوم نے بچوں کی تربیت اسلامی خطوط پر کی۔ بچوں کے ساتھ بے حد محبت تھی۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مرنے کے بعد عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر تین قسم کے اعمال کا اجر موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) علمی ورثہ جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں (۳) اولاد صالح جو والدین کیلئے دعاؤں کا خزینہ ہے۔ ملک صاحب مرحوم اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب واقع ہوئے ہیں کہ نیکیوں کے یہ تینوں سرچشمے ان کیلئے جاری و ساری ہیں۔

## ایک آرزو جو تشنہ تکمیل رہ گئی

آپ یونیورسٹی میں فلسفہ اور حدیث پڑھاتے رہے۔ آپ کی یہ دلی آرزو تھی کہ حجیت حدیث پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھیں۔ بڑی عرق ریزی سے مواد اکٹھا کیا۔ بڑی شائستہ انگریزی میں پُر مغز مقالہ مرتب کیا۔ مگر حصول ڈگری کیلئے پیش نہ کیا جاسکا۔ کچھ علالت آڑے آگئی اور کچھ زندگی نے وفانہ کی۔ یہ



مقالہ بعد ازاں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔

## علالت اور وفات

ملک صاحب مرحوم سیر و تفریح کے دلدادہ اور خوش خوراک تھے۔ نجی و گھریلو زندگی بڑی پرسکون تھی۔ مگر اللہ کی مشیت کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ 1970ء میں ایک دفعہ دل کی تکلیف ہوئی۔ میوہسپتال میں داخل رہے۔ ماشاء اللہ بالکل صحت یاب ہو کر گھر منتقل ہو گئے۔ مگر دل کا عارضہ اہل دل کے ساتھ رابطہ نہیں توڑتا۔ اگرچہ آپ نے تمام ذمہ داریوں کو بطریق احسن سرانجام دینا شروع کر دیا تھا مگر کبھی کبھی کمزوری محسوس کرتے اور باقاعدہ دوا کا استعمال کرتے۔ یونیورسٹی میں باقاعدگی کے ساتھ کلاسیں پڑھاتے۔ جس روز اس دارِ فانی سے کوچ کرنا تھا، اس روز حسب معمول کلاس پڑھائی۔ اصلاح بین الناس کا فریضہ بھی ایک مذہبی ڈیوٹی سمجھ کر ادا فرماتے۔ چنانچہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر مولانا علم الدین سالک کے بیٹے احسان سالک کو وہ چیک پیش کرنے گئے، جو ایک خانگی جھگڑے کے تصفیہ کے بعد حاصل کیا تھا۔ اپنے معمول کے مطابق گھر تشریف لائے۔ دوپہر کا کھانا تناول کیا۔ قیلولہ بھی کیا۔ نماز عصر کے وقت طبیعت اچانک بگڑ گئی۔ کوئی طبی امداد کی نوبت نہ آئی اور روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ سانحہ 18 مئی 1976ء کو پیش آیا۔

اعزاء و اقربا اور دوستوں کا ایک ہجوم C-III ماڈل ٹاؤن میں جمع ہو گیا۔ ایک بیٹا آرمی کی ڈیوٹی پر تھا اور ایک صاحبزادہ ڈاکٹر سعد اللہ ملک نیشنل کالج ملتان میں زیر تعلیم تھا۔ بچوں کے انتظار کی وجہ سے تدفین 19 مئی کو عمل میں آئی۔ 19 مئی کی صبح کولان میں آخری دیدار کے لیے جنازہ رکھا گیا۔ فضا انتہائی سوگوار تھی۔ کئی صابر بندے بھی ضبط نہ کر سکے۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو بڑی دلدوز صدائیں سنی گئیں۔ عزیز واقارب، احباب، یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کی کثیر تعداد جنازے میں شریک تھی۔ بڑے پرسوز اور رقت انگیز طریقہ سے جنازہ پڑھایا گیا۔ ملک صاحب کے استاد گرامی جناب علامہ علاؤ الدین صدیقیؒ بعارضہ فالج چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ صاحبزادہ نعمان صاحب کے ہمراہ تعزیت کیلئے تشریف لائے۔ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ایک غمخوار چلا گیا تھا اور دوستوں کو سوگوار کر گیا تھا۔ کل من علیہا فان فانا لله وانا الیہ راجعون

موت تو برحق ہے اور سب پر وارد ہونی ہے مگر اس شخص کے جانے سے علم و عمل کی کہکشاں ویران ہو گئی۔ اس شمع فروزاں کے گل ہو جانے سے دل مُر جھا گئے۔ عربی ادب میں ہے۔ مالک نامی شخص کی وفات پر اس کی بہن نے ایک مرثیہ تحریر کیا تھا جو ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے اس میں ایک شعر ہے:

ما كنت ادرى قبل دفنك فى الثرىٰ ان الكواكب فى التراب رميم

”اے مالک تیرے دفن سے پہلے تو مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ لوگ ستاروں کو بھی زمین کے اندر دفن کر دیتے ہیں“

یہ شعر ملک صاحب پر دل صادق آتا ہے جن کے انفاس کی مہک سے علم و فن کی بزم مشکبار تھی۔ جس نے ایک نسل کو سوز دروں کی دولت بخشی۔ مخلص احباب اور دانشورا پنے رہنما افراد کی یاد سے قلب و نظر کی جلا کا سامان تیار کرتے ہیں۔ شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، مشاہیر کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے نام سے منسوب ”ارمغانِ علمی“ مرتب کر رہے ہیں۔ اصحابِ علم و فن جنہوں نے ان چشمہ ہائے انوار و تجلیات سے فیض حاصل کیا ہے، وہ اپنے تاثرات کا اظہار کریں گے تو خلوص اور مہر و وفا کی ایک تاریخ مرتب ہو جائے گی۔ شعبہ اس مثبت علمی سرگرمی پر مبارک باد کا مستحق ہے۔

آخر میں مجھے اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مضمون زیرِ نظر میں ملک صاحب مرحوم کا خاندانی پس منظر، ذاتی زندگی اور دوست نوازی پر محض اشارات مرتب کئے گئے ہیں۔ سیر حاصل تبصرہ نہیں کیا گیا۔ راقم ان کے صاحبِ عزم و ثروت اولاد سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے مشفق والد کی علمی و سماجی خدمات پر ایک الگ کتاب مرتب کر کے شائع کریں گے۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں

تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں





## برصغیر میں علم حدیث۔۔۔ تاریخی و تجزیاتی مطالعہ

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر\*

ڈاکٹر میمونہ تبسم\*\*

عرب و ہند کے تعلقات بہت پرانے ہیں ان تعلقات کی قدامت کا اندازہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے البتہ اتنا وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ روابط کرہ ارض پر انسانی وجود کے ساتھ ہی قائم چلے آ رہے ہیں۔ قصص الانبیاء کی اہم کتب کے مطابق حضرت آدمؑ جنت سے دنیا کی طرف بھیجے گئے تو وہ ارض ہند کے جنوبی علاقہ سری لنکا میں اتارے گئے۔ (۱) جب کہ ان کی بیوی حضرت حوا سعودی عرب کے موجودہ شہر جدہ میں اتاری گئیں۔ حضرت آدمؑ ہند سے چل کر حضرت حواؑ کو عرب کے عرفات میں جا ملے جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے۔ (۲) یہ عرب اور ہند سے تعلق رکھنے والی ہستیوں کی پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد زمانہ قدیم سے اب تک اہل ہندوستان سے عربوں کے تعلقات چلے آ رہے ہیں۔ عرب لوگ تاجر پیشہ تھے وہ آس پاس کے ملکوں کی منڈیوں سے تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ عرب و ہند میں سندھ مکران اور جنوبی عرب کے ساحل اس قدر قریب ہیں کہ ان کے درمیان تجارتی تعلقات اور دوسرے روابط قائم ہو جانا ایک ناگزیر اور فطری عمل تھا۔ عربوں اور ہندوستانیوں میں قدر مشترک بت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا تھی۔ عرب تاجر عموماً جنوبی ہند کی بندرگاہوں میں مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ بعض عرب تاجروں نے جنوبی ہند کے ساحلی شہروں میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس طرح قبل از اسلام ہی سے دونوں ممالک کے عوام ایک دوسرے سے متعارف تھے۔ (۳)

\* چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

\*\* اسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ ہندوستان اور اس کی چیزوں سے واقف تھے۔ اور ان چیزوں میں مشک، کافور، زنجبیل (ادرک)، قرنفل (لونگ) فلفل (مرچ)، عود ہندی، قسط ہندی، ساج (ساگوان کی لکڑی)، ہندی تلواریں شامل ہیں اور یہاں کے بعض کپڑے بھی عرب میں استعمال کیے جاتے تھے۔ اکثر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان ہندوستانی اشیاء کو حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ بھی استعمال فرماتے تھے۔ احادیث رسول ﷺ میں بھی ہندوستان کا تذکرہ موجود ہے۔ حدیث میں ہند کا لفظ آیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

عصابتان من امتی حررهما اللہ من النار عصابة تغزو الہند  
وعصابة تكون مع عیسیٰ بن مریم (۴)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے۔ ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰؑ کا ساتھ دے گا۔

اہل ہندوستان کو ظہور اسلام کی خبر اسی وقت ہی پہنچ گئی تھی جب اس عالمگیر دین کا دروازہ اہل مکہ پر کھلا (۵)۔ تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ قافلے جو عرب و ہند کے درمیان بغرض تجارت رواں دواں تھے پہلے پہل اسلام نے انہی کے ہاتھوں ہندوستان کی سرحد پار کی (۶)۔ مگر برصغیر میں خلفائے راشدین کے زمانہ میں باقاعدہ اسلام آ گیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مغربی ہندوستان میں ممبئی اور تھانہ میں مسلمانوں کی آبادیاں وجود میں آچکی تھیں۔ عام طور پر یہ تابعین تھے جو ہندوستان میں آئے اور جن کی آبادیاں برصغیر میں قائم ہوئیں۔ انہی تابعین کے ہاتھوں میں برصغیر میں اسلام باقاعدہ طور پر داخل ہوا (۷)۔

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور خلفائے راشدین نے مختلف بلاد و امصار میں صحابہ و تابعین دینی تعلیم کے لیے روانہ کیے تو انہوں نے احادیث و شراعی کی اشاعت کی۔ امام ابن ابی حاتم لکھتے ہیں۔

ثم تفرقت الصحابة في النواحي والأمصار، والشعور في فتوح  
البلدان والمغازي والأماراة والقضاء والأحكام، فبعث كل واحد  
منهم في ناحية وبالبلد الذي هو به، ما وعاه وحفظه عن رسول

اللہ غلبہ، و حکموا بحکم اللہ عزوجل، و امضوا الأمور علی ما سن رسول اللہ ﷺ (۸)۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ مختلف شہروں، علاقوں اور سرحدوں میں فتوحات، مغازی، امارات اور قضاء اور احکام کے سلسلے میں پھیل گئے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے علاقہ اور شہر میں رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث سن رکھی تھیں، سب کو عام کیا اور ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سنن جاری کیں اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر امور و معاملات کو چلایا۔

حافظ ابن کثیر، محمد بن قاسم کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وقبل ذلك قد كان الصحابة في زمن عمر و عثمان فتحوا غالب هذه الأقاليم الكبار مثل الشام و مصر و العراق و اليمن و اوائل بلاد الترك و دخلوا الى ما وراء النهر و اوائل بلاد المغرب و اوائل بلاد الهند (۹)

سندھ میں محمد بن قاسم کی فتوحات سے پہلے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ نے ان اطراف کے اکثر حصہ کو فتح کیا اور شام، مصر، عراق، یمن اور اوائل بلاد ترک کے وسیع و عریض اقالیم میں پہنچے۔ نیز وہ حضرات علاقہ ماوراء النہر، اوائل بلاد مغرب اور اوائل ہند میں داخل ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ۱۵ ہجری کو حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں صحابی رسول عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ نے ہندوستان پر لشکر کشی کی (۱۰)۔ اس کے علاوہ مزید ہندوستان کے خلاف مہموں میں جن صحابہؓ نے حصہ لیا ان میں سے یہ نام ملتے ہیں۔ ۱۔ عبداللہ بن عبداللہ عقیقؓ۔ ۲۔ عاصم بن عمر تمیمیؓ۔ ۳۔ صحابہ بن العبدیؓ۔ ۴۔ سہیل بن عدیؓ۔ ۵۔ الحکم بن ابی علی ثقفیؓ (۱۱)۔ انہی سے برصغیر میں باقاعدہ علم حدیث کا آغاز ہوا۔ کیوں کہ صحابہ کرامؓ کے تمام اقوال و افعال حدیث رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ جیسا کہ تاریخ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کئی ایک صحابہؓ ہند آئے وہ اس ملک میں علم حدیث کی اشاعت کے چلتے پھرتے مدرسے تھے۔ تاہم یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات ایسے تھے جن میں اشاعت حدیث کا کام پوری توجہ سے انجام نہیں دیا جاسکتا تھا (۱۲)۔ مولانا محمد اسحاق

بھٹی لکھتے ہیں:

صحابہ کرامؓ کا ہر قول ہر عمل حدیث رسول ﷺ اور ارشادات پیغمبر سے ہم آہنگ تھا۔ وہ جہاں جاتے فرامین نبوت ﷺ ان کے ساتھ جاتے، جن سے زندگی کے تمام نشیب و فراز میں رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی احادیث مبارکہ کا قلب نواز گنجینہ اور روح پرور ذخیرہ ان کے ساتھ آیا۔ آنحضرت ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے چار سال بعد ۱۵ ہجری میں صحابہ کرامؓ کی جو جماعت آئی، وہ حدیث رسول ﷺ اپنے ساتھ لائی (۱۳)۔

بھٹی صاحب مزید لکھتے ہیں:

برصغیر میں اسلام کے یہ اولین نقوش ہیں، جو پہلی مرتبہ ۱۵ ہجری میں اس کی سطح ارض پر ابھرے اور پھر تاریخ کے ایک خاص تسلسل کے ساتھ پوری تیزی سے لمحہ بہ لمحہ ابھرتے اور نمایاں ہوتے چلے گئے (۱۴)۔

برصغیر میں تشریف لانے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کے نام و حالات آج کتب میں دستیاب ہیں ان کی تعداد قاضی اطہر مبارکپوری کے مطابق ۷۱ ہے۔ قاضی محمد اسلم سیف اور مولانا محمد اسحاق بھٹی کے مطابق ۲۵ ہیں جن میں مدرک اور صغار صحابہ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے ۱۲ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں، پانچ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں، تین حضرت علیؓ کے دور امارت میں، چار حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں اور ایک نے یزید بن معاویہ کے دور حکمرانی میں برصغیر میں قدم رنجاں فرمایا (۱۵)۔ برصغیر میں تشریف لانے والے صحابہ کرامؓ کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ: یہ جلیل القدر صحابی قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے

اور طائف کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے رمضان المبارک ۹ ہجری کو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر تقریباً ۱۶ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ ۱۴ ہجری کو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو بصرے کا معلم مقرر کر دیا تھا۔ پھر ۱۵ ہجری میں حضرت عمرؓ نے انہیں عمان اور بحرین کے علاقوں کا گورنر بنا دیا۔ اسی سال حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ نے عمان میں ایک بحری بیڑا تیار کرایا اور اپنے چھوٹے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص ثقفیؓ کی قیادت میں اسے ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ اسلامی حکومت کا یہ پہلا بحری بیڑا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابیؓ کے حکم سے تیار کیا گیا اور یہی وہ اولین بحری بیڑا ہے جو موجودہ جغرافیائی



اعتبار سے بمبئی کے قریب تھانہ اور بھڑوچ کی بندرگاہوں کی طرف حرکت کناں ہوا۔ مجاہدین اسلام نے ان بندرگاہوں کو فتح کیا، لیکن ان پر قبضہ برقرار نہیں رکھا اور واپس عمان چلے گئے۔ ہندوستان کے کسی علاقے میں عرب مسلمانوں کا یہ پہلا حملہ تھا۔ یا یوں کہیے کہ یہ پہلا کاروان تہذیب اسلامی اور اولین قافلہ حاملین حدیث رسول ﷺ تھا جو عازم ہند ہوا۔ صحابی رسول ﷺ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے مشہور روایت کے مطابق ۵۵ ہجری میں وفات پائی (۱۶)۔

۲۔ حضرت حکم بن ابی العاص ثقفیؓ: یہ حضرت عثمان ابی العاصؓ کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ ۱۵ ہجری کے بعد ہندوستان میں آئے بلاد سند و ہند میں سے بندرگاہ، تھانہ بڑوچ، دیبل اور مکران کے علاقہ میں یلغار کی اور زندگی کے آخری ایام میں بصرہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور وہاں ہی ۴۵ ہجری میں وفات پائی (۱۷)۔

۳۔ حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفیؓ: یہ بھی حضرت عثمان ثقفیؓ کے بھائی ہیں۔ اور انہوں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی برصغیر میں کئی ایک مقامات پر فتوحات حاصل کیں۔ انہوں نے زندگی کے آخری ایام بصرہ میں گزارے اور وہاں ان کا انتقال ہوا (۱۸)۔

۴۔ ربیع بن زیاد حارثیؓ: یہ عرب کے قبیلہ بنو مدجج سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۷ ہجری کو عہد فاروقی میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت ربیع کو مختلف محاذوں پر لشکر اسلامی کا کمانڈر بنا کر بھیجا تو انہوں نے نہایت بہادری کا مظاہرہ کیا اور ہر محاذ پر دادِ شجاعت حاصل کی۔ اس زمانے میں سجستان کا زیادہ علاقہ سندھ میں شامل تھا اور کچھ حدود ایران میں واقع تھا، اس محاذ پر بھی وہ گئے اور فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑے۔ عہد فاروقی میں انہوں نے زرنج، زالق، کابل، سیوستان، کرمان اور مکران کی جنگوں میں شرکت کی۔ کرمان، مکران اور سیوستان کے گورنر بھی رہے۔ ان میں سے بعض علاقوں کا کچھ حصہ اس عہد میں پاکستان کے موجودہ صوبہ بلوچستان میں اور کچھ حصہ سندھ میں شامل تھا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں ان علاقوں میں حضرت ربیع نے جو سلسلہ جہاد شروع کیا تھا، وہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ حکومت میں بھی جاری رہا۔ حضرت ربیع بن زیاد حارثیؓ مذہبی و جہاد پرست صحابی رسول ﷺ ہیں جو حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں بسلسلہ جہاد وارد برصغیر ہوئے۔ اس نواح میں نبی ﷺ کی احادیث کی تبلیغ فرمائی۔ انہوں نے عہد معاویہ میں ۵۱ ہجری کو یا اس سے کچھ عرصہ بعد وفات پائی (۱۹)۔

۵۔ حضرت حکم بن عمرو بن مجدع ثعلبیؓ: عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو غفار تھا، جس کی ایک شاخ

بنو ثعلب کہلاتی تھی۔ موصوف کا تعلق بنو غفار کی اسی شاخ سے تھا۔ اسی وجہ سے انہیں ثعلبی غفاری کہا جاتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ۱۷ ہجری میں حضرت حکم کو مکران کا والی مقرر کیا اور لواء مکران سے نوازا۔ ۲۳ ہجری میں حضرت حکم نے پورے علاقہ مکران پر چڑھائی کی اور اسے فتح کیا۔ مکران کا یہ وہ حصہ تھا جو موجودہ بلوچستان میں شامل تھا۔ مکران اور اس کے قرب و جوار کا حکمران اس زمانے میں راجا راسل تھا جو ایرانیوں کا طرف دار اور باجگزار تھا۔ اس نے مسلمانوں کے ہاتھوں بری طرح شکست کھائی۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے دور حکومت میں حضرت حکم کو خراسان کا والی مقرر کر دیا تھا۔ یہ اختلاف روایات انہوں نے ۴۵، ۵۰ یا ۵۱ ہجری کو خراسان میں وفات پائی (۲۰)۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ عتبان انصاری: ۲۳ ہجری میں عبداللہ بن عبداللہ انصاری کو مکران (بلوچستان) بھیجا گیا۔ اس وقت مکران میں حضرت حکم بن عمرو غفاری مصروف جہاد تھے۔ عبداللہ بن عبداللہ انصاری نے جہاد مکران میں حکم بن عمرو غفاری کی مدد کی (۲۱)۔

۷۔ حضرت سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری: حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ سہل بن عدی کو مکران کا والی مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت سہل مکران گئے اور علاقہ مکران اور اس کے گرد و نواح کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا، جس میں حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری نے بھی ان کی مدد کی۔ حضرت حکم بن عمرو غفاری بھی ان معرکوں میں شریک تھے۔ یہ تینوں بزرگ رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے۔ یہ ۲۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ اسی سال بلوچستان کے بعض علاقے فتح کیے گئے (۲۲)۔

۸۔ حضرت شہاب بن مخارق تمیمی: حضرت حکم بن عمرو ثعلبی جب مکران میں مصروف پیکار تھے تو یہ وہاں پہنچے اور شریک جہاد ہوئے۔ اس طرح ارض برصغیر کو ان کی قدم بوسی سے بہرہ یاب ہونے کی سعادت حاصل ہوئی (۲۳)۔

۹۔ حضرت صحار بن عباس عبدی: مذکورہ صحابی نے ۵ ہجری میں دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور جنگ مکران میں حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت میں شرکت کی (۲۴)۔

۱۰۔ حضرت عاصم بن عمرو تمیمی: انہوں نے جنگ قادسیہ میں بھی حصہ لیا اور فتح عراق میں بھی شامل رہے۔ اسی طرح نواح سندھ میں یلغار کی اور سجستان کے قرب و جوار کا وہ علاقہ جو سندھ سے ملحق تھا ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی زد میں آیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا (۲۵)۔

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ: حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ رسول اللہ ﷺ کے وہ صحابی ہیں جو عہد فاروقی میں ۲۳ ہجری کو جنگِ بھتان میں حضرت عاصم بن عمیر تمیمیؓ سے ملے اور ان دونوں کی جدوجہد سے وہ علاقہ فتح ہوا جو اس زمانے میں بلادِ بھتان سے لے کر سندھ کے اندرونی حصے تک پھیلا ہوا تھا اور دریائے بلخ بھی اس میں شامل تھا (۲۶)۔

۱۲۔ حضرت نسیر بن دیم بن ثور عجمیؓ: ان کو عرب کے قبیلہ بنو عجل کا فرد شمار کیا جاتا ہے۔ ۲۳ ہجری میں جب حضرت سہل بن عدیؓ نے علاقہ قفص یعنی موجودہ بلوچستان کا کچھ حصہ فتح کیا تو یہ ان کے ساتھ تھے (۲۷)۔

۱۳۔ حضرت حکیم بن جبلة عبدیؓ: مذکورہ صحابی عرب کے قبیلہ بنو عبد القیس سے تعلق رکھتے تھے اور یہ پہلے مسلمان سیاح تھے جو سیاحت کی غرض سے برصغیر پاک و ہند کے بعض علاقوں میں آئے اور نواح کے حالات و کوائف سے واقفیت حاصل کی۔ پھر دوبارہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت میں ان کو برصغیر پاک و ہند میں آنا پڑا مگر زندگی کے آخری ایام بصرہ میں گزارے اور وہاں پر کسی نے ان کو شہید کر دیا (۲۸)۔

۱۴۔ حضرت عبید اللہ بن معمر قریشی تمیمیؓ: حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں انہیں فوج کا ایک دستہ دے کر مکران اور سندھ کی طرف بھیجا گیا تھا فتوحاتِ مکران میں انہوں نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ اور مشہور روایت کے مطابق اصطرخ کے ایک معرکے میں جامِ شہادت نوش کیا (۲۹)۔

۱۵۔ حضرت عمیر بن عثمان بن سعدؓ: ۲۹ ہجری کے قریب حضرت عثمانؓ نے مکران کا امیر بنا کر ان کو بھیجا تھا۔ اور یہ کافی عرصہ وہاں پر اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اور مشہور روایت کے مطابق ملکِ شام میں داعی اجل کو لبیک کہا (۳۰)۔

۱۶۔ حضرت مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمیؓ: حضرت مجاشعؓ نے موجودہ افغانستان کے دارالحکومت کابل میں اسلامی فوج کے ایک دستے کی کمان کرتے ہوئے مخالفینِ اسلام سے جہاد کیا۔ اور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ہی پاکستان کے صوبے بلوچستان میں مخالفینِ اسلام سے جنگ کی اور اس سے ملحقہ علاقہ بھتان پر علم فتح لہرایا (۳۱)۔

۱۷۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرۃ قریشی تمیمیؓ: موصوف نے عراق اور فارس کی بعض جنگوں میں حصہ لیا۔ ۲۳ ہجری میں انہیں بھتان کا والی مقرر کیا گیا اور ہندوستان کے سرحدی علاقوں پر بھی انہوں نے حملے کیے اور کچھ علاقوں کو فتح بھی کیا۔ زندگی کے آخری ایام بصرہ میں گزارے اور مشہور روایت کے

مطابق ۵۱ ہجری کو وہیں فوت ہوئے (۳۲)۔

۱۸۔ حضرت خریت بن راشد ناجی سامیؓ: ۳۷ ہجری میں حضرت علیؓ مسند خلافت پر فائز تھے تو حضرت خریت وارد مکران ہوئے۔ اس طرح ارض برصغیر کو ان کی قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی (۳۳)۔

۱۹۔ حضرت عبداللہ بن سوید تمیمیؓ: یہ صحابیؓ مخضرم تھے۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں علاقہ سندھ کی ایک جنگ میں شریک ہوئے (۳۴)۔

۲۰۔ حضرت کلیب ابووائلؓ: ان کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں سرزمین برصغیر میں تشریف لائے تھے (۳۵)۔

۲۱۔ حضرت مہلب بن ابوصفرہ ازدیؓ: عہد معاویہ میں ۴۴ ہجری کو حضرت مہلبؓ فوجی کی حیثیت سے حدود ہند میں داخل ہوئے اور پھر برصغیر کے بعض دور دراز علاقوں کو پامال کرتے چلے گئے۔ اسی اثناء میں سندھ کے ایک شہر قندابیل کا رخ بھی کیا۔ بالآخر اس عظیم مرد مجاہد اور صحابی رسولؐ نے ایران کے شہر مرو میں ۸۳ ہجری کو وفات پائی (۳۶)۔

۲۲۔ حضرت عبداللہ بن سوار بن حمام عبدیؓ: حضرت عبداللہؓ کو حضرت معاویہؓ نے ۴۳ ہجری میں ۴۰۰۰ فوج کے ساتھ حدود ہند کی طرف روانہ کیا۔ جہاں وہ جہاد میں مصروف رہے۔ بالآخر حضرت عبداللہؓ نے ۴۷ ہجری کو قلات میں ترک باشندوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا (۳۷)۔

۲۳۔ حضرت یاسر بن سوار بن حمام عبدیؓ: یہ حضرت عبداللہؓ کے بھائی تھے اور دور معاویہ میں ان کے ساتھ ہی حدود ہند میں جہاد میں شریک رہے (۳۸)۔

۲۴۔ حضرت سنان بن سلمہ ہذلیؓ: حضرت معاویہؓ کی خلافت میں زیاد بن ابی سفیان نے ۵۰ ہجری میں ان کو جنگ کے لیے فوج کا امیر بنا کر ہندوستان بھیجا۔ انہوں نے حجاج بن یوسف کے دور آخر میں ۹۴ یا ۹۵ ہجری کو وفات پائی (۳۹)۔

۲۵۔ حضرت منذر بن جارود عبدیؓ: حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منذر کو اصرح کا والی مقرر کیا تھا۔ پھر یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں عبید اللہ بن زیاد کے کہنے پر ۶۰ ہجری میں حضرت منذر کو ہند کی سرحدوں کی طرف روانہ کیا گیا۔ بوقان، قلات اور خضدار کی جنگوں میں انہوں نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ایک روایت کے مطابق ۶۲ ہجری میں سندھ کے مفتوحہ علاقوں کی عمارت اور گورنری کا منصب ان کے سپرد رہا۔ اسی اثناء میں ان کی وفات ہوئی (۴۰)۔

اصحاب الحدیث کا اولین کارواں صحابہ کرام کا تھا۔ جو وارد ہند ہوا۔ ان حضرات کا اصل مقصد اہل ہند کو ان پاکیزہ اخلاق و کردار، صاف ستھری تہذیب و ثقافت اور تعلیم شائستگی کی ان بلند ترین اقدار سے فیض یاب کرنا تھا جن کو اسلام میں بنیادی اور اساسی حیثیت حاصل ہے۔

سرزمینِ عجم پر فتوحات کا جو سلسلہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شروع ہوا وہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ۹۲ھ میں اموی دور حکومت میں مکمل ہوا جبکہ اس وقت ولید بن عبدالملک سلطنت اسلامی کے فرمانروا اور حجاج بن یوسف کوفہ کے گورنر تھے حجاج کے بھتیجے محمد بن قاسمؒ نے ۷۱ سال کی عمر میں دیہل کے راستے سندھ میں داخل ہو کر سندھ کو فتح کیا۔ اس وقت سندھ پر ہندو بادشاہ راجہ داہر حکومت کر رہا تھا، اس معرکہ میں مسلمانوں نے سندھ کا ایک وسیع علاقہ فتح کیا اور راجہ داہر قتل کر دیا گیا، کثیر مقدار میں مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ سندھ میں اسلامی علوم کے آغاز اور ان کی اشاعت کے بارے میں سب سے پہلا اور باقاعدہ تحریری ثبوت محمد بن قاسمؒ کی فتح سندھ سے ملتا ہے۔ واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ عرب فوج میں قرآن مجید کے بہت سے قاری تھے جن کو حجاج نے یہ تاکید کی تھی کہ وہ قرآن کی قرات پابندی سے کیا کریں (۴۱)۔

محمد بن قاسمؒ کے ہندوستان پر حملہ نے اشاعت و تبلیغ اسلام کے مشن کو بہت تقویت پہنچائی تھی۔ برصغیر کے سندھ اور پنجاب کے خطوں میں دروس قرآن و حدیث کے عظیم مراکز و مدارس قائم ہوئے۔ جن میں جلیل القدر تابعین و تبع تابعین قرآن و حدیث و دیگر اسلامی علوم کی درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ محمد بن قاسمؒ نے موسیٰ بن یعقوب النقفیؒ کو باقاعدہ درس حدیث پر مقرر فرمایا (۴۲)۔

اس طرح سندھ کی جانب سے برصغیر میں اسلام پہلی صدی ہجری کے اواخر (۹۲ھ/۷۵۰ء) میں داخل ہوا، اسی مناسبت سے سندھ کو ”باب الاسلام“ کہا جاتا ہے۔ سندھ فتح ہونے کے بعد اہل عرب کثرت سے سندھ میں آنے لگے اور اہل سندھ نے بھی عرب کی آمد و رفت شروع کر دی۔ اہل عرب اور اہل ہند کی آمد و رفت کے نتیجے میں اہل ہند اور خصوصاً اہل سندھ کو علوم دینیہ کے حصول کا شوق و جذبہ پیدا ہوا اور اہل عرب سے قرآن و حدیث کے علوم حاصل کرنے شروع کیے۔ علوم دینیہ میں علم تفسیر اور حدیث کو خصوصی و امتیازی مرتبہ حاصل تھا، اس لیے انفرادی دروس کے علاوہ مراکز علم بھی قائم کیے گئے اور علماء بھی تیار ہوئے مثلاً ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن سندھیؒ (یہ مشہور محدث اور معروف تبع تابعی تھے انہوں نے ابو امامہ سہل بن حنیف کو دیکھا ہے۔ بیشمار تابعین کرام سے انہوں نے حدیث کا

سماع کیا۔ مثلاً: محمد بن کعب قرظی، نافع مولیٰ ابن عمر، سعید مقبری، محمد بن منکدر اور ہشام بن عروہ وغیرہ اس سندھی محدث اور تبع تابعی کا رنگ سرخ، آنکھیں نیل گوں اور جسم بھاری بھر کم تھا۔ عباسی خلیفہ مہدی ۱۶۰ھ میں ان کو اپنے ساتھ عراق لے گیا تھا اور ایک ہزار دینار عطا کیے تھے۔ وہ ان سے بہت تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ان سے لوگوں کو تعلیم دینے کی درخواست کی تھی، ابو معشر رمضان ۷۰ھ میں فوت ہوئے اور ان کی عمر ۹۹ سال تھی۔ اسی سال ہارون الرشید تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کا جنازہ پڑھایا اور ان کی موت پر حزن و ملال کا اظہار کیا۔ بغداد کے مقبرۃ الکبیرہ میں دفن کیے گئے۔ (۲۳)۔ ابو عبداللہ محمد بن رجاء سندھی (۲۴)۔ حافظ ابو بکر محمد بن محمد بن رجاء السنہی (م ۲۸۶ھ/۸۹۹ء) (۲۵)۔ ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیلمی (م ۲۳۲ھ/۸۴۶ء)۔ دیلمی کراچی کا نام تھا۔ جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا۔ اس کی فتوحات کے واقعات مشہور ہیں (۲۶)۔ ابو جعفر بن خطاب قصداری (۲۷)۔ قصدار (قزدار) سندھ کا بڑا مشہور شہر تھا جسے مسلمانوں نے سنان بن سلمہ کی قیادت میں فتح کیا جو کہ علم حدیث کا بہت بڑا مرکز تھا (۲۸)۔

سندھ کے علاوہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی جانب سے سلطان محمود غزنوی نے ۳۹۲ھ/۱۰۰۲ء میں داخل ہو کر اسلام کے فروغ و اشاعت کی راہ ہموار کی۔ غزنوی عہد حکومت میں اسلام کی جڑیں لاہور اور گردونواح میں مستحکم ہو گئیں (۲۹)۔ سلطان محمود غزنوی کا حدیث رسول ﷺ سے بہت تعلق تھا وہ تابع سنت نبوی تھے اور اس کو رائج کرنے کا ان کا بڑا ارجمان تھا۔

برصغیر میں تابعین کی ایک کثیر تعداد تشریف لائی، جن کی تفصیل مشہور مؤرخ محمد اسحاق بھٹی

نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ ان میں سے ۴۲ تابعین کے اسماء ملتے ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

- ابن اسید بن احنس (۵۰)، ابوشیبہ جوہری (۵۱)، تاغر بن زعر (۵۲)، حاتم بن قبیصہ (۵۳)، حکم بن منذر عبدی (۵۴)، راشد بن عمرو بن قیس ازدی (۵۵)، زائدہ بن عمیر طائی کوئی (۵۶)، زیاد بن حواری عمی (۵۷)، ابوقیس زیاد بن رباح بصری (۵۸)، حکم بن عوانہ کلبی (۵۹)، معاویہ بن قرہ مزنی بصری (۱۱۳ھ) (۶۰)، کحول بن ابو عبداللہ سندھی (۱۱۳ھ) (۶۱)، عبدالرحمن بن عباس (۶۲)، عبدالرحمن سندھی (۶۳)، قطن بن مدرک کلابی (۶۴)، قیس بن ثعلبہ (۶۵)، کہمس بن حسن بصری (۱۲۹ھ) (۶۶)، یزید بن ابو کبشہ سکسکی دمشقی (۹۶ھ) (۶۷)، موسیٰ سیلانی (۶۸)، موسیٰ بن یعقوب ثقفی

(۶۹) عبدالرحمن کندی (۷۰)، عبدالرحمن بیلمائی (۷۱)، عمر بن عبداللہ قرشی تیمی  
 (۷۲)، شمر بن عطیہ بن عبدالرحمن اسعدی (۷۳)، سعید بن اسلم کلابی (۷۴)، سعید بن  
 کندی قشیری (۷۵)، سعد بن ہشام انصاری (۷۶)، عبدالرحمن بن عبداللہ  
 (۷۷)، حارث بن مرہ عبدی (۷۸)، حارث بیلمائی (۷۹)، ایوب بن زید ہلالی  
 (۸۰) (۸۱)، حری بن حری باہلی (۸۱)، عباد بن زیاد بن ابوسفیان (۱۰۰ھ)  
 (۸۲)، یزید بن مفرح حمیری (۶۹ھ) (۸۳)، ربیع بن صبیح سعدی، بصری (۱۶۰ھ)  
 (۸۴)، مجاعہ بن سمرتمی (۸۵)، عطیہ بن سعد عوفی (۱۱۱ھ) (۸۶)، حسن بصری (۱۱۰ھ)  
 (۸۷)، صفی بن نسل شیبانی (۵۲ھ) (۸۸)، ابوسلمہ زطی (۸۹)، محمد بن قاسم، حباب بن  
 فضالہ ذہلی (۹۰)۔

تمام تابعین عظام قرآن و سنت کے شیدائی تھے ان کے زمانہ میں قال اللہ وقال  
 الرسول ﷺ کے علاوہ کوئی آواز ہی نہ آتی تھی کیونکہ مروجہ مذاہب اربعہ یا دوسرے ظاہری مذہب  
 وغیرہ کا نام نشان ہی نہ تھا۔

برصغیر میں تبع تابعین

برصغیر میں صحابہ کرام اور تابعین کی طرح کثیر تعداد میں تبع تابعین بھی تشریف لائے۔ لیکن  
 جن کے نام و حالات تاریخ نے محفوظ کیے، ان کی تعداد تابعین کی نسبت تھوڑی ہے۔ ان صحابہ، تابعین  
 اور تبع تابعین نے اسلام کے ابتدائی عہد میں برصغیر کا عزم کیا اور انہیں کی کوششوں سے اسلام اور علم  
 حدیث برصغیر تک پہنچا۔

ابتدائی چار صدیوں میں ہندوستان میں لوگوں کا رجحان صرف حدیث نبوی ﷺ کی طرف تھا  
 کیونکہ جب اسلام ہندوستان میں داخل ہوا تو قرآن و حدیث کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔ لوگ  
 علماء اور محدثین کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ ابوالقاسم مقدسی جس نے سلطان محمود غزنوی کے حملہ  
 سے پہلے ۳۷۵ھ/۹۸۵ء میں سندھ کو دیکھا۔ وہ اس خطہ کے متعلق لکھتا ہے: ”ان میں سے اکثر لوگ  
 حدیث کی طرف رجحان رکھنے والے ہیں“ (۹۱)۔

اوائل صدیوں میں عرب سے آنے والے مشہور محدثین کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ موسیٰ بن یعقوب ثقفی (۹۲)۔

۲۔ یزید بن ابی کبشہ دمشقی (۹۳)۔

۳۔ ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری (۹۴)۔

۴۔ ابو حفص ربیع بن صبیح (۹۵)۔

چوتھی صدی ہجری کے دوسرے نصف حصہ میں سندھ پر اسماعیلیوں کی حکومت کے قیام سے لے کر آٹھویں صدی ہجری کے وسط تک زیریں سندھ میں اسماعیلیوں کا اثر کسی نہ کسی شکل میں مسلسل باقی رہا۔ سندھ پر عربوں کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد جو حالات رونما ہوئے۔ ان میں سے عرب ممالک اور بالخصوص حجاز میں واقع علم حدیث کے مراکز سے سندھ کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ اس طرح جنوبی ہند میں علم حدیث کا احیاء کرانے میں بھی تاخیر ہو گئی۔

سندھ میں عرب حکومت کمزور پڑ جانے کے بعد شمال مغربی سرحدی جانب سے جب غزنویوں اور غوریوں کی حکومت یہاں قائم ہوئی تو براہ راست محدثین کی آمد و رفت کم ہو گئی ان کی بجائے خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ کے علما یہاں فروکش ہوئے۔ اس دور میں مذاہب اربعہ کا رواج بھی کسی قدر پڑ چکا تھا اور یہ فاتحین بھی حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے ساتھی فقہائے کرام کا تعلق علم حدیث سے بہت کم تھا جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صراحت کی ہے۔ و اشتغالہم بعلم الحدیث قلیل قدیما و حدیثا (۹۶) (ان کی قدیم اور جدید زمانہ میں علم حدیث کے ساتھ مشغولیت کم تھی)۔ سید عبدالحی حسنی لکھتے ہیں:

۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں سقوط بغداد کے بعد برصغیر میں حدیث کی طرف رجحان کم رہا زیادہ تر ادب، شعر، فقہ، اصول فقہ، ریاضی اور یونانی علوم کی طرف رجحان کرتے تھے۔ حدیث کی طرف ان کا اتنا ہی رجحان تھا جس قدر احادیث فقہ کی کتب میں آجاتی تھیں۔ ان کی نظر صرف صغانی کی کتاب مشارق الانوار کی طرف ہوتی تھی اور اگر کوئی مصابح السنہ یا مشکوٰۃ پڑھ لیتا تو اسے محدث سمجھا جاتا تھا۔ ایسا ان کے علم حدیث سے ناواقفیت کی بناء پر تھا۔ وہ حدیث کی کتب کو نہ پڑھتے تھے نہ جانتے تھے اور نہ ہی محدثین کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔ مشکوٰۃ کو بھی علم اور فہم کے لیے نہیں بلکہ برکت کے لیے پڑھا جاتا تھا۔ وہ تقلید کے قائل تھے اور تحقیق کی طرف ان کا میلان نہیں تھا اس لیے یہاں زیادہ تر ایسے



فتاویٰ دیے جاتے تھے جن میں فقہ کو احادیث پر فوقیت دی جاتی۔ جب دسویں صدی ہجری میں یہاں علمائے محدثین تشریف لائے تو حدیث کی طرف رجحان شروع ہوا (۹۷)۔

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ شیخ شمس الدین ترک جب آٹھویں صدی ہجری میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے دور میں وارد ہند ہوئے تو یہاں کے حالات کے متعلق سلطان وقت سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں احادیث <sup>مصطفیٰ ﷺ</sup> کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور فقہیوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں، تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں فقہ کی روایت پر عمل کریں تو وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں پھوٹنے لگتے (۹۸)۔ سید سلیمان ندوی نے عہد تغلق میں علم حدیث کے متعلق لکھا ہے:

اس عہد میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کو جو بے اعتنائی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے ایک مجلس منعقد ہوئی۔ مناظرہ کے ایک فریق شیخ نظام الدین سلطان الاولیاء تھے اور دوسری طرف تمام علماء۔ شیخ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو علماء بڑی جرأت اور بے باکی سے کہتے کہ اس ملک میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے اور کبھی یہ کہتے کہ چونکہ اس حدیث سے شافعی نے استدلال کیا ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے اس لیے ہم اس حدیث کو نہیں مانتے (۹۹)۔

اس عمومی حالت کے باوجود یہاں خال خال شخصیات ایسی بھی نظر آتی ہیں جنہوں نے اس بے اعتدالی اور جمود کو قبول نہیں کیا۔ ان میں نامور علماء یہ ہیں:

شیخ حسن بن محمد صغانی: موصوف کی کنیت ابو الفھائل ہے۔ آپ کا خاندان ماوراء النہر اور غزنین سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر والد محترم نے ہندوستان سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ ۵۵۷ھ لاہور میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن کے اعتبار سے صغانی اور مولد کے اعتبار سے لاہوری معروف ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد محترم سے حاصل کی۔ اور تکمیل حجاز، یمن اور عراق کے شیوخ سے کی۔ اپنے وقت کے عظیم محدثین و فقہاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی تصانیف کا دائرہ، حدیث، فقہ اور لغت تک وسیع ہے۔ جن کی تعداد دو درجن کے قریب ہے۔ جن میں سب سے مشہور مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار

المصطفویہ ہے۔ جو صحیحین کی صرف قولی احادیث کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے ہندوستان میں مولانا خرم علی بلہوری المتوفی ۱۲۷۰ھ کے ترجمہ اور تشریح کے ساتھ لکھنؤ سے ۱۲۵۲ھ میں شائع ہوئی۔ (۱۰۰)

علی المتقی: ان کا مکمل نام علی بن حسام الدین بن عبدالمک المتقی ہے۔ جو کہ ۸۸۵ھ کو برہان پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہاں سے حاصل کی پھر ملتان میں شیخ حسام الدین المتقی کے ہاں دو سال رہ کر علوم کی تکمیل کی۔ غالباً المتقی کا لقب انہیں استاد کی نسبت سے حاصل ہوا۔ حدیث کا معروف دائرۃ المعارف جو کہ کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال کے نام سے مشہور ہے۔ آپ ہی کی تصنیف ہے۔ ان کی وفات ۹۷۵ھ میں ہوئی۔ (۱۰۱)

شیخ محمد طاہر پٹنی: ”پٹن“ احمد آباد کے پاس ایک قصبہ کا نام ہے اور اب تک آباد ہے۔ اسی پٹن میں پیدا ہونے والے شیخ محمد بن طاہر پٹنی کے نام سے مشہور ہوئے۔ موصوف کی حدیث میں بہت سی خدمات ہیں مثلاً مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل و لطائف الاخبار تذکرہ الموضوعات، قانون الموضوعات اور مغنی فی اسماء الرجال ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ اور مطبوع ہیں۔ موصوف ۹۸۶ھ کو دنیا کو خیر باد کہہ گئے۔ (۱۰۲)

شیخ ابوالحسن سندھی: موصوف کا نام محمد، کنیت ابوالحسن اور لقب نور الدین تھا۔ سندھ کے مرکز علم ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پھر حجاز مقدس کا سفر کیا اور حصول تعلیم کے بعد حرم نبوی ہی میں تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دینا شروع کر دیا۔ ان کی تصنیفات میں الصحاح ستہ پر حواشی کو خاصی شہرت حاصل ہے۔ بالآخر ۱۱۳۸ھ کو موصوف رحلت فرما گئے۔ (۱۰۳)

شیخ محمد حیات سندھی: موصوف ۱۲ صدی ہجری کے نامور محدثین میں سمجھے جاتے ہیں جو کہ سندھ کے ضلع سکھر کے علاقہ عادل پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہاں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے حجاز پہنچ گئے۔ مولانا ابوالحسن سندھی کی وفات کے بعد انہیں کے جانشین بنے اور ان کی مسند پر ۲۴ سال حدیث کا درس دیتے رہے۔ ان کی تصنیفات میں الایقاف علی سبب الاختلاف اور تحفة الانام فی العمل بحلیث النبی ﷺ کے نام مشہور ہیں۔ موصوف ۲۶ صفر ۱۱۶۳ھ کو مدینہ میں فوت ہوئے۔ (۱۰۴)

آخری دور میں شیخ احمد سرہندی یعنی مجدد الف ثانی نے بھی اپنی تعلیمات کی بنیاد کشف والہام اور مشرب مرشد کی بجائے کتاب و سنت پر رکھی۔ سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں۔

حضرت مجدد نے اپنی تعلیم کی بنیاد اتباع سنت پر رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم حدیث اور شمائل کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہونے لگی۔ (۱۰۵)

برصغیر میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ جس میں محدثین عظام نے علم حدیث کی آبیاری نہ کی تاہم ان میں سے مشہور یہ ہیں:-

شیخ احمد سرہندی: موصوف ۱۵۶۲ء کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے سیالکوٹ، کشمیر وغیرہ کا سفر کیا۔ مولانا نے حدیث کے میدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں، اور پھر بالخصوص انہوں نے مسلمانوں کو جمود کے خاتمے اور قرآن و حدیث کے مطالعہ کی بہت رغبت دلائی۔ اسی مناسبت سے ان کا ایک رسالہ اربعین کے نام سے منظر عام پر ہے۔ مولانا نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۶۲۲ء کو وفات پائی۔ (۱۰۶)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی: یہ جنوری ۱۵۵۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے مکہ مکرمہ کا سفر کیا۔ ۱۵۹۲ء کو حصول تعلیم کے بعد ہندوستان واپس آئے تو ایک مدرسہ دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ جس میں تدریس حدیث کے علاوہ حدیث پر تحریری کام بھی بہت کیا۔ مثلاً مشکوٰۃ کی دو شرحیں ایک فارسی زبان میں اشعة اللمعات اور دوسری عربی زبان میں لمعات التنقیح لکھیں۔ فارسی شرح کے مقابلے میں مشکوٰۃ کی عربی شرح زیادہ واضح اور مفصل ہے، نیز مشکوٰۃ کے ہی حوالے سے ایک اور کتاب جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ مرتب کی، جس میں مشکوٰۃ کے ہر ایک باب سے ایک یا دو حدیثوں کو اخذ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ما ثبت بالسنہ فی ایام السنہ، ترجمہ الاحادیث الاربعین، الاحادیث فی ابواب علوم الدین اور دستور فیض النور وغیرہ کتب حدیث بھی موصوف کی ہیں۔ آپ نے ۹۱ سال کی عمر میں ۱۶۲۲ء کو وفات پائی۔ (۱۰۷)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: مولانا ۱۱۴۳ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی علاقے کے بزرگ علماء سے حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ ۱۱۴۳ھ کو ہندوستان واپس آ کر خدمت حدیث میں مصروف ہو گئے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی زندگی کے ۷۱ سال کی عمر میں ہی تدریس کا آغاز کر دیا۔ تو اس اعتبار سے تدریس حدیث کے علاوہ حدیث کے میدان میں تحریری شکل میں بھی نمایاں کام سرانجام دیا ہے۔ مثلاً المسویٰ (عربی) اور المصفیٰ (فارسی) موطا کی دو شرحیں کیں۔

نیز حجة الله البالغه، الانصاف في سبب الاختلاف، مجموعہ رسالہ اربعہ، الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین، تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء اور مسلسلات کے نام سے مختلف کتب حدیث کو تالیف کیا۔ بالآخر مولانا ۲۹ محرم ۱۱۷۶ بمطابق ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء کو ۶۲ سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (۱۰۸)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: مولانا ۱۷۴۷ء کو علمی خاندان شاہ ولی اللہ کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ موصوف نے خدمت حدیث کے اس بابرکت کام میں حصہ ڈالنے کے لیے بستان المحدثین کے نام سے فارسی زبان میں ایک کتاب تحریر کی۔ جس میں محدثین کے حالات درج ہیں۔ شاہ عبدالعزیز بروز اتوار ۱۸۲۴ء کو ۷۷ سال کی عمر میں اس دنیا فانی سے کوچ فرما گئے۔ (۱۰۹)

بعض تذکرہ نگار انہیں برصغیر میں علم حدیث کے بانی قرار دیتے ہیں، یہ بات درست نہیں ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے برصغیر میں علم کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز کیا ہے اور علم حدیث رائج کرنے کی بھرپور کوشش کی (۱۱۰)۔

برصغیر کے مسلمانوں نے اسلامی علوم کے فروغ کے سلسلہ میں تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور ادب میں قابل تعریف کارنامے انجام دیئے ہیں۔

علمائے برصغیر نے دیگر علوم کی طرح علم حدیث کے فروغ کا اہتمام کیا اور کتب حدیث، صحاح ستہ، مسانید اور معاجم وغیرہ کے ترجمہ و تشریح اور تحقیق و تخریج میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس وقت ہمیں اس کتاب کی بیسویں شروحات ملتی ہیں، یہ علمائے برصغیر کی علم حدیث کے ساتھ والہانہ عقیدت کا بین ثبوت ہے۔ جن میں نمایاں نام یہ ہیں۔

نواب سید صدیق حسن خان: نواب صاحب ہندوستان کے شہر بانس بریلی میں ۱۸۳۲ء کو پیدا ہوئے۔ حصول تعلیم کے بعد حدیث کے میدان گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ موصوف نے عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کے قریب کتابیں لکھیں جن میں سے علم حدیث پر چند کتابیں یہ ہیں: عون الباری شرح تجرید شرح بخاری، مسک الختام شرح بلوغ المرام (فارسی)، منہج الوصول (فارسی)، ہدایۃ السائل، الروضة الندیۃ شرح درر البہیہ، فتح المغیث، موائد العوائد وغیرہ۔ مولانا ۵۸ سال کی عمر میں فروری ۱۸۹۰ء کو بھوپال میں وفات پا گئے۔ (۱۱۱)

سید نذیر حسین دہلوی: مولانا دہلوی صاحب بہار کے ضلع مونگیر میں پیدا

ہوئے۔ موصوف کی تصنیف و تالیف کی تعداد ۵۷ ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں: معیار الحق، ثبوت الحق، واقعات الفتوی و دافعة البلوی، فلاح الولی فی اتباع النبی ﷺ اور فتاویٰ نذیریہ وغیرہ۔ میاں صاحب ۱۰۰ سال کی عمر میں ۱۹۰۲ء کو دہلی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (۱۱۲)

رشید احمد گنگوہی: موصوف سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ مولانا کو تذکرۃ الرشید کی وجہ سے بہت شہرت ملی۔ ترمذی پر آپ کی تقاریر کا مجموعہ الکوکب الدرری کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ سبیل الرشادات وغیرہ بھی آپ ہی کی کتب ہیں۔ آپ ۱۹۰۵ء کو تقریباً ۷۸ سال کی عمر میں دنیا فانی کو خیر باد کہہ گئے۔ (۱۱۳)

مولانا شمس الحق ڈیانوی: مولانا ۱۸۵۶ء کو اعظم آباد کے قصبہ ڈیانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حدیث کے میدان میں بہت شہرت حاصل کی۔ کتب حدیث میں سے غایۃ المقصود فی حل سنن ابی دائود، القول الحق، عون المعبود شرح سنن ابی دائود، التعلیق المغنی علی کتاب سنن الدار قطنی وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ آپ نے ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو وفات پائی۔ (۱۱۴)

مولانا عبدالجبار غزنوی: موصوف ۱۸۵۱ء کو غزنی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مدرسہ غزنویہ کی بنیاد رکھی، جہاں حدیث کی تدریس میں بہت بلند نام پیدا کیا۔ مولانا ۱۹۱۲ء کو فوت ہو گئے۔ (۱۱۵)

حافظ عبدالمنان وزیر آبادی: حافظ صاحب اعوان خاندان میں ۱۸۵۰ء کو سیداں ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ مولانا نے سید نذیر حسین دہلوی سے حدیث پڑھنے کے بعد وزیر آباد میں دارالحدیث کی بنیاد رکھی اور ۴۲ سال تک تفسیر و حدیث کا درس دیتے رہے۔ اور ۳۵ مرتبہ مکمل صحاح ستہ پڑھائیں۔ تصنیف و تالیف کی بجائے تدریس کے ذریعے مولانا موصوف نے برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ آپ نے ۱۹۱۴ء میں وفات پائی۔ (۱۱۶)

مولانا وحید الزمان: مولانا کانپور میں ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ خدمت حدیث میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ تقریباً دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں ان میں سے حدیث کے موضوع پر درج ذیل کتابیں مشہور ہیں: کشف المغطا عن المؤطا ترجمہ موطا امام مالک، الہدی المحمود لترجمہ سنن ابی دائود، المعلم لترجمہ صحیح مسلم، تسہیل القاری شرح اردو صحیح بخاری، رفع العجاجة عن ترجمہ سنن ابن ماجہ، روض الرمی

من ترجمہ المجتبیٰ (سنن نسائی کا ترجمہ)۔ وحید الزمان صاحب ۱۵ مئی ۱۹۲۰ء کو حیدرآباد میں صدائے ربانی پر لبیک کہہ گئے۔ (۱۱۷)

انور شاہ کشمیری: شاہ صاحب ۱۸۷۵ء کو کشمیر میں پیدا ہوئے۔ خدمت حدیث کی مناسبت سے ترمذی کی شرح العرف الشذی کی وجہ سے ان کو شہرت ملی۔ آپ ۱۹۳۲ء کو ۶۰ سال کی عمر میں دیوبند میں فوت ہوئے۔ (۱۱۸)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری: مولانا ۱۸۵۲ء کو سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ خدمت حدیث میں سنن ابی داؤد کی شرح بذل المجہود کی وجہ سے ان کو شہرت ملی۔ آپ نے ۱۹۲۷ء کو وفات پائی، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (۱۱۹)

حافظ عبدالرحمن محدث مبارکپوری: آپ ۱۸۶۶ء کو مبارک پور میں پیدا ہوئے۔ حدیث کا علم سید نذیر حسین دہلوی سے حاصل کیا۔ خدمت حدیث کی مناسبت سے سنن ترمذی کی شرح تحفة الاحوذی کی وجہ سے شہرت پائی۔ اور پورے عالم اسلام میں مشہور ہو گئے۔ ۱۹۳۵ء کو کچھ عرصہ علیل رہنے کی وجہ سے وفات پا گئے۔ (۱۲۰)

حافظ محمد گوندلوی: آپ گوجرانوالہ کے نواح گوندلانوالہ میں ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر اپنی زندگی کے تقریباً ۶۰ سال تدریس حدیث میں صرف کیے۔ مولانا نے حدیث کی تدریس کے لیے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ۲ سال کا عرصہ تدریس میں گزارا۔ آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ چند ایک کتب حدیث یہ ہیں: تقاریر صحیح بخاری، شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی)، درس صحیح بخاری، دوام حدیث وغیرہ اس کے علاوہ بھی مختلف موضوعات پر بیس سے زائد کتب لکھیں۔ ۱۹۸۵ء کو فوت ہوئے۔ (۱۲۱)

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی: مولانا امرتسر کے قصبہ بھوجیان میں ۱۹۰۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ ایک بلند پایہ مصنف اور مؤلف کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ کتب حدیث کی مناسبت سے سنن نسائی کی شرح التعليقات السلفیہ، فیض الودود تعلیق علی سنن ابی داؤد، پیارے رسول کی پیاری دعائیں جیسی کتب تالیف کیں۔ آپ ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو فوت ہوئے، اور لاہور کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ (۱۲۲)

حدیث کی نشر و اشاعت میں اہم کردار علماء کے ساتھ ساتھ مراکز حدیث کا بھی ہے۔ کیونکہ مراکز حدیث ایک ایسے بنیادی ادارے ہوتے ہیں جن سے بہت باوقار اور بلند عزم و ہمت والی شخصیتیں جنم لیتی ہیں جو حالات کے رخ کو بدلنے میں بہت نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ مراکز حدیث آغاز اسلام سے اب تک مختلف صورتوں میں اپنی ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔ اس کی جدید ترین شکل ایک باقاعدہ تعلیمی ادارے کی ہے، جہاں شب و روز سینکڑوں حدیثوں کی تدریس، افہام و تفہیم اور ان پر عمل کا کام جاری ہے۔ برصغیر کے نمایاں مراکز حدیث میں ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد، جامعہ سلفیہ فیصل آباد، جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ، جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ، جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانبجن، تقویۃ الاسلام لاہور، جامعہ رحمانیہ لاہور، جامعہ نعیمیہ لاہور، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، دارالحدیث رحمانیہ دہلی، دارالحدیث وزیر آباد اور مدرسہ رحیمیہ دہلی قابل ذکر ہیں۔ (۱۲۳)

برصغیر کے علوم اسلامیہ کے نصاب کو مولانا ابوالحسنات ندوی نے پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے جن کے مطابق پہلا دور بارہویں صدی عیسوی اور پندرہویں صدی عیسوی کے درمیان تقریباً دو سو سال تک رہا۔ اس میں علوم عقلیہ کو فوقیت تھی حدیث میں صرف مشارق الانوار اور مصابیح السنۃ شامل نصاب تھیں۔ دوسرا دور ایک صدی پر محیط ہے جس میں یہی نصاب رائج رہا۔ تیسرے دور جو کہ شاہ ولی اللہ کی وفات تک محیط ہے اس میں مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی اور صحیح بخاری شامل نصاب ہو گئیں۔ پھر دور چہارم میں صرف حدیث کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح شامل نصاب رہی۔ دور پنجم ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد شروع ہوا۔ اس نصاب میں کتب حدیث کا بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ جس میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ شامل ہو گئیں۔ (۱۲۴)

عصر حاضر کے درس نظامی کے نصاب میں حدیث کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی مناسبت سے مدارس سلفیہ میں کتب صحاح اور دیگر کتب حدیث کو بالاستیعاب پڑھایا جاتا ہے، اور پھر افہام و تفہیم کے لیے بھی اچھا خاصہ وقت صرف کیا جاتا ہے۔ نیز جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں باقاعدہ حدیث و سیرت میں ایم۔ اے کروایا جاتا ہے اور پھر ہریونیورٹی کے ایم۔ اے اسلامیات میں حدیث کا پرچہ باقاعدہ شامل ہے۔ (۱۲۵)

برصغیر کے تدریس اسالیب حدیث میں جو طریقہ مروج ہے اس میں مطالعہ، قرآن، سماع،

مباحثہ، اعادہ، پڑھنے کی مشق اور امالی جیسے ارکان شامل ہیں۔ جس سے حدیث کے افہام و تفہیم اور عربی متن کو پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

پاک و ہند میں مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو کر تدریس و ترویج حدیث کی سعادت شاہ ولی اللہؒ کی ذات گرامی کا مقدر تھی۔ آپ نے یہاں معقولی و منقولی نظام تعلیم میں پرورش پائی لیکن جب زیارت حرمین سے اور وہاں علم حدیث کو حاصل کرنے کے بعد ہندوستان واپس آئے تو مسلکی تعصب کی جگہ بین المسالک تطبیقی فکر نے لی اور اسی وجہ سے آپ نے موطا کی دو شرحیں المسویٰ (عربی) اور المصفیٰ (فارسی) میں لکھیں۔ اور حجۃ اللہ البالغہ میں اس کو صحیحین کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اور فکر محدثین کی طرف رجوع کی طرف تلقین کی۔ اس مشن اور فکر کو لے کر آپ کا خاندان آگے بڑھا یہاں پر دارالحدیث کا قیام اور کتب حدیث کی تدریس میں اضافہ کا سہرا اپنے سر باندھا۔ پھر اسی مشن کو شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی نے چار چاند لگا دیئے۔ بقول سید سلیمان ندویؒ کے مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے، رفع ہو گیا اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی۔ اور قیل و قال کے مکر گر گھوں کی بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصفا کی طرف واپسی ہوئی۔“ (۱۲۶)

برصغیر میں چودھویں صدی ہجری تک علماء ہاتھ سے لکھ کر کتب حدیث پھیلاتے تھے۔ ان میں علم حدیث اور دیگر علوم (عموماً عربی، اردو اور فارسی زبان) کے گراں قدر لٹریچر شامل ہیں۔ تیرہویں صدی ہجری کے اختتام اور چودھویں صدی کے آغاز میں علمائے برصغیر نے اسلامی کتب کی اشاعت کے لیے چھاپے خانے قائم کئے اور اسلام علوم خصوصاً علم حدیث کی اہم اور نادرونایاب کتابیں طبع کیں۔ ان مطابع سے بہت سی مفید کتابیں چھپ کر منظر عام پر آ گئی۔ لیکن بعض لٹریچر اب تک مخطوطات کی شکل میں ہیں۔ برصغیر میں بہت سی اہل علم اور ادارے ایسے ہیں جنہوں نے ان تصانیف کو مخطوطات کی شکل میں محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا ہے۔





## حوالہ جات و حواشی

- ۱- طبری، محمد بن جریر، جامع البیان المعروف تفسیر طبری (المکتبہ التجاریہ، القاہرہ) ۳۸/۲۔
- ۲- صدیقی، زبیر احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۷ء) ص: ۳۱۔
- ۳- محمد اسلم سیف، قاضی، تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں (مکتبہ تعلیمات اسلامیہ، فیصل آباد، ۱۹۹۴ء) ص: ۱۲۷۔
- ۴- نسائی، احمد بن شعیب، السنن (دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء) ص: ۱۳۸، رقم الحدیث: ۳۱۷۳۔
- ۵- بلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان (المکتبہ التجاریہ الکبریٰ، القاہرہ، ۱۹۵۹ء) ص: ۸۴۔
- ۶- ندوی، سید سلیمان، عربوں کی جہاز بانی (اسلامک کلچر، حیدرآباد، دکن) ص: ۵۲۔
- ۷- غازی، محمود احمد، محاضرات حدیث (الفیصل ناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۴ء) ص: ۴۱۳۔
- ۸- رازی، عبدالرحمان بن ابی حاتم، کتاب الجرح والتعديل (دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۵۲ء) ص: ۸۔
- ۹- ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل، البدایہ والنہایہ (مکتبہ المعارف، بیروت، ۱۹۸۳ء) ۸۸/۹۔
- ۱۰- ایس ایم ناز، ڈاکٹر، شاہ ولی اللہ اور علم حدیث (مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۳ء) ص: ۸۴۔
- ۱۱- محمد اسحاق، ڈاکٹر، علم حدیث میں برصغیر پاک و ہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء) ص: ۲۷۔
- ۱۲- ایضاً، ص: ۳۴۔
- ۱۳- بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور) ص: ۴۶۔
- ۱۴- ایضاً، ص: ۴۷۔
- ۱۵- ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، جہرۃ انساب العرب (دارالمعارف - مصر، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) ص: ۲۶۶۔
- ۱۶- مبارکپوری، اطہر، قاضی، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں (مکتبہ عارفین،

کراچی) ص: ۱۷-۲۷۔

- ۱۷۔ ابن حجر، احمد بن علی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (طبع مصر) ۲۸/۸۔
- ۱۸۔ ابن العماد، عبدالحی، شذرات الذهب (مکتبۃ القدس، القاہرہ ۱۳۵۰ھ)، ۵۵/۱۔
- ۱۹۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ (دارصادر، بیروت۔ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) ۱۸۰/۷،
- مبارکپوری، اطہر، قاضی بخلافت راشدہ اور ہندوستان (تخلیقات۔ لاہور ۲۰۰۲ء) ص ۱۷۸۔
- ۲۰۔ طبری، تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ طبری (دارالمعارف۔ القاہرہ ۱۹۶۳ء) ۱۸۱/۲-۱۸۲۔
- ۲۱۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۱۷۷/۱۰۔
- ۲۲۔ طبری، ابن جریر، تاریخ طبری ۱۸۲/۲۔
- ۲۳۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (تحقیق) ۱۹۹/۱۰۔
- ۲۴۔ طبری، ابن جریر، تاریخ طبری ۱۸۲/۲۔
- ۲۵۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (تحقیق) ۱۷۶/۱۰۔
- ۲۶۔ طبری، ابن جریر، تاریخ طبری ۱۸۱-۱۸۰/۲۔
- ۲۷۔ مبارکپوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، ص: ۲۶۳۔
- ۲۸۔ بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۷۸۔
- ۲۹۔ طبری، تاریخ طبری ۲۶۲/۲۔
- ۳۰۔ بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۷۹۔
- ۳۱۔ ایضاً، ص ۸۰۔ ۳۲۔ ایضاً، ص ۸۱۔
- ۳۳۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۲۹/۲۔
- ۳۴۔ ایضاً، ۹۳/۵۔
- ۳۵۔ بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۸۳۔
- ۳۶۔ مبارکپوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص ۷۶۔
- ۳۷۔ بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۸۵۔
- ۳۸۔ ایضاً، ص ۸۵۔

- ۳۹- بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۸۵-۸۶۔
- ۴۰- ابن حجر، الاصابہ فی تممیز الصحابہ، ۱۶۰/۲۔
- ۴۱- مرزا قلیچ بیگ، چچ نامہ (مترجم انگلش، فریدون بیک کراچی)، ص: ۷۸۔
- ۴۲- عبدالحی حسنی، نزہة الخواطر (دائرة المعارف، حیدرآباد، بھارت) ۳۵/۱۔
- ۴۳- ایضاً، ۳۵/۱۔
- ۴۴- مبارکپوری، رجال السنند و الهند، (المطبعة الحجازية، بمبئی، ۱۹۵۸ء) ص: ۲۱۷۔
- ۴۵- ایضاً، ص: ۳۳۶۔ ۴۶- ایضاً، ص: ۲۰۴۔
- ۴۷- ایضاً، ص: ۸۹۔ ۴۸- ایضاً، ص: ۳۳۔
- ۴۹- فریوائی، عبدالرحمن بن عبدالجبار، جهود مخلصه فی خدمة السنند المطهرة (الجامعة السلفية بنارس، ہند ۱۴۰۶ھ) ص: ۳۔
- ۵۰- ابن حزم جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۸، محمد اسحاق بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۹۰۔
- ۵۱- بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۹۰۔
- ۵۲- مرزا قلیچ بیگ، چچ نامہ، ص ۹۹۔
- ۵۳- ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، ص ۲۹۶۔
- ۵۴- ایضاً، ص: ۲۹۶۔
- ۵۵- بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۹۲۔
- ۵۶- ایضاً، ص ۹۲۔ ۵۷- ایضاً، ص ۹۳۔
- ۵۸- ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، ص ۲۵۹۔
- ۵۹- بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۹۵۔
- ۶۰- بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۹۵۔
- ۶۱- بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۹۵-۹۶۔
- ۶۲- بخاری، محمد بن اسماعیل، تاریخ الكبير (حیدرآباد دکن، ہند) ۲۹۵/۲۔
- ۶۳- بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۹۶-۹۷۔

- ۶۴۔ بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۹۷۔
- ۶۵۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب ۸/۲۵۰۔
- ۶۶۔ ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، ص ۴۳۲۔
- ۶۷۔ مبارکپوری، اطہر، قاضی، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص ۷۰۔
- ۶۸۔ بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۹۷۔
- ۶۹۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ (دارالکتب العربی، بیروت، ۲۰۰۶ء) ۳/۷۴، ۷۵۔
- ۷۰۔ بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۱۰۰۔
- ۷۱۔ ایضاً۔
- ۷۲۔ ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، ص: ۲۸۷۔
- ۷۳۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ۳۶/۴۔
- ۷۴۔ بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۱۰۲۔
- ۷۵۔ بخاری، تاریخ الکبیر ۲/۷۶۔
- ۷۶۔ بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص: ۱۰۴۔
- ۷۷۔ ایضاً۔ ص ۱۰۴-۱۰۵۔
- ۷۸۔ ایضاً۔ ص ۱۰۵۔
- ۷۹۔ ابن خلکان، احمد بن محمد، وفيات الاعیان (مکتبۃ النهضة المصریۃ القاہرہ، ۱۹۴۸ء) ۱/ ۲۳۰-۲۳۱۔
- ۸۰۔ بلاذری، فتوح البلدان، ص ۴۲۲۔
- ۸۱۔ ابن خلکان، وفيات الاعیان ۵/۳۸۴۔
- ۸۲۔ بھٹی، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص ۱۰۷۔
- ۸۳۔ معارف، ماہنامہ، اعظم گڑھ۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء، (ج ۲۲، ش ۴) ص ۲۵۱۔
- ۸۴۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب ۳/۲۴۸۔
- ۸۵۔ مبارکپوری، رجال السنہ والہند، ص ۱۰۹-۱۱۰۔
- ۸۶۔ مبارکپوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، ص ۲۵۴۔
- ۸۷۔ طبری، ابن جریر، تاریخ طبری ۵/۲۷۱۔

- ۸۸- بلاذری، فتوح البلدان، ص ۳۶۹- ۸۹- ابن اثیر، الکامل ۳/۱۳۱-  
 ۹۰- ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، امام، میزان الاعتدال (دار المعرفہ، بیروت۔ سن ۱/۲۲۸-  
 ۹۱- فریوائی، جهود مخلصہ، ص: ۲۱-  
 ۹۲- عبدالحی حسنی، نزہة الخواطر، ۱/۳۵-  
 ۹۳- فریوائی، جهود مخلصہ، ص: ۱۴-  
 ۹۴- ایضاً، ص: ۱۸- ۹۵- ایضاً، ص: ۲۴-  
 ۹۶- شاہ ولی اللہ، الانصاف، ص: ۷۷-  
 ۹۷- فریوائی، جهود مخلصہ، ص: ۳۶-  
 ۹۸- بھٹی، فقہائے ہند (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۶/۱۹۷۶) ۱/۲۲۳-  
 ۹۹- ندوی، سید سلیمان، مقالات سید سلیمان ندوی، ۲/۳۰-  
 ۱۰۰- عبدالحی، نزہة الخواطر، ۱/۱۳۷-  
 ۱۰۱- اثری، ارشاد الحق، پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات  
 حدیث (ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد، ۲۰۰۱ء) ص: ۱۵-  
 ۱۰۲- ایضاً، ص: ۱۵-  
 ۱۰۳- بھٹی، فقہائے ہند، ۵/۱۷۵-  
 ۱۰۴- ترجمان الحدیث، ماہنامہ، لاہور، فروری و مارچ ۱۹۷۹ء-  
 ۱۰۵- اثری، پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ص: ۹۱-۲۱-  
 ۱۰۶- ڈاکٹر محمد اسحاق، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ص: ۱۶۵-  
 ۱۰۷- عبدالمصطفیٰ محمد اشرف، مدارج النبوة (مقدمہ) (مکتبہ اسلامیہ لاہور) ص: ۶-  
 ۱۰۸- ناز، ڈاکٹر ایم ایس، شاہ ولی اللہ اور علم حدیث (مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۳ء) ص: ۱۳۳-  
 ۱۰۹- عراقی، تذکرۃ النبلاء (بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۴ء) ص: ۴۵-  
 ۱۱۰- ناز، ڈاکٹر ایم ایس، شاہ ولی اللہ اور علم حدیث، ص: ۱۱۳-  
 ۱۱۱- عراقی، عبدالرشید، تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص: ۳۲۴-  
 ۱۱۲- ڈاکٹر محمد اسحاق، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ص: ۲۰۲-

- ۱۱۳۔ ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان (شاہ عالم مارکیٹ، لاہور) ص: ۱۵۰۔
- ۱۱۴۔ عراقی، تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص: ۲۳۳۔
- ۱۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۳۱۔
- ۱۱۶۔ گھر جاگھی، خالد، سوانح حیات فضل الہی (جمعیت المجاہدین، گوجرانوالہ، ۱۹۳۲ء) ص: ۶۱۔
- ۱۱۷۔ چشتی، عبدالحکیم، حیات و حید الزمان (نور محمد، کارخانہ تجارت آرام باغ، کراچی) ص: ۱۵۔
- ۱۱۸۔ ارشد، بیس بڑے مسلمان، ص: ۳۷۰۔
- ۱۱۹۔ میرٹھی، عاشق الہی، تذکرۃ الخلیل (مکتبہ قاسمہ سیالکوٹ، ۱۹۳۹ء) ص: ۲۶۔
- ۱۲۰۔ عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ۲۴۲/۸۔
- ۱۲۱۔ حافظ محمد گوندلوی، درس صحیح بخاری (اسلامک پبلیکیشنز، لاہور) مرتب منیر احمد سلفی، ص: ۹۔
- ۱۲۲۔ انصاری، عبدالعظیم، تذکرہ علمائے بھوجیان (ناشر عمر فاروق بھوجیانی، قصور ۱۹۸۳ء) ص: ۲۷۔
- ۱۲۳۔ ظفر، عبدالرؤف، علوم الحدیث (کتاب سرائے، لاہور ۲۰۱۲ء) ص: ۶۸۹/۶۷۸۔
- ۱۲۴۔ قادری، حقانی، ڈاکٹر، دینی مدارس نصاب و نظام تعلیم اور عصری تقاضے (فضلی سنز، کراچی، ۲۰۰۲ء) ص: ۳۴۱۔
- ۱۲۵۔ سلپس شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ۲۰۰۲ء تا ۲۰۰۵ء۔
- ۱۲۶۔ نوشہروی، امام خاں، ابویحییٰ، تراجم علمائے حدیث ہند (مرکزی جمعیت اہلحدیث، لائل پور) ص: ۳۳، مقدمہ از سید سلیمان ندوی۔

## اصولِ حدیث پر اردو میں لکھی گئی معروف کتب کا مختصر جائزہ

ظلِ سما\*

علوم حدیث کی انواع و اقسام بہت زیادہ ہیں۔ متقدمین میں سے حاکم نیشاپوریؒ نے ”معرفة علوم الحدیث“ میں باون، ابن الصلاحؒ نے مقدمہ، امام نوویؒ نے ”التقریب فن اصول الحدیث“ اور ابن ملقنؒ نے ”المقنع فی علوم الحدیث“ میں پینسٹھ اور جلال الدین سیوطیؒ نے ”تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی“ میں ترانوے علوم ذکر کیے ہیں۔ علامہ سیوطیؒ سے ان کی بابت منقول ہے:

اعلم أن انواع علوم الحدیث كثيرة لا تعد (۱)  
یعنی علوم حدیث کی انواع بے شمار ہیں، انہیں گنا نہیں جاسکتا۔  
حازمیؒ اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

علم الحدیث يشمل على انواع كثيرة تبلغ مائة، كل نوع منها  
علم مستقل، لو انفق الطالب فيه عمره ما أدرك نهايته (۲)  
علوم حدیث کی انواع میں سے ایک اہم نوع علم اصول حدیث ہے۔ اس میں روایت حدیث کی حقیقت، اس کی شروط، انواع و احکام، راویوں کے احوال و شروط، مرویات کی اقسام اور ان کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے۔ اس علم کی غایت صحیح و سقیم احادیث کے درمیان خط امتیاز کھینچنا

\* پی۔ ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

ہے۔ عہد صحابہ و تابعین میں اس علم کے اصول مروج ہو چکے تھے اور چوتھی صدی ہجری کی ابتداء میں علوم حدیث کی اس شاخ پر باقاعدہ طور پر تصانیف لکھنے کا آغاز ہوا جو آج تک جاری و ساری ہے۔ ان میں سے چند معروف کتب درج ذیل ہیں:

- ۱۔ المحدث الفاصل بين الراوى والواعى ابو محمد راهر مزى الحسن بن عبد الرحمن بن خلاد (۳۶۰ھ)
- ۲۔ الكفايه فى علم الرواية ابو بكر احمد بن على الخطيب بغدادى (۳۹۲ھ)
- ۳۔ الجامع لاخلق الراوى و آداب السامع ابو بكر احمد بن على الخطيب بغدادى (۳۹۲ھ)
- ۴۔ معرفة علوم الحديث ابو عبد الله محمد بن عبد الله النيشاپورى (۴۰۵ھ)
- ۵۔ المستخرج ابو نعيم احمد بن عبد الله اصفهاني (۴۳۰ھ)
- ۶۔ الالمام الى معرفة اصول الرواية و تقييد قاضى عياض بن موسى اليجصبى (۵۴۴ھ)
- السماع
- ۷۔ ما لا يسع المحدث جهله ابو حفص عمر بن عبد المجيد المياجنى القرشى (۵۸۰ھ)
- ۸۔ علوم الحديث المعروف مقدمه ابن ابو عمرو عثمان بن الصلاح الشهرزورى الصلاح (۶۲۳ھ)
- ۹۔ ارشاد طلاب الحقائق الى معرفة سنن خير محى الدين ابو زكريا يحيى بن شرف نووى الخلاق (۶۷۶ھ)
- ۱۰۔ المختصر فى علم اصول الحديث علاء الدين على ابن ابى الحزم القرشى المعروف بابن النفيس (۶۸۷ھ)
- ۱۱۔ الخلاصة فى اصول الحديث ابو عبد الله شرف الدين الحسين بن عبد الله بن محمد لطيفى (۷۴۳ھ)



- ۱۲۔ الموقظہ فی علم مصطلح الحدیث ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (۷۷۸ھ)
- ۱۳۔ النکت علی مقدمہ ابن الصلاح بدر الدین محمد بن بہادر بن عبد اللہ الزرکشی (۷۹۴ھ)
- ۱۴۔ المقنع فی علوم الحدیث سراج الدین ابو علی عمر بن علی بن احمد الانصاری المعروف ابن ملقن (۸۰۴ھ)
- ۱۵۔ نخبة الفكر فی مصطلح أهل الاثر احمد بن علی المعروف ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)
- ۱۶۔ نزہة النظر فی توضیح نخبة الفكر احمد بن علی المعروف ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)
- ۱۷۔ فتح المغیث فی شرح الفیہ الحدیث محمد بن عبدالرحمن السخاوی (۹۰۴ھ)
- ۱۸۔ الفیہ السیوطی فی علم الحدیث جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ)
- ۱۹۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ)
- ۲۰۔ رسالہ مصطلح الحدیث ملا علی بن سلطان محمد المعروف القاری الحنفی (۱۰۱۴ھ)
- ۲۱۔ توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار محمد بن اسماعیل الامیر الحسنی الصنعانی (۱۱۸۲ھ)
- ۲۲۔ ظفر الامانی فی المختصر الجرجانی ابوالحسنات محمد عبدالحی الکنزوی (۱۳۰۴ھ)
- ۲۳۔ قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث جمال الدین قاسمی (۱۳۳۲ھ)
- ۲۴۔ اصول الحدیث عجاج الخطیب
- ۲۵۔ تیسیر مصطلح الحدیث ڈاکٹر محمود طحان

حفاظت اور خدمت حدیث کا یہ جذبہ جزیرۃ العرب تک ہی محدود نہ رہا بلکہ فتح سندھ کے بعد سے ہی برصغیر پاک و ہند کے علمائے محدثین نے اس کی طرف بھرپور توجہ دی۔ اس موقع پر علامہ

رشید رضا مصری کا یہ اعتراف بے جا نہ ہوگا:

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر،

لقضي عليها بالزوال من أمصار الشرق (۳)

اگر ہندوستان میں بسنے والے ہمارے علماء نے موجودہ دور میں علوم حدیث

پر توجہ نہ دی ہوتی تو مشرقی ممالک میں ان کا خاتمہ ہو جاتا۔

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کی کوششیں ہر میدان میں ہوئیں۔

اصول، تاریخ، حجیت، متون اور شروح غرضیکہ اس علم کے ہر فن میں صلاحیتوں کو بروئے کار لایا

گیا۔ ابتدائی صدیوں میں علوم حدیث پر عربی زبان میں کتب لکھی گئیں۔ بعد ازاں اردو زبان کی

اہمیت اور اردو دان طبقہ کی سہولت کے پیش نظر اس زبان میں تراجم اور کتب لکھنے کے سلسلے کا آغاز

ہوا جو اب تک جاری و ساری ہے۔ آج ان کتب اور تراجم کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے مگر یہ تمام

ذخیرہ نہ تو کسی ایک لائبریری میں دستیاب ہے اور نہ محض کسی کتاب کے سرورق سے ہی اس کے

مشتملات و مندرجات، اسلوب، خصوصیات اور خامیوں سے آگاہ ہوا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس

موضوع کا انتخاب اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کیا گیا ہے اس مضمون میں برصغیر میں اصول

حدیث میں لکھی جانے والی چند معروف اردو اور مترجم کتب (اردو) سے متعارف کروایا جا رہا ہے

تاکہ نتیجتاً قارئین کے لیے ایک ہی جگہ پر کتب کے ایک وسیع ذخیرہ اور ان کے مندرجات تک

رسائی اور باہم تقابل و موازنہ کی راہ ہموار ہو سکے۔ تعارف و تبصرہ کتب میں حروف تہجی کی ترتیب کو

(بلحاظ اسمائے کتب) پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ارشاد اصول الحدیث

مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی

زمزم پبلشرز نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۵ء

صفحات: ۱۹۲

مصنف گورینی جون پور کے مدرسہ ریاض العلوم میں استاد حدیث کی حیثیت سے تدریسی

فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ ان کی یہ کتاب اصول حدیث کی اصطلاحات، قواعد، اصحاب صحاح کی

مشہور اصطلاحات کے احکام، طبقات و خصوصیات کتب حدیث اور اس فن سے متعلق دیگر مفید و نفع بخش معلومات کا جامع ترین ذخیرہ ہے۔ ”پیش لفظ“ میں مصنف نے فن اصول حدیث اور اس کتاب کی اہمیت مختصراً بیان کی ہے۔ کتاب میں علم حدیث، فقہ الحدیث، روایت و درایت الحدیث کی تعریفیں، موضوعات، غرض و غایت اور اصطلاحات و اقسام حدیث کی وضاحت کی گئی ہے نیز روایت حدیث کی مختلف صورتیں، جواز تخل و روایت حدیث کے حوالے سے تعیین عمر کی بابت مختلف آراء، علم جرح و تعدیل کی وضاحت، تحویل اور اس کی اقسام، ائمہ صحاح ستہ کے مسالک، ان کی کتب کی شروط، امام ترمذیؒ کی اصطلاحات، روایت بالمعنی، اختصار بالحدیث، روایت اور شہادت میں فرق، تصحیح و تضعیف کے قواعد، راویوں اور کتب حدیث کے طبقات اور ان کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ آخر میں صحابہ، تابعین اور مختصر میں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

### اسلوب

- ۱۔ فہرست مضامین دی گئی ہے۔
- ۲۔ مصنف نے کتاب کو ابواب اور فصول میں تقسیم کیے بغیر مختلف مباحث کی وضاحت کی ہے۔
- ۳۔ احادیث کا صرف غیر معرب متن بغیر حوالہ کے دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر کتاب کا نام دے دیتے ہیں۔ عربی اقتباسات نقل کرنے کا اہتمام ہے۔ بعض مقامات پر ان کا ترجمہ یا مفہوم بھی ساتھ دیا گیا ہے اور بعض اوقات صرف ترجمہ دیا ہے۔ نیز حوالہ جات عبارت کے ساتھ درج ہیں۔
- ۴۔ مصنف نے زیادہ تر کسی بحث سے متعلق تمام اختلافی آراء بیان کر دی ہیں مگر نہ تو ان میں سے کسی رائے کو ترجیح دی ہے اور نہ ہی اپنی رائے کا ذکر کیا ہے مثلاً سن تخل حدیث و سماع (۴)، خبر واحد پر عمل کرنے (۵) اور حدیث مقطوع کے حکم کے حوالے سے مذکورہ بالا اسلوب اختیار کیا ہے۔ (۶) البتہ بعض مقامات پر مصنف نے اپنی ذاتی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ جیسے

مقدمہ فتح الملہم کے حوالے سے بیان کردہ حدیث کی تعریف کی رو سے آپ ﷺ کے افعال اختیار یہ حدیث کی اصطلاح میں داخل ہوتے ہیں۔ مگر غیر اختیار یہ امور نہیں۔ اس تعریف کے ذکر

کے بعد مصنف نے اپنی رائے یوں دی ہے:

”قول محقق عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کے افعال غیر اختیاریہ، حلیہ مبارک، ولادت اور جسم مبارک و اعضاء مبارک وغیرہ کی روایتیں بھی حدیث میں داخل ہیں۔“ (۷)

۵۔ فہرست مصادر نہیں دی گئی۔

### خصوصیات

۱۔ ہر اصطلاح حدیث کی لغوی و اصطلاحی تعریف، ان کی اقسام، احکام اور دیگر متعلقہ مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز اقسام حدیث (مضطرب (۸)، غریب (۹)، السابق واللاحق (۱۰) اور المسلسلات (۱۱) وغیرہ) کی کم از کم دو اصطلاحی تعریفوں کے ساتھ اکثر مقامات پر ان کی وضاحت کرنا بھی ایک نمایاں پہلو ہے۔

۲۔ کتب حدیث کی تینتیس (۳۳) اقسام ذکر کرنا کتاب کی ایک خوبی ہے۔

۳۔ فن جرح و تعدیل کے متعلقات اور حدیث ضعیف کے حکم کے بارے میں تفصیلاً کلام کیا گیا ہے۔

۴۔ کسی عنوان کے تحت آنے والے ضمنی نکات کی وضاحت بھی کتاب کی خصوصیات میں سے ہے

جیسے حدیث ضعیف کی وضاحت میں ضعیف اور مضعف کے مابین فرق بیان کر دیا گیا ہے۔

(۱۲) اور تالیس کے تحت فروع تالیس (معنعن اور مؤنن) بھی ذکر کی گئی ہیں۔ (۱۳)

### ماخذ و مصادر

کتاب میں الرفع و التکمیل، فتح المغیث، مقدمہ فتح الباری، مقدمہ فتح الملہم، مقدمہ ابن الصلاح، تدریب الراوی، ظفر الامانی، اوجز المسالک اور شرح نخبة الفکر جیسی بنیادی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ البتہ مقدمہ فتح الملہم، تدریب الراوی اور ظفر الامانی کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔

### تجزیہ

۱۔ بعض جگہ عبارات میں ثقیل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مثلاً حدیث معضل کا حکم یوں بیان کیا ہے۔

”ضعاف میں شمار ہے: مرسل اور منقطع سے بھی ادون ہے۔“ (۱۴) نیز حدیث مقلوب کے

حکم میں درج ذیل اقوال درج ہیں۔

یحییٰ قطان کا قول ہے ”بالعمد حلال نہیں“۔

”محمد بن عجلان نے اظہار غضب کیا ہے البتہ تشخیز اذہان امتحان کے لیے

درست ہے۔“ (۱۵)

بعض عبارات بھی قاری پر گراں گذرتی ہیں۔ جیسے

۲۔

”علو اسناد ایک اہم اور محبوب اور باعث فضیلت اور فوقیت چیز ہے۔“ (۱۶) اسی طرح خبر مردود

کی تعریف کے تحت اس طرح لکھا ہے۔

”جس کے ثبوت صدق یا ارجحیت صدق پر کوئی دلیل نہ ہو۔“ (۱۷)

بعض عربی عبارات کا ترجمہ با محاورہ اور آسان فہم نہیں ہے۔ مثلاً

۳۔

”المصافحة وهي الاستواء مع تلميذ ذلك المصنف على وجه الشرح

اولاً“ کا ترجمہ ”وہ برابر ہوتا ہے اس مصنف کے شاگرد کے ساتھ اولاً“ کیا گیا ہے۔ (۱۸)

مصنف نے مکمل حوالہ درج کرنے سے بعض اوقات اعراض کیا ہے جیسے

۴۔

علی بن المدینی کا قول نقل کیا مگر حوالہ نہیں دیا۔ (۱۹) اسی طرح صرف قول محدث کا ذکر کر دیا

نہ تو حوالہ دیا اور نہ ہی محدث کا نام بتایا۔ (۲۰)

دورانِ تالیف مصنف نے جن کتب سے استفادہ کیا ہے حوالہ میں ان میں سے بعض کے مکمل

۵۔

نام اور بعض کے مصنفین ذکر نہیں کیے جس سے قاری کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسے

”قواعد“ نامی کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے مگر نہ تو اس کتاب کا مکمل نام بتایا اور نہ ہی

مصنف کا نام ذکر کیا ہے۔ اسی طرح کتاب ”علوم الحدیث“ سے استفادہ کیا ہے مگر مصنف کا

نام ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اس نام سے بہت سی کتب ہیں۔ (۲۱) مزید برآں فہرست مصادر کی

عدم موجودگی سے ماخذ تک رسائی ممکن نہیں رہتی۔

بعض مقامات پر کتاب کی ترتیب و ربط میں بھی کمی دکھائی دیتی ہے جیسے خبر واحد کے حکم کی

۶۔

سرخی کے تحت پہلے خبر واحد کے معتبر ہونے کی شرائط ذکر کیں اور بعد ازاں حکم بیان کیا ہے۔

(۲۲) اسی طرح حدیث معنعن کی وضاحت صفحہ ۸۷ پر جبکہ اس کے قابل احتجاج ہونے کے

بارے میں محدثین کی بحث صفحہ ۷۱ پر کی گئی ہے۔

۷۔ کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں بھی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

نزہة النظر کی بجائے نزہة النظر (۲۳) اور مقدمہ ابن الصلاح کو مقدمہ ابن الصلاح (۲۳) لکھا ہے۔

## اصول حدیث

حمید اللہ، ڈاکٹر

مجید بک ڈپو، اردو بازار، لاہور، س۔ ن

صفحات: ۹۷

مصنف ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور میں استاذ الحدیث والفقہ کی حیثیت سے تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اصول حدیث پر یہ ایک مختصر کتاب ہے۔ اس میں ”شرح نخبۃ الفکر“ کے مباحث کو سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت (۲۵) اور ڈاکٹر خالد علوی مرحوم (۲۶) کے ستائشی کلمات نقل کیے گئے ہیں۔ ”مقدمہ“ میں مصنف نے اصول حدیث کی تاریخ، اہم تالیفات، اسماء الرجال، مصطلح الحدیث، تخریج الاحادیث، الاعتبار، النسخ و المنسوخ، التوفیق بین الاحادیث، المختلف والموتلف، اطراف الحدیث اور فقہ الحدیث جیسے علوم کا مختصر تعارف، کتب حدیث کی اقسام اور القاب محدثین کی وضاحت کی ہے۔ بعد ازاں ابن حجر اور ان کی تالیف ”شرح نخبۃ الفکر“ کا تعارف کرایا گیا ہے۔ کتاب میں علم اصول حدیث کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، اس فن کے مختلف نام، اقسام و اصطلاحات حدیث کی وضاحت، جرح و تعدیل کے مراتب اور محدث، طالب و کاتب حدیث کے آداب جیسے موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے ”حرف آخر“ لکھا ہے جس میں کتاب ہذا کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

اسلوب

۱۔ فہرست مضامین دی گئی ہے اور ابواب و فصول بندی نہیں کی گئی۔

۲۔ احادیث کا متن غیر معرب مع ترجمہ اور بحوالہ ہے۔

- ۳۔ اہم نکات ”نوٹ“ کے تحت بیان کیے گئے ہیں۔
- ۴۔ کسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف اقوال اور آراء کے ساتھ نتیجہ بحث بھی بیان کرتے ہیں۔ جیسے حدیث، خبر اور اثر کے مفاہیم کے سلسلہ میں مختلف آراء ذکر کر کے یوں لکھتے ہیں:
- ”حدیث، خبر اور اثر مختلف معانی میں استعمال ہونے کے باوجود محدثین کے نزدیک ایک معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی وہ رسول کی طرف قولاً، فعلاً، تقریراً یا وصفاً منسوب ہو اسی طرح صحابی اور تابعی کی طرف منسوب ہو“۔ (۲۷)
- ۵۔ ہر قسم حدیث کی وضاحت کے تحت اس کی تعریف، مثال اور حکم بیان کرنے کا خصوصی اہتمام ہے نیز بعض اقسام کی کتب بھی ذکر کی گئی ہیں۔
- ۶۔ حوالہ جات کتاب کے آخر میں درج ہیں اور فہرست مصادر نہیں دی گئی۔
- خصوصیات

- ۱۔ کتاب اپنے موضوع پر مختصر مگر جامع ہے۔ اس میں تمام اقسام حدیث کے متعلقہ مباحث کا آسان فہم انداز میں احاطہ کرنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے جیسے صحیح لذاتہ کی تعریف اور مثال سے وضاحت کرنے کے بعد اس کے مراتب اور حدیث ناسخ و منسوخ کی تعریف کے ساتھ اس کی پہچان کے ذرائع بھی بیان کیے گئے ہیں نیز اگر کسی حدیث کے حکم سے متعلق مختلف آراء ہیں تو وہ تمام نقل کی گئی ہیں۔
- ۲۔ اقسام و اصطلاحات حدیث کی تعریفوں کی عربی عبارات دینے کا اہتمام، مصنفین کے سن وفات کا ذکر اور احادیث کو نمایاں کر کے لکھنا کتاب کی اہم خوبیاں ہیں۔

ماخذ و مصادر

کتاب کے ماخذ و مصادر بنیادی اور ثانوی دونوں ہیں جیسے معرفة علوم الحدیث، مقدمہ ابن الصلاح، تدریب الراوی، الباعث الحثیث، شرح نخبۃ الفکر، تیسیر مصطلح الحدیث، الدرایۃ فی اصول الحدیث، عظمت حدیث، مطالعہ حدیث اور تاریخ و اصول حدیث وغیرہ۔ تاہم کتاب کی ترتیب میں شرح نخبۃ الفکر اور مثالوں و دیگر

توضیحات کے لیے تیسیر مصطلح الحدیث سے خوب استفادہ کیا گیا ہے۔  
تجزیہ

۱۔ کتاب اگرچہ تحقیقی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے لیکن اس میں فہرست مصادر کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔

۲۔ کتاب میں کہیں کہیں طباعت کی اغلاط بھی ہیں۔ مثلاً ”صحابہ“ کی بجائے ”صحابر“ (۲۸) لکھا ہے۔

اصول الحدیث (مصطلحات و علوم) (جلد اول)  
خالد علوی، ڈاکٹر

الفیصل ناشران و تاجران، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۱ء

صفحات: ۸۱۵

مصنف پنجاب یونیورسٹی لاہور میں سیرت پروفیسر اور ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب لاہور رہ چکے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت میں مشرق و مغرب اور قدیم و جدید کا امتزاج ہے۔ دینی مدارس سے تکمیل کے بعد جامعہ پنجاب سے عربی، اسلامیات اور سیاسیات میں ایم۔ اے اور ایڈنبرا یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ برمنگھم (برطانیہ) یونیورسٹی کی سطح پر تدریس کے علاوہ مسلم کمیونٹی کے مختلف پروگراموں میں شریک رہے۔ بیسویں تحقیقی مقالات کے علاوہ کئی کتب کے مصنف ہیں جو علمی حلقوں سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ان میں سے چند اہم ”انسان کامل“، ”حفاظت دین“، ”اسلام کا معاشرتی نظام“، ”اقبال اور احیاء دین“، ”پیغمبرانہ دعائیں“، ”خلق عظیم“، ”اسلام اور بنیادی انسانی حقوق“ اور ”برطانیہ کی مسلم کمیونٹی اور اس کے مسائل“ ہیں۔

اردو زبان میں اصول حدیث کے مختصر مواد کو دیکھتے ہوئے ایک ایسی جامع کتاب کی شدید ضرورت محسوس ہوتی تھی جس میں اسلاف کے غور و فکر پر مبنی سرمایے کو دور حاضر کی زبان میں اس طرح پیش کیا جائے کہ حتی الامکان کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے۔ جناب خالد علوی نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے زیر نظر کتاب تالیف کی۔ کتاب کے ”پیش لفظ“ میں وہ لکھتے ہیں:

مسلمانوں نے مصطلح الحدیث اور دیگر علوم میں بیش بہا ذخیرہ تیار کیا ہے۔ عربی



زبان چونکہ مسلمانوں کی علمی زبان رہی ہے اس لیے تدریس کے ساتھ تصنیف میں بھی اسی کو ذریعہ اظہار قرار دیا گیا۔ برصغیر میں علومِ اسلامیہ کی تدریس کے لیے چونکہ اردو زبان استعمال ہوتی تھی اس لیے بعض کتب کے اردو تراجم بھی کیے گئے لیکن اردو زبان میں کوئی مستقل اور مفصل تصنیف جسے انداز تحقیق کے مطابق مرتب کیا گیا ہو میری نظر سے نہیں گذری (۲۹)

کتاب میں علمِ اصول حدیث کا آغاز و ارتقاء، اس کی اساسی اصطلاحات القاب محدثین، حدیث متواتر، مشہور، عزیز، غریب، واحد، صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ، محفوظ، شاذ، معروف، منکر، متابعت، شاہد، اعتبار، محکم الحدیث، مختلف الحدیث، ناسخ و منسوخ، متوقف فیہ، ضعیف، مردود، معلق، مرسل، معضل، منقطع، مدلس، مرسل خفی، موضوع، متروک، منکر، معطل، مدرج، مقلوب، المزیذنی متصل الاسانید، مصحف، محرف، غریب الحدیث، قدسی، مرفوع، موقوف، مقطوع، مسند، اختصار الحدیث، روایت بالمعنی اور طعن راوی کے اسباب کی وضاحت کی گئی ہے۔

## اسلوب

- ۱۔ فہرست مضامین دی گئی ہے۔
  - ۲۔ مصنف نے ابواب و فصول کے روایتی طریقے کی پیروی کیے بغیر انتہائی سادہ، آسان اور سلیس زبان میں اصول حدیث کی اقسام کی وضاحت کی ہے۔
  - ۳۔ آیات کا متن معرب اور احادیث کا غیر معرب مع ترجمہ و بحوالہ ہے نیز عربی کتب کی عبارات اور اقتباسات درج کرنے کا بالخصوص التزام کیا گیا ہے اور حوالہ جات حواشی میں دیئے گئے ہیں۔
  - ۴۔ محدثین و مصنفین کتب کے سن وفات درج کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔
  - ۵۔ جناب مصنف نے مختلف مباحث میں متقدمین و متاخرین کی آراء کا نہ صرف خلاصہ دیا ہے بلکہ راہِ عمل بھی دکھادی ہے مثلاً خبر واحد کے بحث کو لیجئے جس کی افادیت علم پر بہت کچھ لکھا گیا ہے جناب مصنف نے بحث کا خلاصہ یوں پیش کیا ہے:
- خبر واحد کے مفید علم ہونے کو علامہ قاسمیؒ نے ابن طاہر المقدسیؒ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن متقدمین میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو یہی رائے رکھتے ہیں۔

آمدیؑ نے جن علماء کا ذکر کیا ہے ان میں امام احمدؑ، حارث بن اسد الحاسبیؑ، حسین بن علیؑ، الکرابیسیؑ، ابوسلیمانؑ اور ایک رائے کے مطابق امام مالکؑ یہ رائے رکھتے ہیں کہ خبر واحد قطعاً ہی ہے اور مفید علم یقینی ہے۔ امام ابن حزمؑ سے بھی اسی طرح کی رائے منقول ہے (۳۰)

خبر واحد پر عمل کے بارے میں جناب مصنف اس نتیجے پر پہنچے ہیں:

وجوب عمل کے سلسلے میں دلائل کی کثرت ہے۔ خطیبؑ سے کر ابن حزمؑ تک اور آمدیؑ سے لے کر غزالیؑ تک انہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ دلائل، جوابی دلائل اور جواب الجواب کی ایک دنیا آباد ہے دلچسپی رکھنے والے انہیں مصادر میں دیکھ سکتے ہیں (۳۱)

حدیث مرسل کی تعریف میں محدثین اور فقہاء ہمیشہ مختلف فیہ رہے ہیں۔ جناب علوی نے اس اختلاف کا عمدہ پیرایہ میں یوں تجزیہ کیا ہے:

محدثین اور فقہاء کی تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں کے سامنے اہمیت کے مختلف دائرے ہیں۔ محدثین کے ہاں اصل اہمیت اتصال سند کی ہے۔ صحت و ضعف کے پیمانوں سے ناپتے ہوئے محدثین نے حضور اکرمؐ کی صحیح احادیث کا ذخیرہ مرتب کیا ہے اور جو روایات اس معیار پر پورا نہیں اترتیں ان کی حیثیت متعین کر کے آنے والی نسلوں کے لیے حدیث سے استفادہ کی راہیں متعین کی ہیں جب کہ فقہاء و اہل اصول کے سامنے استنباط احکام جیسا اہم قانونی و معاشرتی مسئلہ تھا لہذا انہوں نے عدالت کی شرط پر اس روایت کو قبول کرنے کی راہ اختیار کی جس میں انقطاع واقع ہو (۳۲)

۶۔ آخر میں فہارس الاعلام اور فہرست مصادر ہے جسے مؤلفین کے اسمائے گرامی کے اعتبار سے حروف تہجی پر مرتب کیا گیا ہے۔ مطابح اور سن اشاعت کا بھی اس میں اہتمام ہے۔

خصوصیات

۱۔ کتاب ہذا اصول حدیث کے موضوع پر اردو زبان میں مستقل، مفصل اور تحقیقی نوعیت کی ایک

ضخیم کتاب ہے جس میں قارئین کو اختصار کی الجھنوں سے بچانے کے لیے اقسام حدیث کے مفہیم، امثلہ، احکام، کتب اور دیگر متعلقات پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس موضوع پر اردو زبان میں جو کتابیں سامنے آئی ہیں۔ یہ موسوعہ بلاشبہ ان سب سے فائق ہے۔

۲۔ کتاب اپنی جامعیت، اسلوب بیان اور انداز تحقیق کے لحاظ سے ایک جلیل القدر کوشش ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب لکھ کر علما و طلباء پر بڑا احسان کیا ہے کیونکہ اصول حدیث کو سمجھنا بہت مشکل کام تھا لیکن موصوف نے ہر مسئلہ کو پوری تفصیل کے ساتھ اہمات الکتب کی روشنی میں واضح کیا ہے۔

۳۔ مصنف نے تمام اقسام حدیث اور امثلہ کے عربی متون درج کیے ہیں تاکہ طلباء اردو کے ساتھ عربی عبارت سے بھی استفادہ کر سکیں اور کسی بحث کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اصل ماخذ تک رسائی آسان رہے۔ نیز ایک ہی اصطلاح کے بارے میں مختلف ائمہ کی تعریضیں ذکر کر دی گئی ہیں تاکہ قارئین ہر ایک کے مفہوم سے شناسا ہو جائیں۔

۴۔ علم اصول حدیث کی اساسی اصطلاحات مثلاً حدیث، سنت اور خبر کے مفہیم کو قرآنی وحدیثی امثلہ سے واضح کرنا، اصول حدیث سے متعلق پچپن (۵۵) کتب نیز حواشی میں مؤلفین کتب، ائمہ محدثین اور راویوں کا تعارف کرانا کتاب ہذا کی اہمیت کو مزید بڑھا دیتا ہے۔

۵۔ کتاب کا دوبار شائع ہونا اس کی مقبولیت کی ایک دلیل ہے۔

۶۔ ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر نے اپنی کتاب ”علوم الحدیث فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ“ میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

ماخذ و مصادر

کتاب کی بالاستیعاب ورق گردانی سے واضح ہوتا ہے کہ فن مصطلح الحدیث کی شاید ہی کوئی معروف کتاب ہو جس سے مصنف نے استفادہ نہ کیا ہو۔ لہذا کتاب کے مصادر بنیادی ہیں جیسے ”المحدث الفاصل بین الراوی والواعی“، ”الجامع لاخلق الراوی و آداب السامع“، ”الکفایہ فی علم الروایۃ“، ”معرفة علوم الحدیث“، ”مقدمہ ابن الصلاح“، ”نزہة النظر فی توضیح نخبۃ الفکر“، ”تذکرۃ الحفاظ“ اور ”تہذیب التہذیب“ وغیرہ۔

## طباعت کی اغلاط

کتاب میں کہیں کہیں طباعت کی غلطیاں موجود ہیں مثلاً  
 ”دوسری“ کو ”وسری“ (۳۳) ”کشاف اصطلاحات الفنون“ کی بجائے ”کشف  
 اصطلاحات الفنون“ (۳۴) اور ”شیخ زاید اسلامک سنٹر“ کو ”شیخ زاید اسلامک سنٹر“ (۳۵) لکھا ہے۔

## آئینہ اصول حدیث

مفتی محمد انعام الحق قاسمی

زمزم پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۵ء

صفحات: حصہ اول: ۶۵، حصہ دوم: ۱۶۵

کتاب ہذا اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ اس میں اصول حدیث کے مباحث کو تدریجی انداز میں دو حصوں میں پیش کیا گیا ہے۔ حصہ اول کے دو ابواب ہیں۔ اس حصہ کا آغاز مختلف علمائے کرام کے اس تالیف کے بارے میں ستائشی کلمات سے ہوتا ہے۔ باب اول تین دروس پر مشتمل ہے جن میں حدیث کو مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہوئے ہر قسم سے متعلق ذیلی اقسام کے نام دیئے گئے ہیں۔ باب دوم کے تیس (۲۳) دروس ہیں۔ جن میں اقسام حدیث کی وضاحت کی گئی ہے نیز تحمل حدیث کے طریق اور کتب حدیث کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ حصہ دوم کے آغاز میں بھی مختلف علمائے کرام کے ستائشی کلمات بالوضاحت دیئے گئے ہیں۔ مصنف نے ”پیش لفظ“ میں کتاب کے مشتملات مختصر اذکر کیے ہیں۔ بعد ازاں حصہ اول کے مندرجات بالتحصیل بیان کیے ہیں۔ نیز کتب حدیث و راویان کے طبقات، ان کے فوائد، مراتب، صحاح ستہ کا درجہ استناد اور فن جرح و تعدیل کا مختصر تعارف بھی اس حصہ کے مشتملات میں سے ہے۔

## اسلوب

- ۱۔ فہرست مضامین دی گئی ہے۔
- ۲۔ ابواب اور فصول بندی نہیں کی گئی۔
- ۳۔ ہر قسم حدیث کی تعریف، مثال، حکم، ذیلی اقسام اور دیگر متعلقات کی وضاحت کی گئی ہے۔
- ۴۔ آیات و احادیث معرب اور بحوالہ دی گئی ہیں۔

- ۵۔ حوالہ جات اور قابلِ توضیح نکات کی وضاحت حواشی میں کی گئی ہے۔
- ۶۔ اہم نکات کو ”تنبیہ“، ”فائدہ“ اور ”انتباہ“ کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔
- ۷۔ حصہ اول میں دروس کے بعد اور آخر میں درسی اور معروضی نوعیت کے سوالات دیئے گئے ہیں نیز معروضی سوالات کے جوابات بھی تحریر کیے گئے ہیں۔
- ۸۔ آخر میں فہرست مصادر ہے جس میں صرف کتابوں کے نام درج ہیں۔

### خصوصیات

- ۱۔ اصول حدیث سے متعلق یہ ایک اہم اور مفید کتاب ہے جس میں اصول حدیث کے مباحث کی وضاحت تدریجی انداز سے کی گئی ہے۔ پہلے درجے میں اقسام حدیث کے صرف نام دیئے گئے ہیں۔ دوسرے درجے میں ان کی تعریف، مثال اور حکم کا بیان ہے۔ تیسرے درجے میں تعریف، مثال، حکم اور ذیلی اقسام کی وضاحت کی گئی ہے۔
- ۲۔ قارئین کی سہولت کے لیے حدیث کی تقسیم کو نقشہ و جدول کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔
- ۳۔ کتب حدیث کے طبقات ذکر کرتے ہوئے ہر طبقہ سے متعلق کتب سے متعارف کروانا بھی اس کی ایک خصوصیت ہے۔

### تجزیہ

- ۱۔ مصنف نے جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان کے مصنفین کے نام نہ تو حواشی میں دیئے اور نہ ہی فہرست مصادر میں۔ اگر نام ذکر کر دیئے جاتے تو کسی کتاب کے بارے میں کوئی ابہام نہ رہتا مثلاً علوم الحدیث نامی کتاب سے استفادہ کثرت سے کیا گیا ہے لیکن مصنف کا نام ذکر نہ کرنے سے قاری کے لیے کتاب کی پہچان ممکن نہیں کیونکہ اس نام کی بہت سی کتب ہیں۔
- ۲۔ فہرست مصادر دینے کا انداز تحقیقی تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ مصنف نے صرف کتب کے نام ذکر کر دیئے ہیں۔ جس سے محولہ کتب تک رسائی ممکن نہیں رہتی۔
- ۳۔ کتاب میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں بھی ہیں جیسے ”آسان اصول حدیث“ کی بجائے ”آسان وصول حدیث“ (۳۶) اور ”کی“ کو ”کے“ لکھا ہے۔ (۳۷)

## تاریخ و مصطلح الحدیث

عبدالمنان راسخ

المركز الاسلامی للدعوة والتحقق، فیصل آباد، ۱۹۹۹ء

صفحات: ۶۹

کتاب کے آغاز میں عبدالعزیز علوی (۳۸)، ارشاد الحق اثری (۳۹) اور فاروق اصغر صارم (۴۰) کے ستائشی کلمات نقل کیے گئے ہیں۔ کتاب کا ”مقدمہ“ ابن حکیم عبدالرحمن راسخ (۴۱) نے لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے کتاب ہذا کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ کتاب میں مصطلح الحدیث کا مفہوم بیان کرنے کے بعد ایسی آیات و احادیث بیان کی گئی ہیں جو علم اصول حدیث کا سرچشمہ ہیں اور ان سے اس علم کے قواعد و ضوابط، اصول و قوانین مستنبط اور اخذ کیے گئے ہیں نیز روایت، نقل، تحمل اور اخذ حدیث میں نہایت احتیاط و تثبت کا حکم دیا گیا ہے۔ بعد ازاں قبول و روایت حدیث میں صحابہ و تابعین کی محتاط روش، دوسری اور تیسری صدی ہجری کی تدوینی سرگرمیوں اور اقسام و اصطلاحات حدیث کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز کتب حدیث کی اقسام، شیخ و طالب حدیث کے آداب، فن جرح و تعدیل اور علم مصطلح الحدیث کی اہم کتب کا تعارف بھی اس کے مندرجات میں سے ہے۔

### اسلوب

- ۱۔ آغاز کتاب میں فہرست مضامین دی گئی ہے۔
- ۲۔ مصنف نے ابواب بندی کیے بغیر مباحث کی وضاحت کی ہے۔
- ۳۔ اقسام و اصطلاحات حدیث کی عام فہم تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔
- ۴۔ آیات و احادیث معرب مع ترجمہ اور بحوالہ ہیں نیز عربی کتب کے اقتباسات کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔
- ۵۔ قابل توضیح نکات کی وضاحت اور حوالہ جات حواشی میں دیئے گئے ہیں۔
- ۶۔ مؤلفین کتب کے سن وفات ذکر کیے گئے ہیں۔
- ۷۔ فہرست مصادر نہیں دی گئی۔

## خصوصیات

- ۱- کتاب مختصر لیکن جامع ہے۔ اس میں دلائل نقلیہ (آیات، احادیث اور آثار صحابہ) کے ذریعے بڑے اچھے انداز سے فن مصطلح الحدیث کی حجیت ثابت کی گئی ہے۔
- ۲- اقسام حدیث کی تعریفیں مستند مصادر کے حوالہ سے درج کی گئی ہیں۔
- ۳- فن مصطلح الحدیث سے متعلق اہم کتب کا تعارف کرانا کتاب کی انفرادیت کا ایک پہلو ہے۔
- ۴- فن جرح و تعدیل کا تعارف مفصل طور پر ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں مفہوم، مراتب، شروط معدل و جارح اور ائمہ جرح و تعدیل کے طبقات بیان کیے گئے ہیں۔
- ۵- مصنف کا انداز اور تحریر انتہائی عمدہ ہے۔
- ۶- کتابت کی کوئی غلطی راقمہ کی نظر سے نہیں گذری۔

## ماخذ و مصادر

مصنف نے کتاب ہذا کی تالیف میں تدریب الراوی، تفسیر ابن کثیر، میزان الاعتدال، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، مقدمہ صحیح مسلم اور شرف اصحاب الحدیث وغیرہ جیسی بنیادی کتب سے استفادہ کیا ہے۔

## تجزیہ

فہرست مصادر نہ دینے سے نہ صرف قارئین کے لیے اصل ماخذ تک رسائی میں دشواری پیش آتی ہے بلکہ کتاب کی تحقیقی حیثیت بھی متاثر ہوتی ہے۔ آج کل کے علمی رجحانات پہلے سے کہیں زیادہ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ تحریر و تحقیق کے جدید اصول و قواعد کو ملحوظ رکھا جائے۔

## الدراية في اصول الحديث

مولانا امجد العلی

قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی، ۱۹۶۶ء

صفحات: ۲۵۶

مصنف موصوف ادارہ تحقیقات اسلامی حکومت پاکستان کے شعبہ تالیف و تراجم کے نامور عالم ہیں۔ انہوں نے اس کتاب کو مقدمہ ابن الصلاح، التقریب، تدریب الراوی، معرفة

علوم الحدیث، فتح المغیث، توجیہ النظر اور شرح نخبۃ الفکر کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔ مصنف کے خیال کے مطابق متاخرین، متقدمین کی مانند علم حدیث کی سرپرستی نہ کر سکے بلکہ اس سے غافل رہے۔ چنانچہ مصنف نے اس علم سے روشناس کرانے کے لیے یہ کتاب تالیف کی۔ اس پس منظر و خیال پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

--- اس لیے ضروری ہوا کہ ایک ایسی کتاب تالیف کی جائے جو انواع علم الحدیث کی معرفت کا ذریعہ ہو سکے اور جو مشکلات اس سلسلہ میں پیش آتی ہیں ان کے حل کر لینے کا سبب ہو سکے۔ جس میں اس علم کے قواعد و احکام و اقسام و اصول و تشریح قواعد و فصول کی تشریحات کی گئی ہوں اور ان تمام فوائد و نکات پر مشتمل ہو جو اس سلسلہ میں واجبات کا درجہ رکھتے ہوں (۴۲)

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آغاز میں مولانا قاری احمد پبلی بھیتی (۴۳) نے ائمہ علم اصول حدیث کا مختصر تعارف کرایا ہے۔ ”عرض مؤلف“ میں علم حدیث کی فضیلت اور اس کتاب کی وجہ تالیف بیان کی گئی ہے۔ حصہ اول میں حدیث، اصول حدیث، سند و متن کی وضاحت، روایت حدیث میں صحابہ کا محتاط رویہ، قلت روایت کے اسباب، قبولیت راوی کی شرائط، اقسام حدیث کی وضاحت، ممانعت کتابت حدیث کے اسباب، کلمات پر اعراب و نقاط لگانے کے حوالے سے اختلافی آراء، روایت اور شہادت کے مابین فرق، نسیان کی وجہ سے راوی کی روایات کی قبولیت و عدم قبولیت، اجرت لے کر حدیث کی روایت کے جواز و عدم جواز، تساہل کی بناء پر حدیث کی عدم قبولیت کی وضاحت، الفاظ جرح و تعدیل، ان کے مراتب، سماع اور قبول حدیث کے آداب، سماع حدیث کے طریقے اور ان کی ادائیگی کے الفاظ، روایت حدیث میں ادائیگی الفاظ کے ضمن میں محدثین کے رموز، روایت بالمعنی اور روایت بالاختصار کی وضاحت، حدیث کے الفاظ میں لحن، تصحیف و تحریف پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی تصحیح سے متعلق مختلف آراء، شیوخ کے الفاظ کے اختلاف اور شیخ کے نسب میں زیادتی کر دینے کی صورت میں روایت کرنے کے طریقے، حدیث کی روایت کرتے ہوئے مثلہ یا نحوہ کہہ دینا اور نبی کے بجائے رسول اور رسول کی بجائے نبی کہنے کے جواز و عدم جواز کے بارے میں اقوال ائمہ جیسے مباحث زیر بحث لائے گئے ہیں۔ حصہ دوم آداب محدث سے متعلق ہے۔ اس میں حدیث کی تدریس و حصول کے آداب



اور اقسام و اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے۔

اسلوب

- ۱۔ کتاب کے آغاز میں فہرست مضامین دی گئی ہے۔
- ۲۔ مصنف نے ابواب اور فصول بندی کے روایتی طریقے کی پیروی نہیں کی بلکہ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے مختلف مباحث کی وضاحت کی ہے۔
- ۳۔ آیات کے متون زیادہ تر صرف غیر معرب ہیں۔ ان کے ترجمہ اور حوالہ کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ جب کہ احادیث کا متن کے ساتھ اکثر مقام پر ترجمہ بھی درج ہے۔
- ۴۔ اصطلاحات کے لغوی مفہیم کا اہتمام نہیں کیا گیا اور جہاں کہیں دیا بھی ہے تو وہ حوالے کے بغیر ہے جیسے سند (۴۴)، متن (۴۵) اور متواتر (۴۶) کے لغوی مفہیم حوالہ کے بغیر درج ہیں۔
- ۵۔ عربی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن ان کے اقتباسات صرف ایک دو مقامات پر ہی نظر آتے ہیں۔
- ۶۔ حوالہ جات حواشی میں درج ہیں۔
- ۷۔ کسی بھی عنوان کی وضاحت کے بعد اس کے اہم نکات کو تنبیہ، فائدہ، تتمہ اور انتباہ کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ (۴۷)
- ۸۔ اگر اقسام حدیث میں سے کسی قسم کی تعریف اور حکم میں ائمہ کی مختلف آراء ہیں تو ان تمام کو نقل کیا گیا ہے جیسے حدیث شاذ کی تعریف اور حدیث مرسل کا حکم دیکھیے۔ (۴۸)
- ۹۔ اختلافی آراء ذکر کرنے کے بعد راجح اور صحیح قول بھی بیان کیا گیا ہے جیسے سماع بالعرض میں وقت روایت "سمعت" کا لفظ استعمال کرنے کے جواز و عدم جواز کے بارے میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد صحیح قول ذکر کیا ہے۔ (۴۹) اسی طرح حدیث کے بعض حصہ کو نقل اور بعض کو حذف کر دینے کے جواز کے متعلق علماء کی اختلافی آراء اور پھر صحیح قول بیان کیا گیا ہے۔ (۵۰) اس کی ایک اور مثال "روایت حدیث" میں نبی اور رسول کے لفظوں کی باہمی تبدیلی کے جواز اور عدم جواز کے تحت بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ (۵۱)

۱۰۔ فہرست مصادر نہیں دی گئی۔ البتہ حوالہ جات میں کتب اور مصنفین کے اسمائے گرامی، جلد و صفحات نمبر، مطابع اور سن اشاعت بھی درج ہیں۔

### خصوصیات

- ۱۔ خبر واحد کی حجیت دلائل نقلیہ (قرآن، حدیث اور تعامل صحابہ) کی روشنی میں بڑے اچھے انداز سے ثابت کی گئی ہے۔
- ۲۔ روایت اور شہادت کے مابین فرق، تخل و ادائے حدیث کے آٹھوں طریق، معرفۃ اسماء، القاب و کنیٰ اور تاریخ موالیہ و وفات کی تفصیلاً وضاحت کی گئی ہے۔
- ۳۔ اقسام حدیث کی توضیح کے تحت مصنف نے ان سے متعلقہ تمام اصولی مباحث پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً حدیث صحیح کی تعریف، شرائط اور مراتب بیان کرنے کے علاوہ مختلف محدثین کی اصح الاسانید اور صحیح احادیث پر مبنی کتب بھی ذکر کی ہیں۔ نیز اس غلط فہمی کو بھی دور کیا ہے کہ صحیح احادیث صرف صحیحین میں ہیں دیگر مسندات اور سنن میں نہیں۔
- ۴۔ امام ترمذیؒ کی اصطلاح ”ہذا حدیث حسن و صحیح“ کے حوالے سے ابن دینق العید کا اعتراض اور اس ضمن میں ائمہ متقدمین کے جوابات پیش کرنا بھی کتاب کی خصوصیت کا ایک پہلو ہے۔
- ۵۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب ”اصول حدیث“ میں اس کتاب کے حوالہ جات ملتے ہیں۔

### ماخذ و مصادر

مصنف نے اس کتاب کی تالیف میں مقدمہ ابن الصلاح، شرح نخبة الفکر، معرفة علوم الحدیث، التقریب، تدریب الراوی، فتح المغیث اور توجیہ النظر جیسی بنیادی کتب کو پیش نظر رکھا ہے۔

### تجزیہ

- ۱۔ کتاب کا اسلوب آسان فہم نہیں ہے۔ مصنف نے کسی بحث کو ذیلی عناوین میں تقسیم کیے بغیر تمام تفصیلات بیان کر دی ہیں مثلاً حدیث صحیح کی اقسام، مراتب اور دیگر متعلقہ مباحث کو بغیر کسی ذیلی سرخی کے بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ انداز قاری پر گراں گذرتا ہے۔ اس طرح کہیں

کہیں ثقیل الفاظ کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے ایک جگہ لکھتے ہیں:  
 ”اگر کسی شخص میں اس کا حاسہ مدرکہ مفقود ہو“۔ (۵۲)

۲۔ کتاب کا موضوع اگرچہ اصول حدیث ہے مگر اس کا آغاز و ارتقاء بیان نہیں کیا گیا اور نہ ہی بنیادی اصطلاحات حدیث جیسے حاکم، حجتہ اور امیر المؤمنین وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ مزید برآں حدیث معلق، المزید فی متصل الاسانید، محکم الحدیث اور متوقف فیہ کا ذکر موجود نہیں ہے۔

۳۔ ”اسباب تقسیم“ کی سرخی کے تحت ”روایت حدیث میں صحابہ کا محتاط رویہ“ سے متعلق مواد دیا گیا ہے۔

۴۔ کتابت کی غلطیاں کثرت سے پائی گئی ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔  
 ”واضح“ کی جگہ ”واضع“ (۵۳) ”معضل“ کو ”مفصل“ (۵۴) اور ”محکم“ کی بجائے ”حکم“ (۵۵) لکھا ہے۔

## ضیاء علم الحدیث

ابوالعرفان محمد انور مگھالوی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

صفحات: ۶۰۵

کتاب ہذا دو حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اول تاریخ حدیث اور ائمہ حدیث کی سوانح حیات پر مشتمل ہے اور حصہ دوم میں اصول حدیث کی اصطلاحات کو انتہائی آسان انداز میں ترتیب و تہذیب کے ساتھ مدون کیا گیا ہے۔

تقریظ محمد اقبال شاہ گیلانی (۵۶) نے لکھی ہے۔ ”حرف آغاز“ میں مصنف نے کتاب کے حوالے سے مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ حصہ اول میں حدیث، سنت، متن، سند، خبر، اثر، راوی، محدث، طالب الحدیث، حاکم و حجت فی الحدیث کی وضاحت، آیات مبارکہ، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ و ائمہ محدثین کی روشنی میں حجیت حدیث، کتابت و تدوین حدیث کی تاریخ، تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے محدثین، مکثرین صحابہ، کبار تابعین، ائمہ صحاح ستہ اور ان کی کتب کا تعارف کروایا گیا ہے۔ حصہ دوم میں

اصول حدیث کی تعریف، اس کا موضوع، فضیلت اور حکم بیان کرنے کے بعد اقسام و اصطلاحات حدیث کی وضاحت کی گئی ہے نیز صحابہ و تابعین کی عدالت و فضیلت، طبقات اور اس کے دیگر متعلقات، تحل و ادائے حدیث کی شرائط اور طرق، جرح و تعدیل کے مراتب، حکم اور شیخ و طالب حدیث کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔

### اسلوب

- ۱۔ فہرست مضامین دی گئی ہے۔
- ۲۔ مصنف نے کتاب ہذا میں ابواب اور فصول کی روایتی تقسیم کو نہیں اپنایا بلکہ مختلف عناوین پر براہ راست گفتگو کی ہے۔
- ۳۔ آیات معرب مع ترجمہ و بحوالہ ہیں۔ احادیث جز اول میں غیر معرب اور جز دوم میں معرب مع ترجمہ و بحوالہ ہیں نیز عربی کتب سے اقتباسات بھی شامل کیے گئے ہیں۔
- ۴۔ اہم نکات کو ”نوٹ“ اور ”تنبیہ“ کے تحت بیان کیا گیا ہے۔
- ۵۔ آیات کے علاوہ تمام حوالہ جات حواشی میں درج ہیں۔
- ۶۔ مصنفین کے سن و وفات ذکر کیے گئے ہیں۔
- ۷۔ اختلافی اقوال بیان کرتے ہوئے صحیح قول کا ذکر کر دینا مصنف کے اسلوب میں شامل ہے مثلاً ابوالطفیل عامر بن واثلہ<sup>ؓ</sup> کے سن و وفات کے حوالے سے مختلف اقوال ۱۰۲ھ، ۱۰۷ھ اور ۱۱۰ھ نقل کرنے کے بعد صحیح قول بھی ذکر کیا ہے کہ امام ذہبی<sup>ؒ</sup> نے ۱۱۰ھ کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۵۷)
- ۸۔ مکثرین صحابہ کے تعارف میں نام و نسب، مقام و مرتبہ، مرویات کی تعداد، شیوخ و تلامذہ جبکہ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ صحاح ستہ کے تذکرہ میں ان کی تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے۔
- ۹۔ کتب صحاح ستہ کا تعارف کراتے ہوئے وجہ تالیف، اسلوب، شرائط، خصائص اور شروح خصوصاً ذکر کی گئی ہیں۔
- ۱۰۔ جز دوم میں ہر نوع کا لغوی و اصطلاحی مفہوم، اقسام، امثلہ، کتب اور حکم بیان کیا گیا ہے۔
- ۱۱۔ مصادر و مراجع کی فہرست موجود نہیں۔

## خصوصیات

- ۱۔ یہ کتاب تاریخ و اصول حدیث کے حوالے سے گراں قدر معلومات کا مجموعہ ہے۔ مصنف نے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ محدثین کا تعارف مستند ذرائع کی روشنی میں کروایا ہے۔ نیز جز دوم میں تیسیر مصطلح الحدیث اور شرح نخبة الفکر کو بنیاد بناتے ہوئے اصول حدیث کے مباحث انتہائی عام فہم انداز میں پیش کیے ہیں۔
- ۲۔ چند ایک مباحث پر مصنف نے تفصیلی بحث بھی کی ہے جو فن کی عام دستیاب کتب میں نہیں ملتی مثلاً رائج و مرجوح کی بحث وغیرہ۔

## ماخذ و مصادر

تدریب الراوی، طبقات ابن سعد، اسد الغابہ، عمدة القاری، تہذیب التہذیب، تذکرة الحفاظ، سیر اعلام النبلاء، شرح نخبة الفکر، تیسیر مصطلح الحدیث، سنت خیر الانام اور مطالعہ حدیث کتاب ہذا کے ماخذ ہیں۔

## تجزیہ

مصنف نے تحقیقی انداز تو اپنایا ہے لیکن اس نقطہ نظر سے کئی ایک خامیاں موجود ہیں۔

- ۱۔ لغوی تعریف بیان کرتے وقت لغات کی بجائے فن کی عام کتب سے مدد لی گئی ہے جیسے سنت کی لغوی تعریف میں ترجمہ شدہ کتاب ”حدیث رسول کا تشریحی مقام“ کا حوالہ دیا گیا ہے (۵۸) اور ایسے ثانوی حوالہ جات جا بجا موجود ہیں۔
- ۲۔ فن کی عام دستیاب کتب کے حوالہ جات براہ راست کی بجائے بالواسطہ نقل کیے گئے ہیں مثلاً حافظ ابن حجر کی ”شرح نخبة الفکر“ کی درج ذیل عبارت ”الخبر عند علماء هذا الفن مرادف للحدیث“ (۵۹) ”تدریب الراوی“ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔
- ۳۔ کئی ایک مقامات پر حوالہ جات نامکمل ہیں۔ صرف کتاب کے نام کو ذکر کر دیا ہے صفحہ و جلد نمبر یا احادیث کی صورت میں کتاب اور باب کا عنوان ذکر نہیں کیا گیا۔ صفحات نمبر ۲۵، ۳۷، ۵۹، ۶۰، اور ۴۰۶ پر اس کی مثالیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔
- ۴۔ کتاب کے آخر میں مصادر و مراجع کی فہرست نہیں دی گئی جس سے محولہ کتب تک رسائی ممکن

نہیں ہے۔

۵۔ کتاب میں طباعت کی کچھ اغلاط بھی موجود ہیں۔ مثلاً ”کے“ کی بجائے ”کس“ (۶۰) لکھا ہے۔

مبادیات حدیث

مرغوب احمد لاچپوری

مکتبہ بیت العلم، کراچی، ۲۰۰۵ء

صفحات: ۱۸۷

یہ کتاب حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری کے درسی افادات ہیں جو مشکوٰۃ شریف کے مقدمہ کے طور پر پیش کیے گئے ہیں موصوف خود لکھتے ہیں:

پہلی دفعہ جب مشکوٰۃ شریف کے درس کی ذمہ داری احقر کو سونپی گئی تو اس وقت علم حدیث اور کتاب مشکوٰۃ سے متعلق ضروری اور اہم ابتدائی باتیں اپنی سہولت اور طلبہ کے افادہ کے لیے نوٹ کر لی تھیں (۶۱)

ان درسی افادات کو مولانا مفتی بارڈولی صاحب نے مولانا مفتی احمد کی اجازت سے کچھ اضافہ اور ترتیب دے کر مبادیات حدیث کے نام سے ۱۹۹۵ء میں شائع کروایا۔ بعد ازاں یہ مذکورہ بالا مطبع سے شائع ہوئی۔ اس پر تحقیق و حواشی کا کام مرغوب احمد لاچپوری نے سرانجام دیا ہے اور آیات کے حوالہ جات اور احادیث کی تخریج کا خصوصی اہتمام کیا ہے نیز جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی وہاں اضافہ بھی کیا ہے۔

مشمولات و مندرجات

کتاب کے آغاز میں ”تقریظ“، ”عرض محشی“ اور ”پیش لفظ“ ہے۔ ”تقریظ“ میں ابن الحسن عباسی (۶۲) نے کتاب ہذا کا مختصر اُتعارف کروایا ہے۔ ”عرض محشی“ میں مرتب نے کتاب کے مشتملات اور اپنے اختیار کردہ اسلوب کی وضاحت کی ہے۔ ”پیش لفظ“ میں مدرس نے کتاب کی تالیف کا پس منظر بیان کیا ہے۔ بعد ازاں علم حدیث کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، وجہ تسمیہ، اس کا حکم شرعی، کتابت و تدوین حدیث کی مختصراً تاریخ ذکر کرتے ہوئے حدیث کے مدون اول کے بارے میں ائمہ محدثین و مورخین کی مختلف آراء مع دلائل نقل کر کے ان کے باہمی تعارض کو دور کیا گیا ہے۔ منکرین حدیث کے

بنیادی اعتراضات کی تردید، حدیث کی حجیت، علم حدیث کا جنس نقلی، اصلی اور شرعی ہونا، فضیلت اور تعلیم کے اعتبار سے اس علم کے مراتب، کتب حدیث کی اقسام، طبقات ائمہ صحاح ستہ کی شروط اور اقسام حدیث کی وضاحت کی گئی ہے۔ مصابیح، مشکوٰۃ المصابیح اور ان کے مؤلفین، ائمہ صحاح ستہ، فقہائے ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ) کے علاوہ دیگر محدثین کرام امام دارمیؒ، دارقطنیؒ، بیہقیؒ اور زرین کا تعارف، صاحب مشکوٰۃ کی سند اور طالب حدیث کے آداب کا بیان کتاب کے دیگر مشتملات ہیں۔

### اسلوب

- ۱۔ فہرست مضامین دی گئی ہے۔
- ۲۔ مرتب نے ابواب اور فصول بندی کیے بغیر کتاب کی تقسیم مختلف مباحث کے تحت کی ہے۔
- ۳۔ آیات و احادیث معرب و بحوالہ ہیں لیکن ان کے ترجمہ کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ البتہ عربی کتب کے اقتباسات کثرت سے درج ہیں۔ بعض مقامات پر ان کے اردو تراجم بھی کیے گئے ہیں اور بسا اوقات متن سے پہلے ان کے مفہیم بیان کر دیئے گئے ہیں۔ نیز بعض اوقات متن میں ترجمہ و مفہوم لکھ دیا ہے اور اس کی عربی عبارت حواشی میں درج کی گئی ہے۔
- ۴۔ حوالہ جات اور قابل توضیح نکات کی وضاحت حواشی میں کی گئی ہے۔
- ۵۔ عربی اشعار سے استدلال کیا گیا ہے۔
- ۶۔ کتاب کے آخر میں فہرست مصادر کتب کے اعتبار سے حروف تہجی پر مرتب ہے۔ البتہ ایک دو مقامات پر استثنائی صورت ہے۔

### خصوصیات

- ۱۔ اس کتاب کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اکثر مقامات پر کسی عنوان کی باقاعدہ وضاحت سے پہلے مصنف نے بذات خود اس عنوان پر اظہار خیال کیا ہے جیسے علم حدیث کی تعریف، موضوع اور غرض و غایت کے بیان سے پہلے تعریف، موضوع اور غرض و غایت کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔
- ۲۔ آیات، احادیث، عربی اقتباسات اور اقوال ائمہ محدثین کا معرب ہونا بھی ایک قابل تحسین بات ہے۔

- ۳۔ کتب احادیث کی اکیالیس اقسام بیان کی گئی ہیں۔ ہر نوع کی تعریف اور متعلقہ کتب کا بالوضاحت احاطہ کیا گیا ہے۔
- ۴۔ حدیث کے مدون ہونے کے بارے میں بڑے اچھے انداز سے محدثین و مؤرخین کے تعارض کو دور کیا گیا ہے۔
- ۵۔ سترہ ائمہ محدثین کے مختصر حالات مستند مصادر کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔
- ۶۔ مشکوٰۃ المصابیح کے تعارف میں اس کی احادیث، کتب، ابواب، شروح، حواشی، تراجم اور منسوبات کے ذکر کا بالخصوص اہتمام کیا گیا ہے۔
- ۷۔ کتابت کی غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ راقمہ کی نظر سے صرف ایک غلطی گزری۔ ”وفیات الاعیان“ کی جگہ ”وفیات الایمان“ (۶۳) لکھا ہے۔

ماخذ و مصادر

کتاب کے مصادر میں تدریب الراوی، اوجز المسالک، عمدۃ القاری، فتح الملہم، فتح الباری، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، توجیہ النظر، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب الکمال، مقدمہ لامع الدراری، اسد الغابہ، شرح نخبۃ الفکر، عجالہ نافعہ، البدایۃ والنہایۃ اور جامع بیان العلم وغیرہ جیسی بنیادی کتب شامل ہیں۔

تجزیہ

- ۱۔ کتاب اگرچہ اصول حدیث سے متعلق ہے لیکن اس میں درج ذیل مباحث نہیں بیان کیے گئے۔
- i۔ حدیث کی بنیادی اصطلاحات مثلاً حافظ، حجۃ، حاکم، سند، متن، مسند، اور امیر المؤمنین فی الحدیث وغیرہ کی وضاحت نہیں ملتی۔
- ii۔ اقسام حدیث کی صرف تعریفیں بیان کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ مزید برآں ان کا مکمل طور پر احاطہ بھی نہیں کیا گیا۔ ان میں المزید فی متصل الاسانید، حدیث قدسی، مرسل خفی، محکم الحدیث، مختلف الحدیث، ناسخ و منسوخ اور متوقف فیہ کا ذکر نہیں ملتا۔ نیز تجمل و ادائے حدیث کے طریق بھی بیان نہیں کیے گئے۔
- ۲۔ اسلوب بیان سادہ اور عام فہم ہے البتہ ایک دو مقامات پر ثقیل عبارات بھی استعمال کی گئی ہیں



مثلاً ”ذوق سلیم یہ کہتا ہے کہ ترتیب بطریق لف و نشر مشوش ہے نہ بطریق لف و نشر مرتب“۔ (۶۴)

۳۔ ”صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار وحوال سے خالی نہیں یا تو وہ مدرک بالقیاس ہوں گے یا غیر مدرک بالقیاس“۔ (۶۵)

۴۔ بعض کتب سے استفادہ کیا گیا ہے مگر فہرست مصادر میں اس کا ذکر نہیں ہے جیسے صفحات ۵۰ اور ۵۱ پر حجیت حدیث کا حوالہ ہے لیکن فہرست مصادر میں اس کتاب کا اندراج نہیں ہے۔

اصول حدیث پر کتب کے تراجم

اصول حدیث پر اردو زبان میں مصنفات و مرتبات کے علاوہ عربی زبان میں لکھی جانے والی

کتب کے تراجم بھی کئے گئے جن میں سے چند معروف کا تذکرہ افادہ سے خالی نہ ہوگا۔

اصطلاحات حدیث

محمد سعد صدیقی

پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷ء

صفحات: ۲۵۶

زیر نظر کتاب عربی تصنیف تیسیر مصطلح الحدیث کا ترجمہ ہے جس کے مصنف شامی عالم استاد محترم ڈاکٹر محمود احمد طحان ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عرصہ دراز تک مدینہ منورہ اور ریاض کی سعودی جامعات اور کویت یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ مصنف کی اس کتاب کو عمدہ ترتیب و جامعیت کی بناء پر قبول عام حاصل ہوا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مصطلح الحدیث کے مباحث مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے اور مختلف انداز سے مرتب کیے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے کوشش کر کے ان تمام مباحث کو ایک نئی ترتیب سے یکجا کر دیا ہے تاکہ اصطلاحات حدیث کے بارے میں کوئی بھی مسئلہ تشنہ نہ رہے۔ چنانچہ آپ خود مقدمہ میں متقدمین کی کتب کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ان کتابوں کی علمی جلالت شان مع عملی صورت یہ رہی کہ طلبہ کو ان سے فن مصطلح کو کما حقہ سمجھنے میں ایک حد تک دقت کا سامنا رہا کہ بعض موضوعات بہت طویل

ہیں جیسا کہ ابن الصلاحؒ کی کتاب ”علوم الحدیث“ میں اور بعض از حد مختصر ہیں جیسا کہ علامہ نوویؒ کی ”التقریب“ میں، کہیں عبارات میں الجھن ہے، کہیں مباحث کی تشنگی ہے اور کہیں تہذیب و ترتیب کا فقدان ہے (۶۶)

انہی مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہوں نے متقدمین کی کتب کی روشنی میں اس کتاب کو مرتب کیا اور اس فن کی تمام معلومات چھوٹے اور مختصر حصوں میں تقسیم کر کے پیش کیں۔ اس طرح اس موضوع پر ایک درسی نوعیت کی کتاب وجود میں آگئی ہے جس میں اصول حدیث کے تمام مباحث مل جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اردو زبان میں اس کتاب کے چار تراجم (اصطلاحات حدیث از محمد سعد صدیقی، اصطلاحات حدیث از مظفر حسین ندوی، تیسیر اصول حدیث از ابوعمار عمر فاروق اور تیسیر مصطلح الحدیث از عبد الرشید تونسوی) شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے پہلا ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور کے استاد محترم ڈاکٹر سعد صدیقی کا ہے۔ یہ ترجمہ مقبول عام ہونے کی وجہ سے لائبریریوں اور بازار میں عام دستیاب ہے۔ نیز خوبصورت کارڈ کے سرورق سے مزین اور عمدہ کاغذ پر طبع شدہ ہے۔

مترجم نے ”مقدمہ“ میں علوم کی ضرورت و اہمیت، علوم عقلیہ اور نقلیہ کی وضاحت، تدوین حدیث کی مختصر تاریخ اور فن مصطلح الحدیث پر لکھی جانے والی کتب ذکر کی ہیں۔ باب اول چار فصول پر مشتمل ہے۔ فصل اول میں خبر متواتر، احاد، مشہور، عزیز اور غریب کی وضاحت کی گئی ہے۔ فصل دوم میں دو ابحاث کے تحت حدیث صحیح لذاتہ، صحیح لغيرہ، حسن لذاتہ، حسن لغيرہ، محکم الحدیث، مختلف الحدیث اور ناسخ و منسوخ بیان کی گئی ہیں۔ فصل سوم کی تین ابحاث ہیں۔ جن میں حدیث ضعیف، معلق، مرسل، معضل، منقطع، بدلس، مرسل خفی، معنعن، مؤنن، موضوع، متروک، منکر، معروف، معلل، مدرج، مقلوب، المزیذ فی متصل الاسانید، مضطرب، مصحف، شاذ، محفوظ، مجہول، بدعتی اور سوء حفظ راوی کی روایت کا ذکر ہے۔ فصل چہارم کی دو ابحاث میں حدیث قدسی، مرفوع، موقوف، مسند، متصل، اعتبار، متابع، شاہد اور زیادات ثقات کی وضاحت کی گئی ہے۔ باب دوم کی تین ابحاث ہیں۔ ان میں بالترتیب قبولیت راوی کی شرائط، جرح و تعدیل کے مراتب اور اس سے متعلقہ کتب ذکر کی گئی ہیں۔ باب سوم دو فصول پر مشتمل ہے۔ فصل اول کے چار مباحث ہیں جن میں کیفیت سماع حدیث، تحمل و صفت ضبط، ادائے حدیث کے طریق و الفاظ، کتابت حدیث کے بارے

میں اختلافی اقوال کے اسباب، اباحت و ممانعت کتابت کی روایات میں تطبیق، کاتب حدیث کے فرائض، کتب حدیث کی اقسام، روایت حدیث سے متعلق راوی کی صفات اور فن غریب الحدیث کی وضاحت کی گئی ہے۔ فصل دوم میں دو اباحت کے تحت محدث اور طالب حدیث کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔ باب چہارم کی دو فصول ہیں۔ فصل اول میں اسناد اور اس کے متعلقات کی وضاحت کی گئی ہے۔ فصل دوم میں راویوں کی معرفت سے متعلق ضروری امور کا بیان ہے۔

### مترجم کا اسلوب

- ۱۔ مصنف نے جن احادیث کی تخریج نہیں کی تھی مترجم نے ان کی تخریج کر کے حواشی میں مکمل حوالہ دیا ہے۔
- ۲۔ اصطلاحات و اقسام حدیث سے متعلق جن کتب کا مصنف نے ذکر کیا ہے مترجم نے ان میں سے اکثر کا حواشی میں تعارف کرایا ہے۔
- ۳۔ فاضل مؤلف نے جن کتب کے حوالہ سے بات کی ہے۔ مترجم نے ان پر اکتفا نہ کرتے ہوئے متعلقہ کتب سے براہ راست ان کی جانچ کی ہے۔
- ۴۔ مترجم نے مصنف کی زیر استفادہ کتب کے علاوہ کچھ دیگر کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔
- ۵۔ مترجم نے اپنی بیان کردہ توضیح کو ”مترجم“ کے لفظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔
- ۶۔ ترجمہ میں احادیث کے عربی متون کا اہتمام بھی ہے۔
- ۷۔ آخر میں نہایت مفید اشاریہ کے ذریعے اصطلاحات کے عربی تلفظ کو انگریزی میں منتقل کر کے ان کا ترجمہ دیا گیا ہے تاکہ انگریزی دان طبقہ بھی اس کتاب سے مستفید ہو سکے۔

### مترجم اور مصنف کے اسلوب کا فرق

- ۱۔ مترجم نے مصنف کے ”مقدمہ“ سے صرف اصطلاحات کی تعریفوں کو ہی بیان کیا ہے حالانکہ مصنف نے اس میں علم مصطلح الحدیث کی تاریخ اور مشہور تصانیف کا تعارف بھی پیش کیا تھا۔
- ۲۔ مترجم نے مصنف کے دیئے گئے بعض حوالہ جات نقل نہیں کیے مثلاً حدیث مرسل سے متعلق تصانیف الرسالة المستطرفة کے حوالہ سے لکھی گئی ہیں (۶۷) جب کہ مترجم نے حوالہ نقل ہی نہیں کیا۔ (۶۸) اس طرح حدیث مقلوب کا لغوی مفہوم بحوالہ ہے (۶۹) جب کہ

مترجم نے اسے بھی درج نہیں کیا۔ (۷۰)

۳۔ بعض مقامات پر مصنف کا اگر کوئی اقتباس بغیر حوالہ کے ہے تو مترجم نے اس کے حوالہ کا اہتمام کیا ہے جیسے مدلس اسنادی اور ارسال خفی میں فرق کے ضمن میں ابوالحسن بن قطان کا قول بغیر حوالہ کے تھا (۷۱) مترجم نے اس کا حوالہ لکھا ہے۔ (۷۲)

۴۔ بعض مقامات پر حوالہ کی کتاب میں بھی فرق پایا گیا ہے جیسے مصنف نے ابو مسھر کا قول ”میزان الاعتدال“ کے حوالہ سے (۷۳) جب کہ مترجم اسے تہذیب التہذیب سے نقل کرتے ہیں۔ (۷۴)

۵۔ مترجم نے حواشی میں ”اجازت“، وجادة (تخل وادائے حدیث کے طریق) اور ”اصل السند“ کی بیان کردہ وضاحت درج نہیں کی۔ (۷۵)

۶۔ مترجم نے فہرست مصادر مصنفین کے اسماء کے اعتبار سے حروف تہجی پر مرتب کی ہے جب کہ مصنف نے اسے کتب کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔

### ترجمہ کا معیار

- ۱۔ ترجمہ تحت اللفظ کی بجائے محاوراتی انداز میں کیا گیا ہے تاکہ مراد و مفہوم واضح ہو۔
- ۲۔ متن اور ترجمہ کے بالاستیعاب مطالعہ سے معلوم ہوا کہ بعض عبارات کا ترجمہ نہیں کیا گیا جیسے (i) ”کیا صحیح کے لیے عزیز کا ہونا ضروری ہے؟“ کے بعد کی عبارت کا ترجمہ نہیں ہے جس سے مذکورہ بالا سوال کا جواب تشنہ رہ گیا ہے۔ (۷۶)
- (ii) ”شاذ“ اور ”محفوظ“ کے حکم کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ (۷۷)

### طباعت کی اغلاط

کتاب میں کہیں کہیں طباعت کی غلطیاں بھی ہیں۔ مثلاً ”روایات“ کی جگہ ”رویات“ (۷۸) اور ”کیلکدی“ کی بجائے ”کیلکر“ (۷۹) لکھا ہے۔

## تحفة الدرر شرح نخبة الفكر في مصطلح اهل الأثر

سعید احمد پالن پوری

قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ ن

صفحات: ۱۰۰

یہ کتاب ابن حجرؒ کی مشہور تالیف نخبة الفكر في مصطلح اهل الأثر کی اردو شرح ہے۔ آپ کا نام ونسب احمد بن علی بن محمد بن علی بن محمود بن احمد الکتانی الشافعی المصری، کنیت ابوالفضل، لقب شہاب الدین اور ابن حجر کے نام سے معروف ہیں۔ (۸۰) آپ نے نخبة الفكر کی تالیف میں ابن الصلاحؒ کے منہج کی پیروی کرتے ہوئے انہی کی کتاب کو مرتب شکل میں پیش کیا ہے۔ ترتیب اور منفرد اسلوب کے باعث اس کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔ اس سے پہلے اصول حدیث کی کتابوں پر ابن الصلاحؒ کے افکار و انداز کی گہری چھاپ دکھائی دیتی تھی لیکن نخبة الفكر کی تالیف کے بعد آنے والے علمائے کرام نے اسی کتاب کے منہج و اسلوب کی پیروی کی اور یہ اہل علم کے درمیان متداول، معروف اور داخل نصاب رہی۔ اس کی جامعیت اور افادیت کے پیش نظر عربی میں اس کی متعدد شرح لکھی گئیں مثلاً شرح النخبة از احمد بن محمد الشمسی الاسکندری، مصطلحات اهل الاثر شرح النخبة از ملا علی القاری، الیواقیت و الدرر از محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین الحدادی المناوی اور قضاء الوطر فی شرح نخبة الفكر از ابراہیم بن ابراہیم اللقانی وغیرہ۔ اردو زبان میں بھی اس کی متعدد شرح (تحفة الدرر از سعید احمد پالن پوری، سلعة القربة فی توضیح شرح النخبة از محمد عبدالحی، شرح نخبة الفكر فی مصطلح اهل الاثر از محمد منظور الوجیدی، تفہیمات شرح نخبة الفكر فی مصطلح اهل الاثر از فضل الرحمن کلیم کاشمیری، بہجة الدرر شرح اردو نزہة النظر علی نخبة الفكر از مولانا محمد ارشاد القاسمی، خلاصہ شرح نخبة الفكر از مولانا محمد فضل کریم، شرح اردو شرح نخبة الفكر از محمد عمر انور اور استجلا البصر فی شرح نخبة الفكر از ابو محمد عبدالعزیز بن مولانا عبد السلام العثماني البزاروی) لکھی گئی ہیں ان میں سے تحفة الدرر معروف و مقبول عام ہے۔ اس کے شارح دارالعلوم دیوبند کے سابق استاد ہیں۔ ”عرض حال میں“ شارح نے ابن حجرؒ کی تالیف نخبة الفكر کا تعارف اور اپنا اختیار کردہ اسلوب ذکر کیا ہے۔ کتاب میں اقسام و اصطلاحات حدیث کی

وضاحت کی گئی ہے۔ ”خاتمہ“ میں جرح و تعدیل سے متعلق مباحث اور اس کی فصل میں معرفۃ روات سے متعلق ضروری امور اور کتب حدیث کی اقسام ذکر کی گئی ہیں۔ کتاب پرسن اشاعت درج نہیں لیکن شارح نے ”عرض حال“ ۱۴۰۵ھ میں لکھا۔ کتاب ہذا کے آخر میں مولانا خیر محمد جالندھری کا اصول حدیث سے متعلق رسالہ خیر الاصول فی حدیث الرسول دیا گیا ہے۔ خوبصورت کارڈ کے سرورق سے مزین یہ کتاب لائبریریوں اور بازار میں عام دستیاب ہے۔

### اسلوب

- ۱۔ فہرست مضامین دی گئی ہے۔
- ۲۔ شارح نے نخبة الفکر کا معرب متن نقل کرنے کے بعد اس کا ترجمہ اور توضیح کی ہے۔ شرح کرتے ہوئے اقسام و اصطلاحات حدیث کی تعریفوں کی وضاحت کرنے کے ساتھ بعض اقسام جیسے سند اور متن میں اضطراب کی امثلہ اور مجہول العین، بدعتی اور مستور راویوں کی احادیث کے احکام بھی ذکر کیے ہیں۔
- ۳۔ بعض جگہ ترجمہ میں عربی الفاظ دیئے ہیں اور ان کا ترجمہ بین القوسین کیا ہے جیسے موضوعات (۸۱) اور طاری (۸۲) کے تراجم بین القوسین دیئے ہیں نیز دوران ترجمہ جہاں شارح نے خود سے اضافہ کیا اسے بھی بین القوسین لکھا ہے۔
- ۴۔ قابل توضیح نکات کی وضاحت حواشی میں کی گئی ہے۔
- ۵۔ کتاب میں جا بجا نوٹ اور تنبیہ کے تحت اہم نکات بیان کیے گئے ہیں۔
- ۶۔ فہرست مصادر نہیں دی گئی۔

### خصوصیات

- ۱۔ کتب حدیث کی تمام اقسام کی تفصیلی وضاحت کی گئی ہے۔
- ۲۔ محمد عمر انور نے اپنی کتاب شرح اردو شرح نخبة الفکر میں کتاب ہذا سے استفادہ کیا ہے۔
- ۳۔ طباعت کی اغلاط نہ ہونے کے برابر ہیں۔ راقمہ کی نظر سے کوئی غلطی نہیں گذری۔

### ماخذ و مصادر

شارح نے قواعد فی علوم الحدیث، معارف السنن، نصب الرایۃ اور مولانا عبدالرحمن

(۸۳) کے رسالہ حسن النظر (۸۴) سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔  
تجزیہ

فہرست مصادر نہ ہونے سے ماخذ تک رسائی ممکن نہیں رہتی۔



## حوالے و حواشی

- (۱) تدریب الراوی فی شرح التقریب النواوی، تحقیق، ابوقتیبه نظر محمد الفاریابی، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، الطبعة الاولى، ص ۲۲
- (۲) ایضاً
- (۳) فواد عبدالباقی، مفتاح کنوز السنۃ، مطبعہ مصر، شرکت مساهمۃ مصریۃ، الطبعة الاولى، ۱۳۵۳ھ، ص: ۱
- (۴) ارشاد اصول الحدیث، ۱۳۶
- (۵) ص: ۲۲
- (۶) ص: ۵۲-۵۳
- (۷) ص: ۳۲
- (۸) ص: ۱۰۲
- (۹) ص: ۲۴
- (۱۰) ص: ۱۲۵
- (۱۱) ایضاً
- (۱۲) ص: ۱۱۱
- (۱۳) ص: ۸۸-۸۹
- (۱۴) ص: ۸۵
- (۱۵) ص: ۱۰۱
- (۱۶) ص: ۲۱
- (۱۷) ص: ۵۴
- (۱۸) ص: ۱۲۳
- (۱۹) ص: ۱۰۴
- (۲۰) ص: ۱۲۱
- (۲۱) ص: ۸۶
- (۲۲) ص: ۲۲
- (۲۳) ص: ۲۵، سطر: ۱۸
- (۲۴) ص: ۸۸، سطر: ۱۲

- (۲۵) سابق استاذ و ڈائریکٹر، شیخ زاید اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب، لاہور
- (۲۶) معروف استاد اور سابق ڈائریکٹر، دعویٰ اکیڈمی اسلام آباد و شیخ زاید اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب لاہور
- (۲۷) اصول حدیث، ۲۲ (۲۸) ص: ۳۰، سطر: ۱۷
- (۲۹) ماخوذ از اصول الحدیث (مصطلحات و علوم)، ۱۱-۱۲
- (۳۰) ص: ۹۸-۱۰۰ (۳۱) ص: ۱۲۵
- (۳۲) ص ۳۳۲-۳۳۳ (۳۳) ص: ۲۵۹، سطر: ۹
- (۳۴) ص ۸۰۸، سطر: ۱
- (۳۵) کتاب کا سرورق، حصہ پشت، سطر: ۲
- (۳۶) آئینہ اصول حدیث، ۱/۲۷ (۳۷) ۵۵/۱
- (۳۸) شیخ الحدیث، جامعہ سلفیہ، فیصل آباد (۳۹) رکن، اسلامی نظریاتی کونسل
- (۴۰) شیخ الحدیث، جامعہ محمدیہ، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ
- (۴۱) مدرس، دار الحدیث المحمدیہ، خادم، مرکز الامام احمد بن حنبل للتحقیق الاسلامی، حافظ آباد و رئیس، المرکز الاسلامی للدعوة والتحقیق، فیصل آباد
- (۴۲) الدراية فی اصول الحدیث، ۲۴
- (۴۳) مدیر ماہنامہ پیام حق قرآن محل، کراچی
- (۴۴) ص: ۲۶ (۴۵) ایضاً
- (۴۶) ص: ۳۶ (۴۷) ص: ۸۷، ۸۵، ۸۴، ۸۰، ۳۶، ۳۷
- (۴۸) ص: ۶۷-۶۸، ۸۰ (۴۹) ص: ۱۳۲
- (۵۰) ص: ۱۵۰ (۵۱) ص: ۱۵۷
- (۵۲) ص: ۳۵ (۵۳) ص: ۳۳
- (۵۴) ص: ۱۹۶ (۵۵) ص: ۱۹۳
- (۵۶) مدرس، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ (۵۷) ضیاء علم الحدیث، ۵۳۵
- (۵۸) ص: ۲۲ (۵۹) ص: ۲۴



- (۶۰) ص: ۱۰، سطر: ۱۴ (۶۱) مبادیات حدیث، ۱۵
- (۶۲) استاذ حدیث، جامعہ فاروقیہ کراچی (۶۳) ص: ۱۸۷
- (۶۴) ص: ۳۴ (۶۵) ص: ۲۰
- (۶۶) تیسیر مصطلح الحدیث، فاروقی کتب خانہ، بیرون بوہڑ گیٹ، اردو بازار لاہور، ص: ۴
- (۶۷) ص: ۷۳ (۶۸) ص: ۷۸
- (۶۹) ص: ۱۰۶ (۷۰) ص: ۱۰۷
- (۷۱) ص: ۷۹ (۷۲) ص: ۸۲
- (۷۳) ص: ۸۰ (۷۴) ص: ۸۳
- (۷۵) ص: ۷۴، ۳۵ (۷۶) ص: ۵۲
- (۷۷) ص: ۱۱۷ (۷۸) ص: ۵۹، سطر: ۲۰
- (۷۹) ص: ۷۸، حوالہ نمبر: ۸۹
- (۸۰) ابن العماد، عبدالحی، ابوالفلاح، شذرات الذهب فی اخبار من ذهب، دارالمیسرۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۹ء، ۷/۲۷۰؛ الحموی، ابو عبد اللہ یاقوب بن عبد اللہ، معجم الادباء، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۱ء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۷ء، ۱/۱۷۸؛ شاکر محمود، عبد المنعم، کتاب ابن حجر العسقلانی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۷ء، ص: ۲۵-۲۶
- (۸۱) تحفة الدرر، ۳۹ (۸۲) ص: ۴۳
- (۸۳) مدرس، مدرسہ سلیمانیہ، بھوپال
- (۸۴) یہ رسالہ اب نایاب ہو چکا ہے، اسے آج سے نصف صدی پہلے حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی نے مرتب کر کے شائع کیا تھا۔

## تالیفاتِ اساتذہ

### شعبہ علوم اسلامیہ

- \* مسند عائشہ صدیقہؓ - تحقیق ودراسہ  
پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت
- \* المنہاج السوی فی ترجمۃ الامام النووی  
پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ،
- \* لامام جلال الدین السيوطی (تحقیق و تخریج)  
پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت
- \* تحفة الطالبین فی ترجمۃ الامام النووی  
پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ،
- (تحقیق و تخریج)  
پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت
- \* اشاریہ تفہیم القرآن  
پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ،
- \* یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ  
پروفیسر حافظ احمد یار خاں



## رد و قبول حدیث۔ چند مباحث

جناب عثمان احمد\*

علماء اصول حدیث کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے قول و فعل اور تقریر کا نام حدیث ہے۔ (۱) محدثین کرام نے آپ ﷺ سے منسوب کی گئی ہر بات کی آپ سے نسبت کی کی جانچ پرکھ کے لیے محنت شاقہ سے کام لیا۔ علم اسماء الرجال، علم جرح و تعدیل اور دیگر علوم حدیث اس پر گواہ ہیں۔ محدثین نے رد و قبول حدیث کے لیے بنیادی طور پر دو اصولوں کو مد نظر رکھا۔ پہلا اصول روایت اور دوسرا اصول درایت۔

### نقد حدیث کا پہلا اصول

روایت کی جان پرکھ سے مراد اس کا علم ہے کہ کس کی روایت ہے، کس سند سے مروی ہے، کن کن الفاظ سے مروی ہے اور اس کے دیگر طرق کیا ہیں۔ علم روایت حدیث کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔

هو علم بنقل اقوال النبی ﷺ و افعاله و احواله بالسمع

المتصل و ضبطها و تحریرها (۲)

وہ علم جس میں نبی ﷺ کے اقوال، افعال و احوال کی روایت، سند متصل اور

اس کے ضبط و تحریر کی معلومات حاصل ہوں۔

محمد جمال الدین القاسمی ابن الاکفانی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

علم الحدیث الخاص بالروایة علم یشتمل علی نقل اقوال النبی

ﷺ و افعاله و روایتها و ضبطها و تحریر الفاظها (۳)

\* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

علمِ حدیث کا حصہ جو خاص روایت سے متعلق ہے وہ علم ہے جو نبی ﷺ کے اقوال و افعال کی نقل، اس کی روایت، اس کے ضبط اور اس کے الفاظ کی تحریر کی معلومات پر مشتمل ہے گویا کہ روایت کے علم کے تحت کسی حدیث کی سند، اس کے راویوں کے حالات، اس حدیث کے متعدد طرق، سند کا اتصال یا انقطاع زیر بحث آتا ہے روایتِ حدیث کے سلسلے میں درج ذیل چند نکات قابل غور ہیں۔

پہلا نکتہ

جب کسی راوی پر خطا، سوء حفظ، نسیان یا متہم بالکذب ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے تو اس کے غالب معلومات کی بنا پر ہوتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خطا کرنے والا زندگی کے ہر مرحلے پر خطا ہی کرتا ہے، سوء حفظ یا نسیان کا شکار ہر ہر بات بھولتا ہی ہے یا متہم بالکذب زندگی میں کبھی سچ بولتا ہی نہیں۔ لہذا وہ راوی جس پر کذب کا الزام ہے اس سے بھی درست اور سچ بات نقل کرنے کا امکان ہے۔ لہذا کسی حدیث کا ضعیف الاسناد ہونا اس کو قابل رد نہیں بناتا۔ جس طرح یہ ضروری ہے کہ نبی ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کی کوئی بات ترک نہ ہو جائے۔ غالب معاملات کی بنیاد پر جب کسی راوی پر صدق کا حکم لگایا گیا ہے تو اس پر سوء ظن کر کے اس سے جھوٹ کا صدور تسلیم کرنے کوئی جواز نہیں کیونکہ حسن ظن کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ بد ظنی کے لیے شہادت یا دلیل درکار ہوتی ہے۔ لہذا علماء جب کسی حدیث کو ضعیف یا اضعف ہونے کے باوصف معنأ درست ہونے کے باعث قابل قبول قرار دیتے ہیں تو اس کے پیچھے جہاں دیگر عوامل کار فرما ہوتے وہاں یہ اصول بھی پیش نظر ہوتا ہے۔ مولانا قاری محمد طیبؒ لکھتے ہیں:

محدثین کسی متن پر اسناد کے اعتبار سے حکم لگاتے ہیں خود متن پر وہ حکم نہیں ہوتا یعنی ان کا مقصود وہ خاص سلسلہء سند ہوتا ہے جس پر وہ غیر صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ یہ ہرگز مقصود نہیں ہوتا کہ یہ متن ہی سرے سے ساقط ہے۔ پس وہ ایک متن کو ایک خاص طریقے سے لکھیں گے کہ یہ صحیح ہے لیکن اسی متن کو دوسرے طریقہ اور سند سے ضعیف یا موضوع کہیں گے پس یہ صحت و وضع کا حکم درحقیقت سند پر ہوتا ہے نہ کہ متن پر (۴)

مولانا تھانوی اپنی کتاب التشریح بمعرفۃ احادیث التصوف میں لکھتے ہیں:

وربما تجد الضعف فی بعض هذه الروایات لكنه لا یضر لتشیید

اصل المقصود منها بالصحاح بل لآیات كما لا ینحی علی من

مارش الفن اذا كان ممن قد احسن الله تعالى اليه بالفهم ومن (۵)

بعض اوقات ان روایات میں سے بعض میں ضعف بھی پاؤ گے مگر وہ ضعف اس لیے مضر نہ ہوگا کہ

ان روایات سے جو مسئلہ اصل مقصود ہے وہ احادیث صحیحہ بلکہ آیات قرانیہ سے مؤید ہے جیسا کہ فن کی

مزاوت کرنے والے پر مخفی نہیں جبکہ وہ ایسا شخص ہو جس پر حق تعالیٰ نے فہم صحیح کا احسان و امتنان فرمایا ہو۔

مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری لکھتے ہیں:

وہ روایتیں جس کے اسناد نہ معلوم ہوں ان کے بارہ میں ان علماء کے بیان پر

اعتماد ضروری ہے جن کو احادیث رسول اللہ ﷺ اور سیرت نبویہ پر عبور اور ملکہ

راسخہ حاصل ہے کیونکہ وہ الفاظ کی رکاکت و سخافت، طرز کلام اور دوسرے قرائن

سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ رسول اللہ کا کلام ہو سکتا ہے یا نہیں (۶)

دوسرا نکتہ

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کسی روایت میں ضعف کس جگہ ہے یعنی کس دور میں ہے اور اگر اس کی

سند میں کوئی اور عیب نہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا کہ اس راوی کے روایت سے قبل تک یہ

بات بلا اشتباہ ثابت تھی۔ اگر امام ابوحنیفہؒ کسی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جبکہ وہ حدیث امام

بخاری کے پاس بسند ضعیف پہنچی ہے تو اس کا ضعف امام ابوحنیفہؒ کے استدلال کو کمزور نہیں کر سکتا۔ بلکہ

ان کے استدلال کے باعث اس حدیث کا ضعف دور ہوگا۔ مولانا محمد ارشاد القاسمی لکھتے ہیں:

مجہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو حدیث کی تصحیح ہو جاتی ہے اس اعتبار سے امام محمد

اور امام طحاوی نے جن احادیث سے احتجاج کیا ہے وہ اس اصل کی بنیاد پر صحیح ہو گئیں (۷)

## تیسرا نکتہ

نبی کریم ﷺ سے اخذ و روایت حدیث کے سلسلہ کا دار و مدار صحابہ کرامؓ پر ہے۔ اور اس کا تعلق تو آپ ﷺ کے دعویٰ نبوت کے بعد سے ہے۔ لہذا نبی کریم ﷺ کی پیدائش، طفولیت، اس وقت کے معاشرتی و سیاسی حالات وغیرہ کے سلسلہ میں روایت کے اسی حدیثی معیار کو برقرار رکھنا ناممکن ہے۔ لہذا اگر کوئی مطالبہ کرے کہ نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے پہلے عرب کے حالات، قبیلوں کی آپس میں آویزشیں اور تعلقات، قریش کی تاریخ، آپ کی ولادت سے قبل رونما ہونے والے معجزات (آتشکدہ ایران کا بجھنا، کسریٰ کے ایوانوں کے مناروں کا گرنا وغیرہ) کو حدیثی معیار کے مطابق بسند متصل و صحیح، عادل و ضابطہ راویوں سے پیش کریں تو یہ مطالبہ درست نہ ہوگا۔ کیا یونان و مصر، شام و عراق کی حکومتوں، قوموں اور تہذیبوں کی تاریخیں اسی طرح حدیثی معیار کے مطابق بسند متصل و صحیح، عادل و ضابطہ راویوں سے پیش کی جاتی ہیں۔ اگر نہیں تو یہ مطالبہ صرف نبی ﷺ کی پیدائش سے متعلق تاریخی روایات کے بارے میں کیونکر درست ہوگا۔ مولانا مناظر حسن گیلانی نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے متعلق روایات کے بارے میں لکھتے ہیں:

لیکن حدیث اور تاریخ میں فرق کرنا ضروری ہے۔ حدیث سے عقائد اور احکام پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس میں شدید احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن تاریخ سے فقط واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ پھر جس معیار پر عموماً تاریخی روایتیں جانچی جاتی ہیں ان ہی پر میلاد مبارک کی روایتوں کو بھی چاہیے کہ جانچا جائے کیونکہ میلاد کی روایتوں سے نہ تو عقیدہ کا پیدا کرنا مقصود ہے اور نہ کسی قانونی حکم کے استنباط میں ان سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک واقعہ ہوا ہے بس اتنا ہی ظاہر کرنا ہے اور اس کے لیے صرف یہ دیکھ لینا چاہیے کہ گرد پیش کے حالات اس کے مؤید ہیں یا نہیں؟ اور یہ کہ واقعہ کے امکان کے لیے قریبی قرائن موجود ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں اور اس کے بعد ایسے ذرائع جن پر تاریخ میں اعتماد کیا جاتا ہے ان کے توسط سے ہم تک کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کی اطلاع پہنچتی ہے تو

میں نہیں سمجھتا کہ اس کے انکار کی گنجائش، عقل ہو یا منطق، آخر خواہ مخواہ اور کیوں پیدا کرے گی۔ یہ ایک بڑا مغالطہ ہے کہ محدثین کی کڑی تنقید کا حربہ تاریخی روایتوں پر بھی چلا دیا جائے حالانکہ اگر ایسا کیا جائے تو دنیا کی تمام تاریخیں نہ صرف قدیم زمانہ کی بلکہ زمانہ حال کے متعلق جو تاریخی روایتیں جمع کی جاتی ہیں یقین کیجیے کہ یکا یک ان کا سارا دفتر بے معنی ہو کر رہ جائے (۸)

مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری لکھتے ہیں:

اسی لیے اصحاب سیرت نے اس سلسلے میں اخذ و ترجیح کے اصول محدثین سے مختلف ترتیب دیے۔ چنانچہ محدثین روایۃ کی ثقاہت، تقویٰ اور دیانت کی کمی یا زیادتی کی بنا پر مقبول روایۃ کی روایتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں اور اصحاب سیرت حالات کی موافقت اور واقعات کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔ اصحاب سیر کو حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت یا اس کے قریب حجاز کی معاشرت یا مذہبی حالت کیا تھی، کے لکھنے کے لیے محدثین کی شرائط کے موافق ایک روایت بھی نہیں مل سکتی۔ الا وہ خود جناب رسول اللہ ﷺ نے بیان کی۔ پیدائش سے نبوت تک کے حالات کی بھی یہی حالت ہے۔ بڑے سے بڑے محتاط محدثین نے بھی یہی کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بیان کے علاوہ صحابہ اور کبار تابعین کے صحیح اقوال کو جمع کیا گو واقعہ کے وقت وہ موجود نہ تھے کیونکہ اس کے سوا چارہ نہیں (۹)

چوتھا نکتہ

تفسیر قرآن کے باب میں احادیث موضوعہ سے احتجاج اور اعتنا درست ہوگا اگر بات معنادار ہو۔ لیکن یہ احتجاج بحیثیت حدیث یا فرمان نبوی ﷺ نہیں ہوگا بلکہ اس امکان کے تحت ہوگا کہ یہ قول از قسم تفسیر بالرائے محمود ہے جو کہ غلطی سے بنی کریم ﷺ سے منسوب ہو گیا۔

## نقدِ حدیث کا دوسرا اصول

علمِ درایتِ حدیث سے مراد وہ علم ہے جس میں کسی حدیث سے متعلق یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ خبرِ واحد یا متواتر، صحیح ہے یا حسن یا ضعیف، اس کے رجال ثقہ ہیں یا غیر ثقہ، اس سے کیا کیا مسائل کا استنباط و استخراج ہوگا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی درایت کے علم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو علم يتعرف به انواع الرواية و احكامها و شروط الرواية و

اصناف المرويات و استخراج معانيها (۱۰)

وہ علم ہے جس میں روایت کی انواع، اس کے احکام، روایت کی شروط اور معانی کے استخراج سے بحث کی جائے۔

محمد جمال الدین القاسمی ابن الاکفانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وعلم الحديث الخاص بالدراية علم يُعرف منه حقيقة الرواية و

شروطها و انواعها و احكامها و حال الرواية و اصناف المرويات

و ما يتعلق بها (۱۱)

وہ علم حدیث جو خاص درایت سے متعلق ہے وہ علم ہے جس میں روایت کی

حقیقت، روایت کی شروط، اقسام، احکام، راویوں کے احوال اور مرویات کی

اقسام اور اس سے متعلقہ امور پر بحث کی جاتی ہے۔

درج بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ درج ذیل نکات پیش نظر رہنا ضروری ہیں۔

۱۔ درایتِ حدیث کا تعلق متن سے بھی اور سند سے بھی۔ یہ عمومی مغالطہ ہے کہ درایت کا تعلق متن

حدیث پر حکم لگانے سے ہے۔ محدثین و اصولیین کے ہاں سند اور متن دونوں پر حکم لگانا علمِ درایت کے تحت

آتا ہے۔ لہذا اگر کسی حدیث کو راویوں کے مجروح ہونے کے باعث ضعیف کہا جاتا ہے تو اس کا تعلق علمِ

درایت سے نہ کہ علمِ روایت سے۔

۲۔ درایت سے مراد حدیث کے متن کا عقلی بنیادوں پر جائزہ لینا نہیں اور نہ ہے درایت سے

مراد متن حدیث کا عقلی محاکمہ ہے۔ محدثین و اصولیین میں سے کسی نے درایت کی یہ تعریف نہیں کی۔ اور

کوئی ایک حدیث بطور مثال پیش بھی نہیں کی جاسکتی جو سنداً بالکل صحیح ہو اور محدثین نے عقلی بنیادوں پر اس



کو رد کر دیا ہو۔

۳۔ جب کسی حدیث کی سند معلوم نہ ہو تو پھر اس کا جائزہ لیا جائے گا کہ یہ مزاج نبوت و شریعت کے خلاف تو نہیں۔ اور اس کا بھی عقلی محاکمہ سے کوئی تعلق نہیں۔

مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری لکھتے ہیں:

درایت کے معنی عقل نہیں ہے۔ علم اور تجربہ کے بعد جو ملکہ حاصل ہوتا ہے اس کو درایت کہتے ہیں۔ محدثین کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے پوری واقفیت ہو اور اس بارہ میں جتنی روایات صحیحہ ہیں وہ اس کے پیش نظر ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت کے واقعات اور حالات پر عبور رکھتا ہو ایسے شخص کو ایک طرح کی معرفت اور بصیرت حاصل ہو جائے گی اسی کو درایت کہتے ہیں ایسے شخص کے سامنے جب کوئی روایت آئے گی اور اس کی سند معلوم نہ ہو تو وہ اپنی بصیرت کی بنا پر کہہ سکے گا کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ (۱۲)

ملا علی قاری موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں۔

وقد سنل ابن قیم الجوزية هل يمكن معرفة الحديث الموضوع بضابط من غير ان ينظر في سنده؟ فقال هذا سوال عظيم القدر. وانما يعرف ذلك من اطلاع في معرفة السنن الصحيحة. واختلطت بلحمه ودمه و صار له فيها ملكة. و صار له اختصاص شديد بمعرفة السنن والآثار و معرفة سيرة الرسول ﷺ و هديه فيما يامر به. وينهى عنه و يخبر عنه و يدعوا اليه. ويحبه و يكرهه و يشرعه للامة بحيث كانه مخالط له ﷺ بين اصحابه الكرام فمثل هذا يعرف من احواله و هديه و كلامه واقواله و افعاله (۱۳)

ابن قیم جوزی سے پوچھا گیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ حدیث موضوع کو کسی قاعدہ سے جان لیں بغیر سند دیکھے ہوئے۔ کہا یہ بڑے مرتبہ کا سوال ہے۔ یہ وہ شخص جانتا ہے جو سنن پر حاوی ہو اور جس کے گوشت اور خون میں رچ بس گئی ہوں۔ اور اس میں اس کو ملکہ حاصل ہو گیا ہو۔ سنن و آثار کے پہچاننے میں، رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو پہچاننے میں، اور حضور ﷺ کی ہدایت کو پہچاننے میں جس کا حضور ﷺ حکم دیتے تھے جس سے منع کرتے تھے جس بات کی خبر دیتے تھے جس کی طرف دعوت دیتے تھے جس بات کو پسند کرتے تھے جس بات کو برا سمجھتے تھے جس کی امت کو تعلیم دیتے تھے، سب کے جاننے میں اس کو شدید خصوصیت حاصل ہو گئی ہو۔ گویا وہ حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ میں ملا ہوا موجود ہے۔ اس طرح کا آدمی حضور ﷺ کے احوال، ہدایت، کلام اور اقوال و افعال جانتا ہے۔

### نقدِ حدیث کا تیسرا اصول

محدثین عظام نے رد و قبول حدیث کے لیے روایت و درایت کے اصول وضع کیے اور اس کے تحت ذخیرہ احادیث کا جائزہ لے کر صحیح و سقیم کا حکم لگاتے رہے۔ کتب حدیث کے مدون ہو جانے کے بعد سلسلہ روایت اختتام پذیر ہوا۔ اگر ذخیرہ احادیث کو جائزہ لیا جائے تو جہاں عقائد و ایمانیات اور احکام کی احادیث ہیں وہاں احادیث کا ایک حصہ آپ کی بیان کردہ پیشین گوئیوں سے متعلق ہے جن میں اکثر فتن اور علامات قیامت سے متعلق ہیں۔ کسی بھی پیشین گوئی کی حتمی تصدیق کا ذریعہ اس کا وقوع ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی وہ احادیث جن کا تعلق پیشین گوئیوں سے یعنی آنے والے فتن اور علامات قیامت سے ہے، کور وایت و درایت کی بنیاد پر رکھنے کے ساتھ ساتھ ”وقوع“ کی بنیاد پر بھی پرکھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی حدیث کسی پیش آنے والے فتنے کی پیشین گوئی کرتی ہے جبکہ سنداً ضعیف ہے مگر آج وہ فتنہ واقع ہو چکا ہے اور اس کا وقوع ظاہر و باہر ہے تو اس حدیث کی تصدیق وقوع سے ہو جائے گی چنانچہ اس کے نتیجے میں اس حدیث کے صحیح ہونے کچھ شبہ نہیں رہ جائے گا۔ احادیث فتن و علامات قیامت کا ”وقوع“ کے اصول کے تحت جائزہ لینے سے ہو سکتا ہے بہت سی احادیث ضعیفہ، احادیث صحیحہ کا درجہ پائیں۔ ذیل میں دو مثالیں بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

## مثال اول

ابونعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء میں حدیث نقل کرتے ہیں:

مِنْ إِقْتِرَابِ السَّاعَةِ اثْنَتَانِ وَ سَبْعُونَ خِصْلَةً، إِذَا رَأَيْتُمُ النَّاسَ أَمَاتُوا الصَّلَاةَ، وَأَضَاعُوا الْأَمَانَةَ، وَأَكَلُوا الرِّبَا، وَاسْتَحَلُّوا الْكُذْبَ، وَاسْتَخَفُّوا الدَّمَاءَ، وَاسْتَعَلُّوا الْبِنَاءَ، وَبَاعُوا الدِّينَ بِالدُّنْيَا، وَتَقَطَّعَتِ الْأَرْحَامُ، وَيَكُونُ الْحَكْمُ ضَعْفًا، وَالْكَذِبُ صَدَقًا، وَالْحَرِيرُ لِبَاسًا، وَظَهَرَ الْجَوْرُ، وَكَثُرَ الطَّلَاقُ وَ مَوْتُ الْفَجَاءَةِ، وَائْتَمَنَ الْخَائِنُ، وَخَوَّنَ الْأَمِينُ، وَصَدَّقَ الْكَاذِبُ، وَكُذِّبَ الصَّادِقُ، وَكَثُرَ الْقَذْفُ، وَكَانَ الْمَطْرُقُ قِيظًا، وَالْوَلَدُ غِيظًا، وَفَاضَ اللَّثَامُ فَيْضًا، وَغَاضَ الْكِرَامُ غِيضًا، وَكَانَ الْأَمْرَاءُ فَجْرَةً، وَالْوُزَارَاءُ كَذِبَةً، وَالْأَمْنَاءُ خَوْنَةً، وَالْعُرَفَاءُ ظَلْمَةً، وَالْقُرَاءُ فَسْقَةً، إِذَا لَبَسُوا مَسُوكَ الضَّانِ، قُلُوبُهُمْ أَنْتُنُ مِنَ الْجِيْفَةِ وَأَمْرٌ مِنَ الصَّبْرِ، يَغْشِيهِمُ اللَّهُ فِتْنَةً يَتَهَارَكُونَ فِيهَا تَهَارَكَ الْيَهُودُ الظَّلْمَةَ، وَتَظْهَرُ الصَّفْرَاءُ. يَعْنِي الدَّنَا نِيرًا. وَتَطْلُبُ الْبَيْضَاءُ، يَعْنِي الدِّرَاهِمَ، وَتَكْثُرُ الْخَطَايَا، وَتَغْلُ الْأَمْرَاءُ، وَحُلِيَّتُ الْمَصَاحِفِ، وَصُورَتُ الْمَسَاجِدِ، وَطَوَّلَتِ الْمَنَائِرُ، وَخَرِبَتِ الْقُلُوبُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ، وَعُطِّلَتِ الْحُدُودُ، وَوَلَدَتِ الْأُمَّةُ رَبَّتَهَا، وَتَرَى الْحَفَاةَ الْعَرَاةَ قَدْ صَارُوا مَلُوكًا، وَشَارَكَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا فِي التِّجَارَةِ، وَتَشْبَهُ الرِّجَالُ بِالنِّسَاءِ، وَالنِّسَاءُ بِالرِّجَالِ، وَحَلْفٌ بِاللَّهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُسْتَحْلَفَ، وَشَهِدَ الْمَرْءُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُسْتَشْهَدَ، وَسُلِمَ لِلْمَعْرِفَةِ، وَتُفْقَهُ لَغَيْرِ الدِّينِ، وَطَلَبَتِ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ، وَاتَّخَذَ الْمَغْنَمَ دَوْلًا، وَالْأَمَانَةَ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةَ مَغْرَمًا، وَكَانَ زَعِيمَ الْقَوْمِ أَرَذْلَهُمْ، وَعَقَّ الرَّجُلُ أَبَاهُ، وَجَفَا أُمَّهُ، وَضَرَّ صَدِيقَهُ، وَأَطَاعَ زَوْجَتَهُ، وَعَلَّتْ أَصْوَاتُ الْفَسْقَةِ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاتَّخَذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ فِي الطَّرِيقِ، وَاتَّخَذَ الظُّلْمُ فِخْرًا، وَبِيعَ الْحَكْمُ، وَكَثُرَتِ الشَّرْطُ، وَاتَّخَذَ الْقُرْآنُ مِزَامِيرًا، وَجَلُودُ السِّبَاعِ صَفَافًا،

والمساجد طرقا، ولعن آخر هذه الامة اولها، فليرتقبوا عند ذلك ريحا  
حمراء، وخسفا و مسخا و آيات (۱۴)

ترجمہ: بہتر چیزیں قربِ قیامت کی علامت ہیں۔ جب تم دیکھو کہ: لوگ نمازیں غارت کرنے لگے، امانت ضائع کرنے لگے، سود کھانے لگے، جھوٹ کو حلال سمجھنے لگے، معمولی بات پر خون ریزی کرنے لگے، اونچی اونچی بلڈنگیں بنانے لگے، دین بیچ کر دنیا سمیٹنے لگے، قطع رحمی ہونے لگے، انصاف کمزور ہو جائے، جھوٹ، سچ بن جائے، لباس ریشم کا ہو جائے، ظلم، طلاق اور ناگہانی موت عام ہو جائے، خیانت کار کو امین اور امین کو خائن سمجھا جائے۔ جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے، تہمت تراشی عام ہو جائے، بارش کے باوجود گرمی ہو، اولاد غم و غصہ کا موجب ہو، کمینوں کے ٹاٹھ ہوں اور شریفوں کے ناک میں دم آجائے، امیر و وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں، امین خیانت کرنے لگیں، چودھری ظلم پیشہ ہوں، عالم اور قاری بدکار ہوں، جب لوگ بھیڑ کی کھالیں پہننے لگیں، ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اور ایلوے سے زیادہ تلخ ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں ایسے فتنے میں ڈال دے گا جس میں یہودی ظالموں کی طرح بھٹکتے پھریں گے۔ اور جب سونا عام ہو جائیگا، چاندی کی مانگ ہوگی، گناہ زیادہ ہو جائیں گے، امن کم ہو جائے گا، مصاحف کو آراستہ کیا جائے گا، مساجد میں نقش و نگار اور اونچے اونچے مینار بنائے جائیں گے، دل ویران ہوں گے، شرابیں پی جائیں گی، شرعی سزاؤں کو معطل کر دیا جائے گا، لونڈی اپنے آقا کو جنے گے، جو لوگ پابرہنہ اور ننگے بدن لوگ بادشاہ بن بیٹھیں گے، تجارت میں عورت مرد کے ساتھ شریک ہو جائے گی، مرد عورتوں کی اور عورتیں مردوں کی نقالی کرنے لگیں گی، غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی، مسلمان بھی بغیر کہے جھوٹی گواہی دینے کو تیار ہوگا، جان پہچان پر سلام کیا جائے گا، غیر دین کے لیے شرعی قانون پڑھا جائے گا، آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی، غنیمت کو دولت، امانت کو غنیمت کا مال، اور زکوٰۃ کو تاوان قرار دیا جائے گا، سب سے رذیل آدمی قوم کا قائد بن بیٹھے گا، آدمی اپنے باپ کا نافرمان ہوگا، ماں سے بدسلوکی

کرے گا، دوست کو نقصان پہنچانے سے گریز نہ کرے گا، اور بیوی کی اطاعت کرے گا، فاسقوں کی آوازیں مسجدوں میں بلند ہونے لگیں گی، گانے والی عورتیں داشتہ رکھی جائیں گی، اور گانے کا سامان رکھا جائے گا، شرابیں سر راہ پی جائیں گی، ظلم کو فخر سمجھا جائے گا، انصاف بکنے لگے گا، پولیس کی کثرت ہوگی، قرآن کو نغمہ سرائی کا ذریعہ بنا لیا جائے گا، درندوں کی کھال کے موزے بنائے جائیں گے، اور امت کا پچھلا حصہ اگلے لوگوں کو لعن طعن کرنے لگے گا، اس وقت سرخ آندھی، زمین میں دھنس جانے، شکلیں بگڑ جانے اور آسمان سے پتھر برسنے جیسے عذابوں کا انتظار کیا جائے۔

اس حدیث کو جلال الدین سیوطی نے بھی الدر المنثور میں نقل فرمایا ہے۔ (۱۵) اس حدیث سے متعلق ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

وهو ضعيف كما قال الحافظ العراقي، وفيه علة اخرى وهي الانقطاع (۱۶)  
یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ حافظ عراقی نے کہا ہے اور اس میں ایک اور نقص پایا جاتا ہے جو کہ انقطاع ہے جب کہ اس حدیث مبارکہ میں بیان ہونے والے فتن میں کوئی ایسا نہیں ہے جسے ہم آج کھلی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کر رہے ہوں۔ اور کسی غیر نبی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ صدیوں بعد وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی ایسی پیشین گوئی کر سکے کہ جو حرف بہ حرف پوری ہوتی نظر آرہی ہو۔ یہ تو صرف وحی کے ذریعے نبی ﷺ کی زبان اقدس سے ہی بیان ہو سکتے ہیں۔ لہذا ان فتن کا وقوع اس کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا ہی فرمان ہے۔ سند کا ضعف وقوع کے اصول کے تحت دور ہو جاتا ہے۔ اور ہم اس حدیث کو احادیث صحیحہ میں شمار کر سکتے ہیں۔

### مثال دوم

صاحب کنز العمال نے حدیث نقل کی ہے:

قال رسول الله ﷺ يأتى على الناس زمان لا يسلم لذي دين دينه الا من فر به من من شاهق الى شاهق ومن جحر الى جحر كالثعلب باشباله، قالوا ومتى يكون ذلك؟ قال: في آخر الزمان، اذا لم تنل المعيشة الا بمعصية الله، فاذا

كان كذا لك حلت العزبة قالوا انت تامرنا بالتزويج؟ قال يكون في ذالك  
الزمان هلاك الرجل على يدي ابويه ان كان له ابوان فان لم يكن له ابوان فعلى  
يدي زوجته وولده فان لم تكن له زوجة ولا ولد فعلى يدي الاقارب و الجيران،  
يعبرونه بضيق المعيشة حتى يورد نفسه الموارد التي يهلك فيها (١٤)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ کسی دین دار کا دین محفوظ نہ رہے  
گا سوائے اس کے کوئی شخص ایک پلند پہاڑ سے دوسرے بلند پہاڑ اور ایک سوراخ سے  
دوسرے سوراخ کی طرف لومڑی کی طرح بھاگے گا۔ لوگوں نے کہا یہ کب ہوگا؟ فرمایا آخری  
زمانے میں، جب گناہوں کے سواروزی اور کسی طرح حاصل نہ ہوگی، پس جب ایسا ہو تو اس  
وقت مجر در ہنا حلال ہوگا، لوگوں نے کہا آپ تو ہمیں شادی کرنے کا حکم دیتے ہیں، فرمایا اس  
وقت انسان کی ہلاکت اس کے والدین کے ہاتھوں سے ہوگی اگر اس کے والدین ہوئے اور  
اگر نہ ہوئے تو اسکی ہلاکت اسکی بیوی اور اولاد کے ہاتھوں ہوگی، اور اس کے بیوی بچے نہ  
ہوئے تو رشتہ داروں اور ہمسائیوں کے ہاتھوں ہوگی۔ وہ اسے تنگی معاش پر شرمندہ کریں گے  
یہاں تک کہ وہ ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

یہی حدیث مسند الحارث میں نور الدین <sup>لہبیشی</sup> نے (۱۸)، ابن حجر نے المطالب العالیۃ  
میں (۱۹) اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں نقل کی ہے۔ (۲۰) امام زیلعی اس  
حدیث سے متعلق سورہ نور کے تحت لکھتے ہیں۔ و هو مرسل (۲۱)

ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے اور اس کی اسناد پر طویل بحث کی ہے۔ (۲۲)  
حدیث میں بیان ہونے والی صورت حال کہ صاحب ایمان کے لیے اپنے دین کو سلامت رکھنا اتنا  
مشکل ہو جائے گا کہ ہر وقت اپنے دین بچانے کی فکر میں ادھر سے ادھر جائے پناہ ڈھونڈتا پھرے گا، آج  
ہمارے سامنے ہے۔ اور حدیث کا یہ ٹکڑہ کہ یعیرونہ بضیق المعیشة آج کے ماحول اور معاشرے  
کی سو فیصد عکاسی ہے۔ لہذا اس حدیث کے بارے میں وقوع کے اصول کے تحت حکم لگایا جائے گا کہ یہ  
فرمان نبوی ﷺ ہے۔

اسی طرح ہم ذخیرہ حدیث کا جائزہ لے کر ایسی تمام احادیثِ فتن پر صحت کا حکم لگا سکتے ہیں جو سناً  
ضعیف ہیں مگر قواعد درست ہیں۔



## حوالے و حواشی

- ۱۔ محمود طحان، الدکتور، تیسیر مصطلح الحدیث، فاروقی کتب خانہ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، ص ۱۴، س ن (ما اضعیف الی النبی ﷺ من قول أو فعل أو تقریر أو صفة)
- ۲۔ عثمانی، شبیر احمد فتح الملہم بشرح صحیح الامام المسلم، دار القلم، دمشق، ج ۱۔ ص ۲۰۔ ۲۰۰، ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۶ء
- ۳۔ القاکی، محمد جمال الدین، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ص ۷۵، س ن
- ۴۔ مولانا محمد طیب، کلمہ طیبہ، ادارہ تاج المعارف، دیوبند، یو پی، انڈیا، ص ۴۲، جون ۱۹۵۹
- ۵۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، التشریف بمعرفة احادیث التصوف، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ریلوے روڈ ملتان، ص ۲۵-۲۶، اپریل ۱۹۸۶ء
- ۶۔ دانا پوری، مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف، اصح السیر، مجلس نشریات اسلام، ۱۔ کے، ۳، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱، کراچی، ص ۲۲، ۲۰۰۴ء
- ۷۔ القاکی، مولانا محمد ارشاد، ارشاد اصول الحدیث، زمزم پبلشرز، نزد مقدس مسجد اردو بازار، کراچی، ص: ۱۸۵، مارچ ۲۰۰۱ء
- ۸۔ گیلانی، مولانا سید مناظر احسن، میلادی مکاشفات ظہور نور، اسلامک پبلی کیشنز سوسائٹی، حیدرآباد دکن، ص ۴، ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ
- ۹۔ اصح السیر، ص ۱۰-۱۱
- ۱۰۔ فتح الملہم ج ۱۔ ص ۲۰،

- ۱۱۔ قواعد التحديث - ص ۷۵
- ۱۲۔ اصح السير، ص ۳۰
- ۱۳۔ ملا علی قاری، نور الدین علی بن محمد بن سلطان، الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة، تهقیق و تعلیق محمد الصباغ، دارالامانة، بیروت، لبنان، ص ۲۱۶-۲۱۷، ۱۹۷۱ء
- ۱۴۔ اصفهانی، ابو نعیم احمد بن عبداللہ، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، دراسة و تحقیق مصفی عبد القادر عطا، دار لکتب العلمیہ، بیروت، ج ۳، ص ۲۱۰-۲۱۱، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء
- ۱۵۔ سیوطی، جلال الدین، الدر المنثور،
- ۱۶۔ البانی، محمد ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ و الموضوعہ و اثرها السیء فی الامۃ، مکتبۃ المعارف، الرياض، المملكة السعودیة لعربیة، ج ۳، ص ۳۱۲، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء
- ۱۷۔ علی المتقی بن حسام الدین، علاء الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، تحقیق محمود عمر الدمیاطی، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، ج ۸، جز ۱۱، ص ۱۵۲، ۱۹۹۸ء
- ۱۸۔ الشیخ نور الدین، الحافظ، مسند الحارث، مرکز خدمۃ السنۃ و سیرۃ النبویة، مدینہ منورہ، محقق حسین احمد صالح الباکری، حدیث نمبر ۷۷۴، ج ۲، ص ۷۷۳، ۱۴۱۳ھ
- ۱۹۔ العسقلانی، ابن حجر، المطالب العالیۃ فی زوائد الکتب الثمانیۃ، دارالعاصمہ، سعودی عرب، حدیث نمبر ۴۳۶۰، ج ۱۷، ص ۶۲۰، ۱۴۱۰ھ
- ۲۰۔ سہروردی، شیخ شہاب الدین، عوارف المعارف، مترجم شمس بریلوی، پروگریسو بکس، ۴۰۔ بی، اردو بازار، لاہور، ص ۶۱۹-۶۲۰، ستمبر ۱۹۹۸ء
- ۲۱۔ الزیلعی، جمال الدین عبداللہ بن یوسف، تخریج الاحادیث والآثار، دار ابن خزیمہ ریاض، ج ۲، ص ۴۴۲، ۱۴۱۴ھ
- ۲۲۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، ج ۷، ص ۲۶۸-۲۷۲، ۲۰۰۰ء







## نواب صدیق حسن خانؒ کی خدماتِ حدیث

ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر\*

نام و نسب

نواب صدیق حسن خان کا اسم گرامی صدیق بن حسن بن علی نصف اللہ حسینی بخاری قنوجی ہے۔ (۱) جہاں تک آپ کے سلسلہ آباء و اجداد کا تعلق ہے تو وہ بیک وقت اہل علم اور حکمران تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب جعفر صادق بن محمد باقر بن علی بن حسین سے جا ملتا ہے۔ (۲)

نواب صاحب اتوار ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ بمطابق ۱۲ اکتوبر ۱۸۳۲ء کو شمالی ہند کے علاقہ بانس بریلی میں پیدا ہوئے۔ یہ آپؒ کا ننھیال کا علاقہ تھا۔ اس کے بعد آپؒ کی والدہ ماجدہ بانس بریلی سے قنوج (والد گرامی کا اصل مسکن تھا) منتقل ہو گئیں۔ وہاں آپ کی تربیت و تعلیم کا بہترین انتظام کیا گیا۔ آپؒ اپنی عمر کے پانچویں سال میں داخل ہوئے تو کویتیہی کی حالت کا سامنا کرنا پڑا۔ (۳)

آپؒ علم و ادب کے میدان میں خوب خدمات سرانجام دینے اور مجاہدانہ زندگی بسر کرنے کے بعد ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ بمطابق ۲۰ فروری ۱۸۸۹ء کو بھوپال میں وفات پا گئے۔ لہذا اللہ وانا الیہ راجعون

تعلیم اور علمی اسفار

آپؒ نے ابتدائی تعلیم اور چھوٹی چھوٹی کتابیں قنوج اور اردگرد کے علاقوں کے علماء سے پڑھیں اور جلیل القدر علماء کرام سے استفادہ کیا۔ (۴) حصول علم کے لیے مشہور شہروں کا سفر کیا۔ دہلی کی طرف بھی سفر کیا اور اس سفر کا نام سفرِ میمونہ رکھا۔ وہاں علماء و ادباء سے علوم و آداب حاصل کیے۔ عقلیات،

\* ایسوسی ایٹ پروفیسر (ر)، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

نقلیات، ادب، اور عربیت میں درک حاصل کیا۔ متداول علوم کے ساتھ شاذ اور منفرد چیزوں کا علم حاصل کیا۔ دنیا نے آپ کے علمی مقام کا اعتراف کیا اور علوم شریعت کی معرفت میں ایک نمایاں مقام پر فائز ہوئے۔ (۵)

### اخلاق

نواب صاحب انتہائی کریم النفس اور شریف الطبع انسان تھے۔ (۶)

اہل علم کی حوصلہ افزائی اور تعظیم ان کا شیوہ تھا۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور تالیفاتِ عالمانہ کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کے ہم عصر اور بعد میں آنے والے کاروان علم و دانش نے انھیں ہر دور میں خراج تحسین پیش کیا۔

### تصنیفات

نواب صاحب نے عربی اور اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت میں گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ (۷) آپ تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں آپ کی حدیث پر لکھی گئی کتابوں کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

۱۔ عون الباری لحل ادلة البخاری

۲۔ السراج الوہاج من كشف مطالب صحيح مسلم بن الحجاج

۳۔ فتح العلام بشرح بلوغ المرام ابن حجر کی معرکۃ الآراء کتاب بلوغ المرام کی شرح نواب صاحب نے عربی میں لکھی جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

۴۔ الحرز المکنون من لفظ المعصوم المامون اس مجموعہ میں چالیس متواتر احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو کہ ۱۲۹۰ھ میں مطبع سکندری گروید سے طبع ہوا۔

۵۔ أربعون حدیثا فی فضائل الحج والعمرة (عربی) حج اور عمرہ سے متعلق چالیس احادیث پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۸۴ھ میں شائع ہوا۔

۶۔ الإدراک لتخریج احادیث رد الاشراک یہ رسالہ مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوا جو کہ کل ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس رسالہ میں شرک کے رد میں چند احادیث جمع کی گئی ہیں۔

- ۷۔ توفیق الباری ترجمۃ الادب المفرد للبخاری یہ امام بخاری کی مشہور کتاب الادب المفرد کا اردو ترجمہ ہے۔ مطبع مفید عام، آگرہ سے ۱۳۰۶ھ میں طبع ہوا۔
- ۸۔ بغیۃ القاری فی ثلاثیات البخاری جو الجامع الصحیح لإمام البخاری کی ان روایات پر مشتمل ہے جو تین واسطوں سے مروی ہیں ان کا اردو ترجمہ اور تینوں راویوں کے حالات زندگی بھی ذکر کیے ہیں۔ یہ کتاب مطبع شدہ جہانی بھوپال سے ۱۳۹۱ھ میں طبع ہو چکی ہے۔
- ۹۔ نزل الابرار بالعلم الماثور من الادعیۃ والاذکار (عربی)۔ اس کتاب میں ادعیہ ماثورہ کو جمع کر دیا گیا ہے جو ۱۳۰۱ھ میں پہلی بار طبع ہوئی۔
- ۱۰۔ تقویۃ الایقان بشرح حلاوة الایمان (اردو)۔ صحیحین کی مشہور حدیث: ثلاث من کن فیہ وجد حلاوة الایمان الخ کی اردو شرح ہے۔ مطبع مفید عام، آگرہ سے ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی۔
- ۱۱۔ یقظة اولی الاعتبار فیما ورد من ذکر اهل النار (عربی) جہنم اور اہل جہنم سے متعلق احادیث کا مجموعہ۔
- ۱۲۔ فتح المغیث بفقہ الحدیث (عربی)۔ فقہ السنہ پر مشتمل یہ رسالہ مطبع سکندری سے شائع ہو چکا ہے۔ جس میں عبادات و معاملات سے متعلق مسائل کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔
- ۱۳۔ منہج الوصول الی اصطلاح حدیث الرسول۔ اصول حدیث کے متعلق یہ رسالہ مطبع شاہ جہانی سے ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوا۔ فارسی زبان میں کتاب ہے۔ اصطلاحات حدیث کی عمدہ تعریف کی گئی ہے۔
- ۱۴۔ الرحمة المهداة الی من یرید زیادة العلم علی حدیث مشکوٰۃ۔ اس میں مصنف نے ہر باب کے تحت تین فصلوں میں احادیث جمع کی ہیں۔ نواب صاحب نے اس باب کی مزید احادیث کو الرحمة المهداة کے نام سے جمع کیا ہے جسے مشکوٰۃ کے تمام ابواب کی فصل رابع کہنا چاہیے۔ یہ کتاب ۱۳۰۱ھ میں شائع ہو چکی ہے۔
- ۱۵۔ الحطة فی ذکر الصحاح الستة (عربی)۔ صحاح ستہ اور اس کے مؤلفین کے متعلق معلومات افزا کتاب ہے ان شاء اللہ بعد میں اس کا تفصیلی تعارف پیش کیا جائے گا۔
- ۱۶۔ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مائر الفقہاء والمحدثین (فارسی)۔ آئمہ فقہاء اور محدثین کے تذکرہ و خدمات پر مشتمل یہ کتاب ۱۲۸۸ھ میں مطبع کانپور نظامی سے طبع ہوئی۔

- ۱۷۔ التاج المکمل من جواهر مائر الطراز الاخر والاول (عربی)۔ محدثین و فقہاء کے تراجم پر مشتمل ہے۔ پہلی بار ۱۲۹۹ھ میں مطبع صدیقی بھوپال سے طبع ہوئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن المطبع العربیۃ الہندیۃ کے زیر اہتمام شائع ہوا۔
- ۱۸۔ کشف الکربة عن اهل الغربة۔ مشہور حدیث (بدأ الإسلام غریبا و سيعود كما بدأ فطوبی للغرباء) کی شرح ہے۔ جو ۱۵۰ صفحات میں ۱۳۰۲ھ میں مطبع مفید عام سے طبع ہوئی۔
- ۱۹۔ حسن الاسوة بما ثبت من اللہ و رسوله فی النبوة۔ عورتوں سے متعلق تقریباً تمام مسائل جو کتاب و سنت سے مروی ہیں اس رسالہ میں انھیں جمع کیا گیا ہے قابل مطالعہ ہے۔ یہ ۱۳۰۱ھ میں المطبعة القسطنطنیہ سے طبع ہوا۔
- ۲۰۔ ضوء الشمس من شرح بنی الاسلام علی خمس۔ صحیحین میں عبداللہ بن عمر کی مشہور حدیث کی شرح ہے جو مطبع مفید عام سے ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوئی یہ شرح اردو زبان میں ہے۔
- ۲۱۔ مکارم الاخلاق ترجمۃ ریاض الصالحین علامہ نووی کی مشہور کتاب ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ ہے جو مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۰۶ھ میں طبع ہوا۔
- ۲۲۔ مسک الختام فی شرح بلوغ المرام۔ اس میں حدیث اور مسائل فقہیہ کو جو ظاہر احادیث کے موافق ہیں۔ مع بیان اختلاف مذاہب، مدلل بیان کیا ہے نیز چاروں ائمہ کرام کے مسلک پر روشنی ڈالی ہے۔
- ۲۳۔ موائد العوائد۔ دو ضخیم جلدوں میں فارسی زبان میں لکھی گئی۔ مختلف مضامین کی احادیث اسناد کو حذف کر کے جمع کی گئی ہیں۔ ۱۲۹۸ھ میں مطبع صدیقی بھوپال میں طبع ہوئی۔
- ۲۴۔ صلاح ذات البین بیان ما للزوجین۔ یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۰۱ھ میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔ اردو زبان میں لکھی گئی اس کتاب میں حقوق الزوجین کی تفصیلات ہیں۔
- ۲۵۔ محو الحوبة بايثار الاستغفار والتوبة۔ اس مجموعہ میں توبہ و استغفار کے بیان میں احادیث صحیحہ کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوئی۔ اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ کل صفحات ۲۶ ہیں۔ اس کو نواب صاحب نے اپنے صاحبزادے علی حسن خان طاہر کے نام منسوب کیا ہے۔

۲۶۔ حظيرة القدس و ذخيرة الانس۔ یہ مختلف موضوعات پر احادیث کا ایک مجموعہ ہے۔ پیش کردہ احادیث سے مصنف کا مقصد علم دوست حضرات کو عمل پر ابھارنا اور ارشاداتِ نبوی کی جانب صحیح طریقہ پر گامزن کرنا ہے تاکہ تعلق مع اللہ اور حب رسول اللہ کا ثبوت اپنے عملی کردار سے دیا جاسکے۔ یہ کتاب ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے جو کہ ۱۳۰۶ھ میں مطبع شاہجہانی سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی، زبان عربی ہے اس کو نواب صاحب نے اپنے صاحبزادے علی حسن خان طاہر کے نام سے منسوب کیا ہے۔

۲۷۔ ابجد العلوم۔ نواب صاحب کی یہ تصنیف دراصل علوم اور علماء کے بارے میں بہترین دائرہ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہے جو عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ ۱۲۹۵ھ میں مطبع بھوپال میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ الوشی المرقوم پہلا حصہ، اصحاب المرکوم دوسرا حصہ، اور الرحیق المختوم تیسرا حصہ۔ یہ بہترین کتاب ہے اور بلاشبہ نواب صاحب کی تالیفی و تصنیفی کاوشوں کا بین ثبوت ہے۔ نواب صاحب نے اس کتاب کے پہلے حصہ میں علوم اور اس کے اقسام کا ذکر کرنے کے بعد ایک اچھے طالب علم کی خصوصیات کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ دوسرا حصہ مختلف علوم کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ علوم کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے رکھی گئی ہے اور اس میں ۱۲۹ اقسام کے علوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابجد العلوم کے تیسرے حصہ میں علماء کرام کی زندگی کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ ایک باب میں علمائے ہند، بھوپال، یمن اور قنوج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آخری باب میں نواب صاحب نے اپنی زندگی کے حالات قلم بند کیے ہیں۔

۲۸۔ الدین الخالص۔ یہ کتاب مصر سے ۱۳۷۹ھ میں شائع ہوئی۔ نواب صاحب کے زمانہ میں مطبع احمدی سے شائع ہو چکی تھی۔ اس کتاب میں توحید، کفر اور شرک کے متعلق تفصیلات دی ہیں ہر مسئلہ کو قرآن و سنت اور اقوال علماء سے واضح کیا ہے۔

۲۹۔ عون الباری لحل ادلة البخاری۔ علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن احمد الزبیدی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ نے بخاری شریف کی تلخیص لکھی جس کا نام التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح رکھا تھا۔ انہوں نے ۸۸۹ھ میں کتاب مکمل کی جو مختصر الزبیدی کے نام سے معروف ہے۔ اس مختصر کتاب کی کئی شروحات ہیں لیکن سب سے افضل و اجل عون

الباری..... ہے جو نواب صدیق حسن خانؒ نے لکھی ہے۔ عون الباری نواب صاحب کی زندگی میں سب سے پہلے نیل الاوطار کے حاشیہ پر طبع ہوئی۔

عون الباری میں نواب صاحبؒ نے مسائل کو بہت واضح و مدلل انداز میں حل کیا ہے مشکلات کی توضیح بھی کی ہے افراط و تفریط سے بھی گریز کیا ہے۔

علامہ زبیدی، حدیث پہلے مقام پر درج کرتے ہیں، البتہ اگر دوسرے، تیسرے مقام پر متکرر حدیث سے ایسا فائدہ حاصل ہو جو پچھلے مقام پر نہیں ہوایا اضافہ ہو تو زبیدی صاحبؒ اسے دوبارہ بھی ذکر کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ وہ تحریر کرتے ہیں ”وإذا أتى الحديث المتكرر اثبته في أول مرة وان كان في الموضوع الثاني زيادة فيها فائدة ذكرتها والا فلا.....“ البتہ نواب صاحبؒ نے شرح میں متکرر حدیث کی نشاندہی کر دی ہے۔ مثلاً:

(۱) (عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وحوله عصابة من اصحابه بايعوني على ان لا تشرکوا بالله شيئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادكم ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم ولا تعصوا في معروف فمن وفى منكم فأجره على الله ومن اصاب من ذلك شيئا فعوقب به في الدنيا فهو كفارۃ له ومن اصاب من ذلك شيئا ثم ستره الله فهو الى الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه فبايعناه على ذلك.)

نواب صاحبؒ لکھتے ہیں:

(وحدیث الباب رجال اسنادہ کلہم شامیون، وفيہ التحديث والاخبار والعننہ. وفيہ رواية قاضی عن قاضی ابو ادريس وعبادة وروايته من رآه عليه الصلاة والسلام عن راه لان ابا ادريس له رؤية اخرجہ البخاری ایضا فی المغازی والاحکام وفي وفود الانصار وفي الحدود، ومسلم فی الحدود ایضا، والترمذی، والنسائی والفاظہم مختلفة.) (۸)

معلوم ہوا کہ نواب صاحبؒ لطائف الاسناد کے بھی ماہر تھے اور ساتھ ساتھ حدیث کی مکمل تخریج بھی کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نواب صاحب ایک محقق اور مجتہد بھی تھے۔



(۲) (عن أبی سعید الخدری انه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
يوشك ان يكون خير مال المسلم غنما يتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر يفر  
بدينه من الفتن)

اس پر بحث کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں:

”اسناد رجال هذا الحديث كلهم مدنيون وفيه صحابي يروى عن  
صحابي وهو من افراد البخارى عن مسلم وقد رواه ايضا البخارى فى  
الفتن والرفاق وعلامات النبوة، كتاب الفتن اليق المواضع به.“  
عون البارى میں نواب صاحب نے تشریح کے لیے درج ذیل اُسلوب اختیار کیا ہے مثلاً حدیث:  
عن انس ان زيد بن ثابت حدثه انهم تسحر وامع النبى صلى الله عليه وسلم ثم  
قاموا الى الصلوة، قلت كم كان بينهما؟ قال: قدر خمسين او ستين يعنى آية.  
الشرح

وعن انس بن مالك (رضى الله عنه) ان زيد بن ثابت الانصارى رضى الله عنه  
(حدثه) اعنى انسا (انهم) اى زيدا واصحابه (تسحروا) اى اكلوا السحور وهو ما  
يؤكل فى السحر، اما بضم فهو اسم لنفس الفعل.  
(مع النبى صلى الله عليه وسلم ثم قاموا الى الصلوة) اى صلاة الصبح قال انس  
(قلت) لزيد (كم كان بينهما) اى بين السحور والقيام الى الصلوة، (قال) زيد (قدر)  
قراءة (خمسين او ستين آية) استدلل به البخارى على ان اول وقت الصبح طلوع  
الفجر، لأنه وقت الذى يحرم فيه الطعام والشراب، والمدة التى بين الفراغ من  
السحور والدخول فى الصلوة وهى قراءة خمسين آية او نحوه قدر ثلث ساعة، ولعلها  
مقدار ما يتوضا فاشعر بذلك بأن أول وقت الصبح اول ما يطلع الفجر. وفيه انه صلى  
الله وسلم كان يدخل فى صلاة الصبح بغلس ورواته الخمسة بصريون. وفيه التحديث  
والعننه والقول. ورواية صحابى عن صحابى، وأخرجه البخارى فى الصوم وكذلك  
مسلم والترمذى والنسائى وابن ماجه. (۹)

عون الباری کے ناشریوں تبصرہ کرتے ہیں:

”ونجتزى بالإشارة إلى هذا الشرح لب اللباب، وأنه جنى كتب وشروح  
للبخارى متعددة، لا سيما فتح البارى وإرشاد السارى بل هو مستل منه  
بالإضافة إلى نقول كثيرة من كتب القاضى الشوكانى والامير الصناعى  
وامثالهما ممن يعتمد الشارح.“ (۱۰)

مقدمہ عون الباری میں نواب صاحب مزید ارشاد فرماتے ہیں:

”وقد سلكت فى هذا الشرح طريق الانصاف وتجنبت مسلك  
الاعتساف عند تراحم الاختلاف، فدونك شرحا يشرح الصدور،  
ويمشى على سنن الدليل، وان خالف الجمهور، اضاءت بهجته،  
فاختفت منه كواكب الدرارى، كيف لا وقد فاض عليه الانوار من فتح  
البارى واشرق عليه من هذا الجامع المبارك نوره اللامع وصدع  
خطيبه بحججه القاطعة القلوب والمسامح.“ (۱۱)

(۳۰) السراج الوهاج من كشف مطالب صحيح مسلم بن الحجاج

نوب صاحب نے ملخص صحيح مسلم للحافظ عبدالعظيم بن عبدالقوى المنذرى کی شرح  
لکھی جس کا نام السراج الوهاج رکھا۔ نواب صاحب مقدمہ الكتاب میں لکھتے ہیں: کہ مجھے یہ تلخیص  
مولانا بن عبدالعزیز جعفری کی عنایت سے ملی جو بھوپال مچھلی شہر کے قاضی تھے۔ یہ دو ضخیم جلدوں پر مشتمل  
ہے۔ علامہ ناصر الدین البائی نے اس شرح کی تعریف کی ہے۔ نواب صاحب ”قلت“ کہہ کر اپنی رائے  
کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

السراج الوهاج كوالشئون الدينية قطر نے بھی شائع کیا ہے۔ تحقیق عبدالنواب ہیکل اور  
عبداللہ بن ابراہیم الانصاری کی ہے۔

السراج الوهاج میں معتدل و متوازن انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی شرح کے لیے امام  
نووی کی شرح مسلم اور دوسری کتب احادیث سے بھی استفادہ کیا ہے، نواب صاحب متوسط شرح کرنے  
کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولو لا ضعف البينة وقصر الهمة وقلة الرغبة لقله الطلبة للمطولات  
لبسطته لا يخل ولا يمل، وخير الكلام ما قل و دل (۱۲)  
نواب صاحب "مقدمة الكتاب" میں لکھتے ہیں کہ علم کے ساتھ مشغول ہونا افضل ترین اطاعت اور  
قرب الہی کا ذریعہ ہے اور انواع خیر میں سے اہم ترین خیر ہے اور نہایت اہم عبادت ہے۔  
آپ نے احادیث نبویہ کے علوم کو افضل ترین علم قرار دیا ہے جن میں اسانید کی معرفت، متون  
سے واقفیت اور علوم حدیث سے روشناس ہونا ہے۔ لہذا مفتیان دین متین و مجتہدین و فقہاء کے لیے  
ضروری ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے عالم اور عامل ہوں۔ (۱۳)

نواب صاحب نے ہمیشہ حدیث صحیحہ کی روشنی میں اپنی رائے پیش کی: مثلاً  
(۱) باب إذا أقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة کے تحت لکھتے ہیں: وهذا نص  
في هذه المسألة ويدل له الرواية الأخرى عند مسلم عن عبد الله بن مالك بن  
جهينة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر برجل يصلي وقد قيمت صلوة الصبح  
فقال يوشك ان يصلي أحدكم الصبح أربعاً.

امام نووی کا حوالہ دیتے ہوئے نواب صاحب فرماتے ہیں:

فيه النهى الصريح عن افتتاح نافلة بعد اقامة الصلوة سواء كانت راتبة أو  
غيرها قال: وهذا مذهب الشافعي والجمهور، وقال ابو حنيفة يصلي  
سنة الصبح ما لم يخش فوت الركعة الثانية وقال الثوري ما لم يخش  
فوت الركعة الأولى

ان تمام اقوال کے بعد نواب صاحب فرماتے ہیں:

ظاهر الحديث الصحيح عند مسلم و احمد و اهل السنن وغيره ان  
الخروج واجب اذا سمع إقامة الصلوة، وهي قول المؤذن قد قامت  
الصلوة، هذا هو المراد وإن كان المراد القيام الى الصلوة كان الواجب  
عليه اذا عين قيامهم إلى الصلوة أن يخرج لأن ظاهر قوله صلى الله عليه  
وسلم فلا صلاة ذات نفس الصلوة الشرعية (۱۴)

۲۔ اس طرح نواب صاحب ”باب فی الوتر و رکعتی الفجر“ میں صحیح مسلم کی حدیث ابن عمر ”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل مثنی مثنی و یوتر برکعة“ کے متعلق لکھتے ہیں:

فیہی دلیل علی ان اقل الوتر رکعة وان الركعة الفردة صلوة صحيحة وهذا مذهب الجمهور وقال ابو حنيفة: لا يصح الايتار بواحدة ولا تكون الركعة الواحدة صلوة قط والاحاديث الصحيحة ترد عليه منها حديث عائشة رضی اللہ عنہا ویوتر منها بواحدة (۱۵)

۳۔ مسجد میں نماز جنازہ کے بارے میں شرح مسلم میں امام نووی نے باب باندھا ہے۔ ”باب الصلوة علی الميت بالمسجد“ اس پر نواب صاحب نے امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مذہب ”لا تصح الصلوة علی الميت فی المسجد“ بیان کیا ہے اور مدلل انداز میں ثابت کیا ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔ نواب صاحب نے آخر میں ”قلت“ کہہ کر لکھا ہے ”وہو الذی تدل له الادلة كقوله عليه الصلوة والسلام ”إن المؤمن لا ینجس“ وقول أبی بکر“ ”طبت حیا و میتا“ و حدیث الباب رواہ مسلم بطرق مختصراً ومطولاً وهو حجة علی مانع هذه الصلوة فی المسجد“ (۱۶)

۴۔ باب فرض الصلوة رکعتین، رکعتین کے عنوان کے تحت حضرت عائشہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں:

لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جمیع أسفاره الا القصر ذلك فی الصحیحین وغیرہما وأظهر الادلة علی الوجوب حدیث عائشة هذا وهو فی البخاری ایضاً وفيه أخبار بأن صلوة السفر اقرت علی ما فرضت علیہ فمن زاد فیها فهو کمن زاد علی أربع فی صلوة الحضر. (۱۷)

۵۔ نواب صاحب ”طلاق ثلاثة فی مجلس واحدة“ کے حدیث ابن عباس کی روشنی میں فرماتے ہیں:

”ظاهر الحدیث فی هذه المسألة ما ظاہریة وهو صریح صحیح فی

الدلالة على المقصود وأما تأويله بما أوله فلا ضرورة تدعو إليه ولا إليه حاجة ولا حجة فيما قال عمر أو فعل إنما الحجة فيما كان في عصر النبوة بمراى ومسمع ومن حضره الرسول صلى الله عليه وسلم ودرج عليه أبو بكر الصديق في زمنه وعمر نفسه في صدر ما رته وقد بين عذره في هذا الحديث.

فهذا الحق ليس به خفاء فدعنى عن بنيات الطريق (١٨)

٦- باب مثل من يقرأ القرآن ومن لا يقرأه کے تحت امام نووی نے عنوان بنایا ہے۔ ”باب فضيلة حافظ القرآن عن ابى موسى الاشعري قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم“ مثل المؤمن الذى يقرأ القرآن مثل الاترجة.....(الخ) اس مسئلہ میں امام نووی پر نقد کرتے ہوئے نواب صاحب اپنی رائے لکھتے ہیں ”ليس في هذا الحديث“ ذكر حفظ القرآن، بل الذى فيه فضيلة قراءته وهى اعم من ان تكون بالنظر فى المصاحف او على الحفظ، بل بالنظر اولى لزيادة اجر النظر، مع اجر التلاوة. (١٩)

٣١. الحطة فى ذكر الصحاح الستة۔ نواب صدیق حسن خان، اسلامى اداوى اردو بازار، ١٩٤٤م، صفحات ٣١٢

یہ کتاب فاتحہ کتاب، پانچ ابواب اور خاتمہ کتاب پر مشتمل ہے۔ فاتحہ کتاب میں دو فصول ہیں۔ فصل اول فضيلة العلم و العلماء پر مشتمل ہے اور فصل دوم میں علم حدیث اور محدثین کی فضیلت مفصلاً بیان کیا گیا ہے۔

باب اول کے تحت چار فصول ہیں۔ ان کے اندر معرفۃ الحدیث، ابتدائی دور میں حدیث اور انواع کتب حدیث پر مفصل تعارف دیا گیا ہے۔

باب دوم کا عنوان فی فروع علم الحدیث و ذکر الکتب المصنفة فیہا، یہ باب سترہ (١٤) فصول پر مشتمل ہے ان میں اہم عنوانات یہ ہیں۔ علم الحدیث روایۃ و درایۃ علم الناسخ و المنسوخ، علم تلفیق الحدیث، علم الادعیۃ و الاوراد، علم طب النبى، علم متن الحدیث، علم رموز الحدیث اور علم وضع الحدیث۔

باب سوم یہ باب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے، عنوانات یہ ہیں۔ طبقات کتب الحدیث، احادیث الاحکام، ضبط الحدیث و درسه و تحمله، فقہ المحدث، قلة علم الحدیث فی ارض الہند۔

باب چہارم آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتب احادیث صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور مسند امام اعظم احمد بن حنبل کا مفصل تعارف پیش کیا گیا ہے۔  
باب پنجم سات فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس میں مذکورہ بالا کتب احادیث کے مؤلفین (مرتبین) کا مفصل تعارف پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بہت ہی مفید اور معلومات افزا ہے۔ جزاء اللہ خیر الجزاء خاتمہ

نواب صدیق حسن خان کے حالات دینی و علمی کارناموں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نواب صاحب ہر میدان کے شہسوار تھے۔ بالخصوص علم حدیث کو اپنی زندگی کا شعار بنایا۔ صحیح بخاری (تلخیص) کی پانچ (۵) مجلدات پر مشتمل شرح لکھی ہے اور اس طرح صحیح مسلم (تلخیص) کی گیارہ (۱۱) مجلدات پر مشتمل تشریح و توضیح بھی ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس طرح بلوغ المرام (اپنی حجر عسقلانی مؤلف) کی شرح بھی قابل ذکر ہے۔ ان کی شروحات میں انہوں نے بہت اعلیٰ و ارفع معیار قائم کیا ہے۔ صحیح احادیث سے استدلال کیا ہے۔ کتاب و سنت کے مقابلہ میں کسی کی ذاتی رائے کو ہرگز قبول نہیں کیا۔

اصول حدیث میں منہج الوصول الی اصطلاح حدیث الرسول تالیف کی جو سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے۔ بہت ہی معیاری اور تمام مباحث کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نواب صاحب کو درایت الحدیث پر عبور حاصل تھا۔

تاریخ الحدیث پر نمائندہ کتاب کتاب الحطة فی ذکر الصحاح الستة ہے۔ جس میں اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور صحاح ستہ اور دیگر اہم کتب کا جامع تعارف پیش کیا ہے۔



## حوالے و حواشی

- ۱۔ علی حسن خان سید، مآثر صدیقی، ۲/۹۳، ۹۴
- ۲۔ صدیق حسن خان، قضاء الارب من مسئلة النسب، ۱۴۵، ۱۴۶
- ۳۔ ابجد العلوم، ۳/۲۷۱؛ نزہة الخواطر، ۸/۱۷۸؛ التاج المکمل، ۵۳۶؛ ابقاء المنن، ۱۲۸
- ۴۔ مآثر صدیقی، ۲/۳۶
- ۵۔ ایضاً، ۲/۲۲-۳۳
- ۶۔ ایضاً، ۲/۷۲
- ۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامی، جامعہ پنجاب لاہور، ۱۲/۱۰۵
- ۸۔ عون الباری لحل ادلة البخاری، ۱/۱۱۳، دار الرشید، سوریا ۱۹۸۳ء
- ۹۔ عون الباری، ۱/۶۵۶
- ۱۰۔ مقدمة عون الباری
- ۱۱۔ مقدمة عون الباری
- ۱۲۔ مقدمہ السراج الوہاج
- ۱۳۔ مقدمة السراج الوہاج
- ۱۴۔ السراج الوہاج، ۲/۲۸۴
- ۱۵۔ السراج الوہاج، ۳/۸۶
- ۱۶۔ ایضاً، ۳/۳۳۷
- ۱۷۔ ایضاً، ۲/۱۳۲
- ۱۸۔ ایضاً، ۵/۳۳۴
- ۱۹۔ ایضاً، ۱۱/۵۸۹-۵۹۱

## تالیفاتِ اساتذہ

### شعبہ علوم اسلامیہ

- |                               |  |   |
|-------------------------------|--|---|
| پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی       | انسانِ کامل (نیا ایڈیشن)   | ❖ |
| پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی       | حفاظتِ حدیث (نیا ایڈیشن)   | ❖ |
| حافظ عثمان احمد               | اضطراب (شعری مجموعہ)   | ❖ |
| پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر | استحکام مملکت اور بد امنی کا انسداد<br>(تعلیمات نبوی کی روشنی میں) | ❖ |
| پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر | مریض کا علاج اور تیمارداری اسلام کی نظر میں                        | ❖ |





## ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی کی خدمات حدیث

پروفیسر ڈاکٹر خالد ظفر اللہ \*

محدث دوراں محمد شمس الحق بن امیر علی ڈیانوی عظیم آبادی ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ / جولائی ۱۸۵۷ء میں رمنہ محلہ عظیم آباد (پٹنہ) صوبہ بہار، ہندوستان میں پیدا ہوئے اور بعارضہ طاعون بعمر ۵۴ سال ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ / ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو اپنی بستی (ڈیانواں) میں اعزازی شہادت پائی۔ آپ کا خاندان ڈیانواں (پٹنہ) کا ایک رئیس خاندان تھا۔ مال و دولت کی ثروت کے ساتھ علم کی دولت اور نادر و نایاب کتب حدیث و رجال کی جمع و اشاعت میں دلچسپی کی بناء پر آپ نے خوب مال خرچ کر کے ایک عظیم کتب خانہ تیار کیا۔ جو کہ مشہور زمانہ بانکی پور، پٹنہ (بہار) کے کتب خانہ کے بعد اہل علم کا مرجع و مرکز تھا۔

آپ نے مولوی عبدالحکیم شیخوپوری (۱۲۹۵ھ)، مولانا لطف العلی بہاری (۱۲۹۶ھ)، شیخ فضل اللہ بن نعمت اللہ لکھنوی (۱۳۱۱ھ)، علامہ بشیر الدین عثمانی قنوجی (۱۲۹۶ھ) جیسے اساتذہ سے استفادہ کرنے کے بعد اوائل محرم ۱۲۹۵ھ میں دہلی شیخ الکل سید نذیر حسین المعروف میاں صاحب محدث دہلوی (۱۳۲۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آخر محرم ۱۲۹۶ھ میں میاں صاحب سے سند حدیث حاصل کر کے واپس آگئے۔ ۶ سال بعد ۱۳۰۲ھ میں دوبارہ میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دوسری سند حدیث لے کر ۱۳۰۳ھ میں ڈیانواں تشریف لائے۔ دو مرتبہ کے قیام دہلی میں میاں صاحب سے ترجمہ قرآن مجید، تفسیر جلالین، صحاح ستہ، مؤطا امام مالک،

\* گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، گوجرہ

سنن دارقطنی، سنن دارقطنی اور شرح نخبۃ الفکر (نزہۃ النظر) سبقاً سبقاً پڑھی اور فتاویٰ جات بھی قلم بند کرتے رہے۔

قیام دہلی میں شیخ حسین بن محسن السبعی الانصاری الخزرجی الیمانی (۱۳۲۷ھ) سے صحاح ستہ کے اطراف پڑھ کر عام اجازت حاصل کی۔ ۱۰ رجب ۱۳۱۱ھ میں فریضہ حج کی ادائیگی کے سلسلہ میں حجاز تشریف لے گئے اور ۱۰ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ کو وطن واپس آئے۔ ۶ ماہ کے قیام میں فریضہ حج کی ادائیگی کے علاوہ مندرجہ ذیل شیوخ سے علم حدیث میں استفادہ کیا۔ علامہ خیرالدین ابی البرکات نعمان بن محمود آلوسی (۱۳۱۷ھ)، علامہ عبدالعزیز بن صالح الحسنبلی الشرفی من رجال طیبی (۱۳۲۳ھ)، علامہ محمد بن سلیمان "شیخ حسب اللہ" شافعی مالکی الخطیب المدرس بالمسجد الحرام (۱۳۳۵ھ)، علامہ عبد الرحمن بن عبد اللہ السراج الحنفی الطائفی (۱۳۱۵ھ)، شیخ احمد بن احمد ابن علی المغربی التونسی المکی (۱۳۱۴ھ)، شیخ ابراہیم بن احمد بن سلیمان المغربی المکی (?)، شیخ فالح بن محمد بن عبد اللہ ظاہری مہناوی مالکی مدنی (۱۳۲۸ھ)، شیخ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ حنبلی شرفی نجدی (۱۳۲۹ھ)۔

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد وطن واپسی پر تدریس و تالیف کا آغاز کیا۔ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں آپ کی تیس سے زائد تصانیف کا مختلف حوالوں میں ذکر پایا جاتا ہے۔ لیکن عمر عزیز کا غالب حصہ آپ نے خدمت حدیث میں صرف کر دیا۔ علاوہ ازیں مولانا عبدالرحیم صادق پوری (۱۹۲۳ء) کے پٹنہ میں قائم کردہ "مدرسہ اصلاح المسلمین" کی تاسیس ۱۳۰۸ھ سے لے کر ایک عرصہ تک ناظم رہے۔ مولانا ابراہیم آروی (۱۳۱۹ھ) کے مدرسہ "الاحمدیہ" (صوبہ بہار) کے ساتھ آپ کا گہرا تعلق رہا اور اس کے اہم انتظامی رکن تھے۔ ندوۃ العلماء، لکھنؤ کی بھی مالی طور پر اور کتب کے ذریعے خوب مدد کیا کرتے تھے۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد، دکن کے رکن رکیں تھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی تاسیس میں بھی خاص کردار ادا کیا۔ تاحیات اس کے رکن رہے۔ اپنی وفات تک اس کے خازن تھے (۱)

### خدمات حدیث

آپ کی حیات مستعار خدمت حدیث کیلئے وقف دکھائی دیتی ہے۔ ایک رئیس زادے ہونے کے باوجود تحمل الحدیث، تدریس و تالیف حدیث، جمع و تحقیق کتب حدیث اور نشر و اشاعت حدیث

کا ذوق غالب رہا۔ آپ کی خدمات حدیث کا تین طرح سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

ا۔ تدریس حدیث

ب۔ نادر و نایاب مخطوط و مطبوعہ کتب حدیث و رجال کی جمع و اشاعت

ج۔ مولفات حدیث و علم حدیث

ا۔ تدریس حدیث

حرمین شریفین سے واپسی کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور ایک دینی مدرسہ بنام "دار الحدیث" کی بنیاد رکھی۔<sup>(۲)</sup> شائقین علم، طالبین حدیث نبوی آپ کے پاس حاضر ہوتے رہتے تھے۔ علوم الحدیث میں اس قدر بلند مقام تھے اور "حدیث" میں یہ پایہ تھا کہ عرب، عسیر، بغداد، عمان، نجد، فارس اور مغرب سے طلباء استفادہ کے لئے آتے تھے۔<sup>(۳)</sup>

جناب ابو الحسنات عبدالشکور ندوی کے بقول تمام عمر خدمت علم حدیث میں بسر کر گئے۔ "تخصیص حدیث کے لئے آپ کے ہاں اکثر مدنی، یمنی اور نجدی عرب طلباء آتے تھے۔"<sup>(۴)</sup> ان عرب طلباء کے ناز و نخرے بھی برداشت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے بگڑنے پر ان سے معذرت کرتے، نقد روپوں سے اعانت کرتے، کتابوں کا ہدیہ پیش کرتے۔ یہ رویہ آپ کے عامل و خادم حدیث ہونے کی عمدہ ترین مثال تھا۔ فقوائے حدیث تبسمک فی وجہ اخیک صدقہ<sup>(۵)</sup> کبھی آپ کی پیشانی پر بل نہیں آیا بلکہ ہمیشہ ہر حال میں مذکورہ حدیث مبارکہ کا منظر ہوتے تھے۔

ب۔ نادر و نایاب کتب حدیث کی جمع و اشاعت

برصغیر پاک و ہند میں کتب حدیث و رجال میں سے نادر الوجود قلمی و مطبوعہ کتابیں آپ نے زر کثیر صرف کر کے خرید کر اپنے ذخیرہ کتب میں جمع کیں۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ایک عرب "مسند ابو عوانہ" لائے۔ مولانا مطالعہ میں مشغول تھے فرط انبساط سے بے خود ہو کر اچھل پڑے اور پوچھا کیا قیمت ہے؟ عرب نے جو قیمت بتائی اس سے زائد ہی دی۔<sup>(۶)</sup>

آپ بلا تکلف پرانے مخطوط اور ان کے عربی رسم الخط پڑھتے تھے۔ اور اہل علم کے استفادے کے لئے ان کے دروازے کھول دیتے تھے۔ علاوہ استفادہ کے قیمتی سے قیمتی کتاب بھی عاریتاً دینے سے گریزاں نہیں ہوا کرتے تھے۔ بلکہ حتی المقدور کوشش کر کے اہل علم کو ان کی ضرورت کی کتابیں مہیا

کرنے میں مدد و معاون ہوا کرتے تھے۔ اپنے ذخیرہ کتب میں کسی کتاب کا ایک سے زائد نسخہ جمع ہونے پر کسی صاحب ذوق کے طلب کرنے پر ہدیتاً پیش خدمت فرماتے۔ قلمی کتب کے علاوہ بیروت، مصر، جرمن، فرانس، انگلینڈ، لیڈن اور ہندوستان وغیرہ کی مطبوعہ کتب بھی آپ کے کتب خانہ کی زینت ہوا کرتی تھیں۔ ابنائے زمانہ کی ناقدری دیکھیے، ۴۷-۱۹۴۶ء کے ہنگام آزادی میں آپ کے مکان میں پناہ گزین لوگوں نے بعض کتب جلا کر اپنے چولہے گرم کئے۔ ایسے عظیم الشان کتب خانے کا یہ انجام کتنا درد ناک ہے۔ پھر بھی جو بچ گئیں وہ کم اہم نہ تھیں۔ یہ بچی کھچی کتابیں مشرقی کتب خانہ بانکی پور (خدا بخش لائبریری پٹنہ) میں داخل کر دی گئیں۔ یہ حصہ ڈیانواں کلکشن کے نام سے اب تک محفوظ ہے۔

علامہ ڈیانوی کے ذوق کتب اور قائم کردہ کتب خانے کی بدولت نادر کتب ارباب علم و فضل کے لئے نظر نواز ٹھہریں۔ جو کہ اس وقت تک زیادہ تر غیر مطبوعہ تھیں۔ ان میں سے چند ایک نام پیش خدمت ہیں۔

معالم السنن للخطابی، التقاسیم والانواع المعروف بفتح ابن حبان، ثقات ابن حبان، فوائد الشریعہ (اخوان قاسم ولایتی)، کشف الاستار من زوائد مسند الزاری، کشف الحثیث عن رمی بوضع الحدیث (برہان الدین ابو الوفاء سبط ابن العجمی (۸۴۱ھ)، کتاب الشفاء للقاضی عیاض، ذخائر الموارث فی الدلالة علی مواضع الاحادیث للنابلسی، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی، تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف للمزی، کتاب التذکرہ فی علم الحدیث لابن الملقن، لوامع النجوم المتضمن من شمس العلوم لابن سعید حمیری، مقدمہ فتح الباری، النہایۃ لابن اثیر، الحرز الثمین شرح حصن حصین لعلی القاری، تیسیر الوصول الی جامع الاصول فی حدیث الرسول لابن الدبیج الشیبانی، فتح الباری (مکمل خط قدیم وعتیق)، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایۃ، تفسیر بحر مواج للقاضی شہاب الدین دولت آبادی، تہذیب سنن ابی داؤد لابن القیم، عینی شرح بخاری علی ہذا القیاس اس دور کے مطابق بہت سی نادر و نایاب کتب حدیث، شروحات حدیث، اصول حدیث، رجال حدیث، تفسیر، فقہ، لغت وغیرہ میں آپ نے جمع کر رکھی تھیں۔ (۷)

مولانا ابوالقاسم سیف بناری نے آپ کے کتب خانے میں حسب ذیل نادر و نایاب کتابیں دیکھیں:

- ۱۔ مختار مختصر تاریخ بغداد ۲۔ مسند حمیدی ۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ کامل

- ۴۔ مسند عبد بن حمید  
 ۵۔ مسند بزار ناقص  
 ۶۔ معرفۃ السنن والآثار للبیہقی  
 ۷۔ صحیح ابن حبان  
 ۸۔ ابن عبد البر  
 ۹۔ صحیح ابو عوانہ جس پر امام ذہبی کے دستخط ثبت ہیں (۸)

ایک طرف بطور نمونہ مذکور بالا چند ایک نادرونایاب اور قلمی و مخطوط کتب کی آپ کے کتب خانے میں آمد ہوئی اور ارباب ذوق کی ان کتب تک رسائی ممکن ہوئی۔ دوسری طرف آپ کے ذوق نشر و اشاعت کی بدولت درج ذیل قدیم و نادرونایاب کتب حدیث و رجال کی پہلی بار دنیا میں یا کم از کم برصغیر پاک و ہند میں اشاعت رو بہ عمل ہوئی۔

چنانچہ سنن دارقطنی پہلی بار آپ کی تعلیقات کے ساتھ ۱۳۱۰ھ میں مطبع الفاروقی، دہلی سے طبع ہوئی۔ حجازی سائز میں یہ طبع دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ المجلد الاول، کتاب الطہارۃ سے کتاب الصیام ۲۵۳ صفحات تک اور المجلد الثانی صفحہ ۲۵۴ سے صفحہ ۵۵۰ تک، کتاب الحج سے کتاب السبق بین الخیل پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ کے بالائی حصہ پر متن کتاب اور زیریں حصہ پر علامہ عظیم آبادی کا تحریر کردہ حاشیہ بنام "التعلیق المغنی" موجود ہے۔

رجال مؤطا سے متعلق علامہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) کی کتاب "اسعاف المبطاء برجال المؤطا" بھی پہلی مرتبہ محدث ڈیانوی ہی کی تعلیقات کے ساتھ ۱۳۲۰ھ میں منظر عام پر آئی۔ محدث ڈیانوی کی مفصل شرح سنن ابی داؤد بنام غایۃ المقصود کے حاشیہ پر امام ابن قیم (۷۵۱ھ) کی "تہذیب السنن" اور علامہ منذری (۶۵۶ھ) کی "تلخیص السنن" بھی پہلی بار آپ کے کتب خانہ کے نسخوں سے شائع ہونا شروع ہوئی۔

امام بخاری (۲۵۶ھ) کی خلق افعال العباد، علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) کی "کتاب العلو" بھی آپ ہی کے کتب خانہ کے اصل نسخوں کے مطابق پہلی بار آپ کی تحقیق انیق "اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر" کے ساتھ ۱۳۰۶ھ میں مطبع الانصاری دہلی سے طبع ہوئیں۔

امام بخاری کی التاریخ الصغیر، الضعفاء الصغیر اور امام نسائی کی "کتاب الضعفاء و المتروکین" بھی آپ ہی کی توجہ خاص سے پہلی بار طبع ہوئی۔ مطبع الخلیلی شاہ آباد، آرہ ۱۳۰۶ھ میں پہلی بار طبع ہونے والی "الادب المفرد" للبخاری پر آپ کے نوٹس موجود ہیں۔

"تلخیص الحبیر" لابن حجر کی طباعت کا پہلی بار انتظام مولانا تطف حسین نے آپ ہی کے حکم سے کیا۔ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن سے "تمہذیب التہذیب" اور "تذکرۃ الحفاظ" آپ ہی کے مشورہ سے طبع ہوئی۔ آخری ایام میں علامہ سمعانی (۵۶۲ھ) کی "الانساب"، حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) کی "لسان المیزان" اور ابن عبدالبر کی (۴۶۳ھ) "التمہید" کا ارادہ فرمایا تھا۔

ج۔ مؤلفات فی الحدیث وعلومہ

غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد

محدث ڈیانوی کا یہ سب سے عظیم تصنیفی شاہکار ہے۔ جسے خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) کی سنن ابی داؤد کی کردہ تقسیم کے مطابق ۱۳۲ اجزاء میں مکمل ہونا تھا۔ بعض سوانح نگاروں کے مطابق آپ کی عمر نے وفات کی اور یہ شرح نامکمل رہی۔ جیسا کہ صاحب قاموس المشاہیر نے لکھا ہے کہ "دس پارے لکھ چکے تھے"۔ (۹)

جبکہ محمد عزیز شمس صاحب کے نزدیک اکیس پارے تک مکمل کر پائے تھے۔ لکھتے ہیں "عون المعبود" میں کئی جگہ غایۃ المقصود کا حوالہ آیا ہے۔ آخری باری تیسری جلد کے اندر "باب فی الدعاء للمیت اذا وضع فی قبرہ" (جو سنن ابی داؤد کے اکیسویں پارے میں ہے) میں غایۃ المقصود کا ذکر ہے۔ اس کے بعد پھر کہیں اس کا حوالہ نہیں آیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غایۃ المقصود کی شرح کم از کم اکیس پارے تک مکمل ہو چکی تھی"۔ (۱۰)

محدث ڈیانوی کے پڑپوتے جناب محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کے خیال میں تکمیل کر چکے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ "عون المعبود" میں "غایۃ المقصود" کا آخری حوالہ کتاب الادب، باب لا یقول المملوک ربی وربتی میں آتا ہے۔ "قلت هذا الجمع والتوفیق لیس بقوی وفیہ وجوہ آخر فیطلب من غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد" (۱۱) جس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ علامہ موصوف نے "غایۃ المقصود" کی تکمیل اپنی زندگی میں کر لی تھی۔

مولانا ابوسلمہ شفیع بہاری نے بھی غایۃ المقصود مکمل ہونے کا ذکر کیا ہے۔ "آپ کی گراں قدر اور بیش بہا تصانیف میں ابوداؤد کی چھوٹی بڑی دو شرحیں غایۃ المقصود اور عون المعبود ہیں۔ اول الذکر

بتیس جلدوں میں مکمل ہوئی مگر افسوس کہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی۔" (۱۲)

غایۃ المقصود کی صرف پہلی جلد یعنی پہلا پارہ شارح علیہ الرحمۃ کی حیات مستعار میں مطبع انصاری دہلی سے ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوا جو کہ ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ پہلی جلد کتاب الطہارۃ کے ۷۵ ابواب کی شرح پر مشتمل تھی۔ جس میں ۱۸۴ حدیثوں کی شرح و توضیح کی گئی ہے۔ جلد ہذا کے شروع میں ۱۸ صفحات پر پھیلا مقدمہ غایۃ المقصود ہے۔ اس کے حاشیہ پر ابن القیم کی "تہذیب السنن" اور امام منذری کی "تلخیص السنن" بھی شائع ہونا شروع ہوئی تھی۔ محدث ڈیانوی کی بعارضہ طاعون وفات حسرت آیات کے بعد مسودہ غایۃ المقصود حالات کی ستم ظریفی، ابنائے زمانہ کی ناقدری کے باعث بکمال محفوظ نہ رہا۔ عرصہ دراز تک اہل علم اس کی تلاش میں رہے آخر کار خدا بخش لائبریری (پٹنہ) سے اس کے تین اجزاء دستیاب ہوئے۔ جو کہ ۱۴۱۴ھ میں شیخ عبدالحمید نشاٹی (فیصل آبادی) کی مساعی جمیلہ سے تین جلدوں میں حدیث اکیڈمی، فیصل آباد سے طبع ہوئے۔

### خصوصیات غایۃ المقصود

غایۃ المقصود کے آغاز میں پایا جانے والا مقدمہ (۱۳) بلحاظ اپنے مشتملات اور معلومات نادرہ کے مستقل تالیف کی حیثیت رکھتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک معلوماتی اور قیمتی رسالہ ہے۔ جو امام ابو داؤد کے حالات و کمالات اور سنن کے متعلق مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ ان معلومات اور فوائد کو چھ (۶) لمعات میں تقسیم کیا ہے:

☆ اللمعة الاولى (ص ۲۷ تا ۳۲) میں سنن ابی داؤد کا مقام و مرتبہ اور امام ابو داؤد دکل سالہ مکبہ

☆ اللمعة الثانية (ص ۳۵ تا ۳۸) سوانح امام ابو داؤد

☆ اللمعة الثالثة (ص ۳۹ تا ۴۰) سنن ابی داؤد کے نسخے اور ان کے اختلافات

☆ اللمعة الرابعة (ص ۴۱ تا ۴۹) سنن ابی داؤد کی شروحات، تعلیقات اور تلخیصات

☆ اللمعة الخامسة میں (ص ۵۱ تا ۷۰) شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی اور قاضی

حسین بن محسن یمانی کا تذکرہ

☆ اللمعة السادسة (ص ۷۱ تا ۷۳) محدث عظیم آبادی نے مولف سنن ابی داؤد تک

اپنی سند بیان کی ہے۔

- حدیث کے رواۃ کا پہلی دفعہ ذکر آنے پر، راوی کا نام، کنیت، نسبت، لقب وغیرہ کی وضاحت کے ساتھ معلومات درج کی ہیں اسماء رواۃ کو بالحروف ضبط کیا ہے۔
- غرائب الحدیث، مشکلات الحدیث اور اماکن الحدیث کی مکمل طور پر توضیح کی گئی ہے۔
- اسناد حدیث یا متن حدیث میں واقع اضطراب کو بطریق احسن دور کیا ہے۔ بظاہر مختلف اور متضاد نظر آنے والی روایات میں وجہ تطبیق ذکر کی گئی ہے اور امام ابو داؤد کی مراد کی شرح کی گئی ہے۔
- ہر حدیث کی تخریج کے ساتھ ساتھ اس کی تصحیح و تضعیف کی گئی ہے۔
- حدیث کی شرح تفصیلاً کی ہے۔ اور فقہی و اختلافی مسائل میں فقہاء و مجتہدین کے مختلف فیہ اقوال و آراء کو مدلل بیان کیا ہے۔ احادیث صحیحہ ثابتہ سے راجح قول کی تعیین اور مخالف تاویلات کی بالتفصیل تردید زیر بحث لائے ہیں۔
- شروحات سنن ابی داؤد میں واقع خطاؤں کی نشاندہی کی ہے۔ راجح اور صائب رائے کو بادلائل ثابت کر کے ترجیح دی ہے۔ لیکن یہاں پر مذہبی تعصب کو آڑے نہیں آنے دیا۔
- آخر پر باب سے متعلق جملہ روایات اور ان کو بیان کرنے والے محدثین کا ذکر کرتے ہیں۔ جس میں ان روایات کی استنادی حیثیت واضح کرتے ہیں۔
- امام ابو داؤد کی تعلیق اور روایت کردہ احادیث کا دوسری کتب حدیث سے متصل اور مسند ہونا مع صحت و ضعف ذکر کیا ہے۔
- حدیث کی تصحیح و تضعیف اور ترجمۃ الباب سے عدم مناسبت اور اسی نوعیت کے دیگر اصولی و فنی مباحث میں امام ابو داؤد کے موقف سے اختلاف اور اس پر دلائل پیش کیے ہیں۔ (۱۴)
- اس شرح کی عظمت و جامعیت تسلیم کرتے ہوئے سنن ابی داؤد کے معاصر شارح شیخ خلیل احمد سہارن پوری (۱۵ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ) "بذل المجہود" کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:
- ..... حتی رایت جزاء واحدا من الشرح الذی الفہ الشیخ ابو الطیب شمس الحق المسمی بغایۃ المقصود فوجدتہ لکشف مکنوزاتہ کافلا و بجمیع مخزوناتہ حافلا فللہ درہ قد بذل فیہ وسعہ و سعی سعیه... (۱۵)



بقول شیخ سہارنپوری۔۔۔۔۔ غایۃ المقصود نامی شرح ابوداؤد کے پوشیدہ خزانوں کو کھولنے والی اور اسکے تمام جواہرات سے بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف پر اپنا کرم و فضل فرمائے۔ انہوں نے شرح کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس جامع شرح کی عظمت و افادیت کا اندازہ شیخ محمد منیر الدمشقی (۱۲۶۹ھ) کے اس قول سے عیاں ہے۔

"کل من جاء بعده من شیوخ الهند وغیرہ استمد من شرحه" (۱۶) جو کوئی بھی اس (شرح) کے بعد آیا وہ ہند یا بیرون ہند سے تعلق رکھتا ہو اس نے اس سے ہی مدد لی ہے۔

عون المعبود شرح سنن ابی داؤد

عون المعبود حقیقتاً محدث ڈیانوی کی زیر نگرانی منصہ شہود پر آنے والی تصنیف ہے۔ بعض ایڈیشن ان کے چھوٹے بھائی شیخ شرف الحق المعروف محمد اشرف عظیم آبادی (۱۳۲۶ھ) کے نام سے مطبوع ہیں۔ جس سے شبہ پڑتا ہے کہ شاید یہ تصنیف محدث ڈیانوی کی نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ شیخ شمس الحق نے اعزازاً اپنے چھوٹے بھائی کے نام اسے معنون کیا تھا۔ اور اپنے انتہائی عزیز کے نام معنون کرنے کی عادت اس سے پہلے نواب صدیق حسن خان قنوجی (۱۳۰۷ھ) کے ہاں بکثرت پائی جاتی ہے۔ مختلف گیارہ نسخوں کی مدد سے متن ابی داؤد کی تصحیح و تشریح میں تعاون و مدد میں شیخ شرف الحق سرفہرست تھے۔ اسی لئے تشریفاً ان کے نام معنون کرنا یا ان کی بعض عبارات بھی نقل کرنا آپ کی خصوصی عنایت ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ آپ کی تصنیف ہے جس کی نسبت آپ نے خود اپنی تصانیف کی طرف ہے۔ (۱۷) علاوہ ازیں صاحب نزہۃ الخواطر نے بھی واضح کیا ہے:

ومصنفاته غایۃ المقصود..... ومنها عون المعبود، شرح سنن ابی داؤد فی اربع مجلدات کبار، والمجلد الاول منها قد طبع باسم اخیه محمد اشرف، وهو ملخص من غایۃ المقصود..... (۱۸)

کتاب کے آخر پر تقاریظ اور امام خان نوشہروی کا تراجم علمائے حدیث ہند میں نیز اس کے مقدمہ میں سید سلیمان ندوی کا بھی اسے شیخ شمس الحق کی طرف ہی منسوب کرنا اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ شیخ شمس الحق کی تصنیف ہے۔ (۱۹)

مولانا ابوالحسن علی ندوی، بذل الجہود کی تقدیم میں:

العلامة المحدث الكبير شمس الحق الديانوي (م ۱۳۲۹ هـ)  
فبدأ في شرح محيط..... ولعل المؤلف قد شعر بان هذا العمل  
لا يتم في حياته فضيق دائرة التاليف، وصغر اطلال الكتاب  
واخرج الكتاب في اربعة اجزاء، و سماه "عون المعبود" و  
نسبه الى اخيه الشيخ محمد اشرف وهو من تاليفه حقيقة (۲۰)

علی سبیل التزلی زیادہ سے زیادہ یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ عون المعبود کی پہلی اور دوسری جلد مولانا شرف الحق ڈیانوی اور تیسری اور چوتھی جلد مولانا شمس الحق ڈیانوی کی تصنیف کہلانے کی مستحق ہے۔ تاہم اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ شیخ شمس الحق نے عون المعبود کی تصنیف کے وقت علماء کا ایک بورڈ بطور معاون تشکیل دیا تھا جس میں شیخ ابو عبد الرحمن شرف الحق المعروف محمد اشرف عظیم آبادی (۱۲۵۷ھ/۱۳۲۶ھ)، مولانا عبد الرحمن مبارکپوری (۱۳۵۳ھ)، صاحب تحفۃ الاحوذی، شیخ ابو عبد اللہ ادریس بن ابی الطیب ڈیانوی (۱۲۹۸ھ - ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء)، شیخ عبد الجبار بن نور احمد ڈیانوی (۱۳۱۹ھ)، شیخ قاضی یوسف ہزاروی (۱۳۵۲ھ) اور شیخ محمد شاہ جہانپوری (۱۳۲۰ھ) شامل تھے۔ (۲۱)

چار جلدوں پر مشتمل عون المعبود پہلی بار ۱۳۱۸ھ سے ۱۳۲۳ھ کے درمیان دہلی مطبع انصاری سے طبع ہوئی۔ اس کے بعد بیروت اور پاکستان سے اسی کے کئی ایک ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ مدینہ منورہ سے ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء میں مکتبہ سلفیہ کی طرف سے ۱۴ جلدوں میں طبع کی گئی۔ یہ طبع عبد الرحمن محمد عثمان کی ضبط و تحقیق کے ساتھ ساتھ ابن قیم کی شرح کو بھی بشمول ہے۔ لیکن اس میں بہت تصحیفات، تحریفات اور سقطات ہیں۔

سنن ابی داؤد کی یہ شرح دراصل غایۃ المقصود کا اختصار ہے۔ جو کہ غایۃ المقصود کی خوبیوں کی حامل ہے۔ تاہم اختلافی مسائل میں مصنف نے اس شرح و بسط سے کلام نہیں کیا جس قدر

غایۃ المقصود میں موجود ہے مگر بعض ضروری مقامات پر خاصی تفصیلاً بحث کی گئی ہے۔ مثلاً الجمعة فی القرى، مسئلۃ التطبيقات الثلاث، الصلاة علی المیت الغائب، تعلیم الکتابۃ للنساء، حدیث المجدد والتجدید وتحقیق معناه..... صاحب عون المعبود کا حدیث "ابدال الشام" قبول کرنا بڑا عجیب ہے۔ (۲۲)

عون المعبود میں ابوداؤد کے موجودہ نسخوں سے مقابلتاً تصحیح متن کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ آٹھ مخطوطہ اور تین مطبوعہ نسخوں (۲۳) کی مدد سے اور بعض روایات کے مطابق چودہ قدیم قلمی نسخوں کو پیش نظر رکھ کر تصحیح کا اہتمام کیا ہے۔ (۲۴)

- اس میں مختصر طور پر مشکلات وغرائب الحدیث کی وضاحت، مبہم عبارات اور مطالب کی عمدہ وضاحت و توضیح کے ساتھ بعض عبارات کی تراکیب بھی موجود ہیں۔

- مصنف کا تعلق عمل بالحدیث کے گروہ سے ہے۔ جن کو برصغیر پاک و ہند میں اہل حدیث کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس لئے اس شرح میں کسی خاص فقہی مذہب کی نمائندگی کی بجائے محدثانہ رنگ غالب ہے اور صحت و تائید مذہب کی بجائے احادیث کی صحت کی بنیاد پر صحیح رائے کو ترجیح کارنگ غالب ہے۔ اس میں اختلاف مذاہب میں ترجیح احادیث کی بجائے فقط معنی الحدیث کا اہتمام پیش نظر رکھا گیا ہے۔

- عصری مسائل و نظریات پر بھی فاضلانہ کلام کرتے ہیں۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعووں کا رد، فتنہ نیچریت کی تردید (۲۵)

### التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی

شیخ شمس الحق نے تین قدیم نسخوں کی مدد سے متن کی تصحیح کے بعد اپنے خرچ پر پہلی بار مطبع الفاروقی دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع کروائی۔ یہ بڑی تقطیع کے ۵۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں الجلد الاول ۲۵۳ صفحے تک اور الجلد الثانی ۲۵۴ سے شروع ہو کر تا آخر ہے۔ ۱۳۸۶ھ میں شیخ عبداللہ الہاشم المدنی کی (برائے نام) تصحیح سے چار جلدوں میں دارالمحاسن للطباعة، قاہرہ سے شائع کی گئی۔ مذکورہ بالا تصحیح کے نتیجے میں اس کے برعکس بہت سی اغلاط معرض وجود میں آگئی ہیں۔ کیونکہ شارح نے مختلف نسخوں کا جو مقابلہ یا دوسرا کام کیا تھا اس کو گڈڈ کر دیا ہے۔ اسی نسخہ کا عکس نشر السنہ، ملتان

(پاکستان) کی طرف سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ مگر اس پر سن طباعت درج نہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالحسن الترمذی کی توجہ خاص اور شیخ شعیب الارناؤط و دیگر کی تحقیق و تخریج کیساتھ "التعلیق المغنی" کی بہترین طباعت مؤسسۃ الرسالۃ (بیروت ۲۰۰۴ء) سے ہوئی۔ (۲۶)

کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ (ص ۲-۴) ہے۔ جس میں تین فصلیں ہیں۔ الفصل الاول میں امام دارقطنی کے حالات، الفصل الثانی میں رواۃ السنن اور نسخوں کا اختلاف اور الفصل الثالث میں شارح نے دارقطنی تک سلسلہ سند ذکر کیا ہے۔ جس میں شارح سے امام دارقطنی تک بیس رواۃ پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد التعلیق المغنی کا آغاز ہوتا ہے۔ ہر صفحہ کے بالائی حصہ پر سنن دارقطنی کا متن ترتیب سے نقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور زیریں حصہ پر التعلیق المغنی مسلسل درج ہے۔ جس میں رجال کی تحقیق، ضبط اسماء، اسانید کی تعلیل و تصحیح، احادیث کی تخریج، اماکن کی توضیح، غریب الحدیث کی تشریح، حسب ضرورت فقہی مباحث کافی شرح و بسط سے کرتے ہیں۔ (قولہ) سے شروع کر کے سنن کی تھوڑی سی عبارت لکھ کر پھر شرح کرتے ہیں، امام دارقطنی کی رجال پر جرح نقل کر کے دیگر آئمہ سے بھی نقل کر کے جرح و تعدیل کو بالکل واضح کرتے ہوئے راوی کی حیثیت کو نکھار کر پیش کر دیتے ہیں۔ اور جہاں امام دارقطنی نے کلام نہیں کیا وہاں خود دیگر آئمہ سے نقل کے بعد یہ فریضہ سرانجام دیتے چلے جاتے ہیں۔ التعلیق المغنی میں ان حواشی و تعلیقات کے بارے میں اختیار کردہ اپنے منہج کو یوں ذکر کرتے ہیں۔

اکتفی فیہا علی تنقید بعض احادیث و بیان عللہ و کشف بعض

مطالبہ علی سبیل الایجاز والاختصار (۲۷)

فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری

یہ کتاب صحیح بخاری کی ان احادیث کی تشریحی کاوش تھی۔ جن میں امام بخاری نے صرف تین واسطوں سے حدیث روایت کی ہے۔ یہ روایات ثلاثیات البخاری کے نام سے معروف ہیں۔ جن کی تعداد باعتبار مکررات ۲۲ اور حذف تکرار سے ۱۷ ہے۔ مگر یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی۔ (۲۸) جیسا کہ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری لکھتے ہیں۔ "افسوس ہے کہ علامہ اس شرح کو اپنی زندگی میں مکمل نہ کر سکے"۔ (۲۹) تا حال فضل الباری مفقود الخیر اور غیر مطبوع ہے۔

### مقدمہ فتح الباری لابن حجر العسقلانی

جناب محمد تنزیل صدیقی فظہ اللہ تعالیٰ کی ٹیلیفون پر مہیا کردہ معلومات کے مطابق محدث عظیم آبادی نے تطف حسین عظیم آبادی کی طرف سے شائع کردہ فتح الباری کے ہندوستانی ایڈیشن از مطبع انصاری دہلی کے آخر میں ایک مقدمہ لکھا ہے جو یقیناً علوم حدیث و اصول حدیث کے حوالے سے ایک بلند پایہ محدثانہ تحریر ہوگی۔

### النجم الوہاج شرح مقدمة الصحيح لمسلم بن الحجاج

یہ مقدمہ امام مسلم کی مبسوط شرح ہے۔ علامہ عظیم آبادی نے خود اپنی اس تالیف کا ذکر کیا ہے۔ (۳۰) دیگر سوانح نگار و مؤرخین بھی اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ (۳۱)

مولانا کے نام سے مقدمہ صحیح مسلم کی شرح کا ایک ناقص نسخہ خدا بخش لاہوری میں جو کہ بڑے سائز کے ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں ۳۰ سطریں ہیں۔ یہ نسخہ شاید شیخ عبداللہ غازی پوری کی شرح مقدمہ صحیح مسلم "البحر المعراج" کی نقل ہے۔ کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ناقل کو صاحب بنانے کی خطا ممکن ہے۔ شیخ امام ڈیانوی کی اپنی شرح کا تاحال کوئی سراغ نہیں۔

### هدایة اللوذعی بنکات الترمذی

اس کا ایک ناقص مخطوطہ ۱۲ صفحوں پر مشتمل خدا بخش لاہوری، پٹنہ میں نمبر ۲۲۲۹ کے تحت موجود ہے۔ یہ درحقیقت جامع ترمذی کے مقدمے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری کے بقول "اس شرح میں علاوہ متن کے اسانید کے متعلق بڑی بڑی نفیس تحقیقات لکھی گئی ہیں۔" (۳۲)

آپ نے اسے ۷ فصلوں پر تقسیم کیا تھا۔ قلمی نسخہ میں صرف ابتدائی ۳ فصلیں مکمل اور چوتھی فصل ناقص موجود ہے۔ جس کی تخریج، تعلیق و تکمیل حافظ الیاس صاحب نے کر دی ہے۔

تعلیقات علی سنن النسائی

اس میں سنن نسائی کے پیچیدہ مقامات اور بعض مشکلات کو حل کیا گیا ہے۔ صاحب سیرۃ البخاری نے اس کا قلمی نسخہ موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔ (۳۳)

اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر (۳۴)

محدث عظیم آبادی نے نماز فجر کی دو سنتوں کے بارے میں دس فصلوں پر مشتمل یہ کتاب تالیف فرمائی ہے۔ ان فصلوں میں فجر کی دو سنتوں بارے حتی الامکان جمیع روایات بیان کر دی ہیں اور ان روایات پر خالصتاً محدثانہ انداز میں بحث کی ہے۔ فقہ الحدیث اور ان روایات سے استنباط و استخراج کردہ فقہی مسائل بارے مختلف آراء پر بھی خوب بحث کی ہے گویا یہ فجر کی سنتوں بارے ایک بہترین جزء اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کا حق ادا کیا ہے۔

یہ کتاب پہلی بار مطبع انصاری، دہلی سے ۱۳۰۶ھ میں بڑی تقطیع کے ۶۸ صفحات پر شائع ہوئی۔ اس کے ساتھ امام بخاری کی "خلق افعال العباد" اور علامہ ذہبی کی "کتاب العلو" بھی مطبوع ہے۔ پھر ۱۹۷۵ء میں مولانا ارشاد الحق اثری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق و تعلق سے ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد سے شائع ہوئی۔ جو کہ ۲۸۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

### الرسالة

ایک حدیث (عن محمود بن بعید عن رافع قال اسراع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی تقطعت نعالنا یوم مات سعد بن معاذ.....) پر بحث "الرسالة" نامی رسالہ میں پائی جاتی ہے۔ (۳۵)

تعلیقات علی "اسعاف المبطا برجال الموطا" للسیوطی:

رجال موطا پر امام سیوطی کی مشہور کتاب "اسعاف المبطا" پر مختصر مگر مفید تعلیقات ہیں اور اسماء و گنتی کے ضبط ہیں امام سیوطی سے جہاں تسامح ہوا تھا۔ حاشیہ میں اس کی تصحیح ہے۔ علامہ عظیم آبادی نے سیوطی کے اس کم یاب رسالہ کو متعدد نسخوں کے مقابلہ و تصحیح کے بعد اپنی تعلیقات کے ساتھ بڑے سائز کے ۵۰ صفحات پر مشتمل مطبع انصاری دہلی سے ۱۳۲۰ھ میں شائع کیا تھا۔ اس کا قلمی نسخہ بخط مؤلف خدا بخش لاہوری میں ۳/۳۱۸۰ پر موجود ہے۔ (۳۶)

فہرست المجلد الاول من مسند ابی عوانہ (عربی)

محدث ڈیانوی کی فہرست کتب میں یہ نام بھی پایا جاتا ہے۔ (۳۷) جبکہ عزیز شمس کے نزدیک یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ (۳۸)

### جوابات الزامات الدار قطنی علی الصحیحین:

مولانا ابوالقاسم بناری کے الفاظ میں "زمانہ حال میں علامہ زماں فاضل دوراں مولانا شمس الحق صاحب ابوالطیب عظیم آبادی مرحوم و مغفور نے یہ دار قطنی کی کتاب التتبع والاستدراک پر مطولہ حاشیہ قابل دید لکھا ہے۔ خدا وہ دن کرے کہ وہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر مقبول اہل جہاں اور مولانا کی یادگار نصیب ہو، آمین۔" (۳۹) امام دار قطنی کے صحیحین (بخاری و مسلم) پر کچھ اعتراضات تھے یہ کتاب انہی اعتراضات کے جواب پر مبنی تھی مگر افسوس کہ اب اس کتاب کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

### رفع الالتباس عن بعض الناس (عربی)

امام بخاری نے "الجامع الصحیح" میں "قال بعض الناس....." کا طرز بیان اپناتے ہوئے احناف کے بعض کلامی و فقہی مسائل پر نقد کیا ہے۔ امام بخاری کے رد میں کسی نامعلوم (۴۰) کی طرف سے "دفع الوسواس عن بعض الناس" نامی مطبوعہ رسالہ سامنے آنے پر امام بخاری اور ان کے افادہ "قال بعض الناس....." کے دفاع میں محدث ڈیانوی نے مذکورہ رسالہ پر نقد کرتے ہوئے "رفع الالتباس عن بعض الناس" نامی رسالہ تالیف فرمایا۔ اس دفاع میں خالصتاً علمی انداز اپنایا، جماعتی تعصب سے کام نہیں لیا اور امام ابوحنیفہ کے فضل و کمال کا نہایت فراخ دلی سے اعتراف کیا ہے۔ یہ رسالہ پہلی بار مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۱۱ھ میں بڑی تقطیع کے ۳۴ صفحات پر طبع ہوا۔ طبع ثانی مولانا عبد التواب ملتانی (۱۳۶۶ھ) کے زیر اہتمام مطبع شمسیتہ ملتان کی طرف سے ۱۳۵۸ھ میں ہوئی۔ الطبعة الثالثة شیخ محمد عزیر السلفی کی تصحیح و تعلق کے ساتھ مطبعة السلفية، بنارس، کی طرف سے محرم ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء میں ہے۔ جو، الف تا ک اور بعد ازاں ۱۶۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا عبد العظیم حسن زئی مدرس جامع ستاریہ کراچی نے کیا ہے جو کہ محمد تنزیل الصدیقی کی تقدیم و تحشیہ کے ساتھ زیور طبع کا منتظر ہے۔

مورخ اہل حدیث مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے اسے مولوی محمد اسماعیل صاحب اسراہیلی علی گڑھی (۱۳۱۱ھ) کی تصنیف قرار دیا ہے۔ (۴۱) جبکہ محقق اہل حدیث محمد عزیر السلفی نے اس کی تصحیح و تعلق محدث عظیم آبادی کی تصنیف کی طور پر کی ہے۔ مولانا عبد السلام مبارکپوری نے بھی اسے محدث عظیم آبادی کی تصنیف کی طور پر ذکر فرمایا ہے۔ (۴۲) اور محدث عظیم آبادی نے الشیخ عبد الحفیظ

الطاہر الفہری الفاسی کو ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ میں تحریر کردہ مکتوب کے ساتھ اپنی ارسال کردہ کتب کی فہرست میں خود شامل کیا ہے۔ (۴۳) جس سے نوشہروی صاحب کی کردہ نسبت قطعاً غلط ٹھہرتی ہے۔ رفع الالتباس کا آپ کی تصنیف ہونا یا نہ ہونا یہ بحث صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ آپ نے اس تصنیف میں کہیں اپنا نام پیش نہیں کیا تھا۔ جس کی طرف اشارہ مولانا عبدالسلام مبارکپوری کی تحریر سے ملتا ہے آپ کے بقول "علامہ ابوالطیب نے اس رسالہ (دفع الوسواس عن بعض الناس) کا جواب بنام رفع الالتباس شائع فرمایا اور اخلاص سے اپنا نام ظاہر نہ فرمایا"۔ (۴۴)

### المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف

۱۳۱۲ھ میں حجاز مقدس فریضہ حج کی ادائیگی کے قیام کے دوران علمائے حجاز نے شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے اجازہ عامہ چاہا۔ اصول حدیث کی اس اصولی بحث اور علمائے حجاز کے لئے اجازہ عامہ حاصل کرنے کی خاطر آپ نے وہاں سے یہ خط میاں صاحب کو لکھا تھا۔ جس کے جواب میں میاں صاحب نے حجاز کے علماء کو اجازہ مرحمت فرمائی۔ یہ اصول حدیث سے متعلق مکتوب مع جواب ۱۳۱۲ھ میں مطبع انصاری، دہلی سے طبع ہوا۔ (۴۵)

### غنیۃ الالمعی

یہ رسالہ تین سوالات کے جواب پر مشتمل ہے۔ جن میں پہلا سوال محدثین کی اصطلاح "لا یصح هذا الحدیث" یا "لا یثبت هذا الحدیث" میں فرق کے بارے تفصیلی جواب ہے۔ یہ رسالہ پہلی بار مطبع انصاری دہلی سے ۱۳۱۱ھ میں المعجم الصغیر للطبرانی کے ساتھ طبع ہوا۔ جو کہ ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری بار ۱۳۸۸ھ میں شیخ عبدالرحمن بن محمد کی تصحیح و مراجعت سے المکتبہ السلفیہ مدینہ منورہ سے المعجم الصغیر للطبرانی کے ساتھ ہی طبع ہوا ہے۔ اس رسالہ کا پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم جانان نے بزبان ترکی ترجمہ کیا ہے۔ (۴۶)

### الوجازۃ فی الاجازۃ

شیخ عبدالحفیظ بن محمد الطاہر الفہری الفاسی (۱۳۸۳ھ) کے قاہرہ، مصر سے طلب اجازہ کے جواب میں ہے۔ یہ رسالہ آپ کی اسانید حدیث کے ساتھ ساتھ آپ کی تصنیفات کی بھی اجازت برائے شیخ عبدالحفیظ پر مشتمل ہے۔ خدا بخش پٹنہ لائبریری میں نمبر ۳۲۶۴ کے تحت موجود نسخہ جو کہ مصنف کے



ایک شاگرد کا تحریر کردہ ہے اور نمبر ۳۲۶۵ کے تحت مصنف کے اپنے خط کے نسخہ کے تقابل اور تحقیق از شیخ بدر الزمان محمد شفیع نیپالی کے ساتھ مجمع علمی، کراچی، پاکستان کی طرف سے پہلی بار ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء میں طبع ہوا۔

### افادۃ الرسوخ بمعرفة الشيوخ / نهاية الرسوخ في معجم الشيوخ

محدث عظیم آبادی اپنے اساتذہ کرام اور ان کے شیوخ کے حالات بزبان عربی تحریر کر رہے تھے کہ زندگی نے وفانہ کی اور بعارضہ طاعون اعزازی شہادت پا گئے اور یہ کتاب ناقص رہ گئی۔ (۴۷)

عزیر شمس اور تنزیل صدیقی نے اس کا نام "نہایۃ الرسوخ فی معجم الشيوخ" نقل کیا ہے۔ (۴۸)

مذکورہ بالا کتب متعلقہ حدیث و اصول حدیث کے علاوہ تاریخ و مختلف مسائل میں آپ کی مزید کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ مثلاً نخبة التواریخ، تذکرة النبلاء فی تراجم العلماء، سوانح عمری مولانا عبد اللہ صاحب جھاؤ میان الہ آبادی، تفریح المتذکرین بذکر کتب المتأخرین، النور اللامع فی اخبار صلاة الجمعة عن النبی الشافع، تحفة المتہجدین الابرار فی اخبار صلاة الوتر و قیام رمضان عن النبی المختار، غایۃ البیان فی حکم استعمال عنبر والزعفران، رسالہ فی الفقه (اردو)، عقود الجمال فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان (فارسی)، اس کا بزبان عربی اور اردو ترجمہ بھی موجود ہے، القول المحقق (فارسی)، الاقوال الصحیحة فی احکام النسیکۃ (فارسی)، تنقیح المسائل (فتاویٰ علامہ شمس الحق عظیم آبادی بزبان اردو)، فتویٰ رد تعزیه داری (اردو)، ہدایۃ النجدین الی حکم المعانقۃ والمصافحۃ بعد العیدین (اردو)، التحقیقات العلیٰ باثبات فریضۃ الجمعة فی القرئ (اردو)، الکلام المبین فی الجہر بالتاسین والرد علی القول المتین (اردو)۔ (۴۹)

آپ کی تحریریں عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں بعض مطبوع، بعض موجود مگر غیر مطبوع اور بعض غیر موجود غیر مطبوع ہیں۔ مقالہ ہذا میں محدث عظیم آبادی کے خدمات حدیث کے پہلو کو زیر تحقیق لایا گیا۔ اس لئے حدیث و اصول حدیث سے متعلقہ کتب پر تفصیلی معلومات

مہیا کرنے کی کوشش رہی۔

محدث ڈیانوی کی خدمات حدیث کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا ابوالحسنات عبدالشکور ندوی لکھتے ہیں۔

"مولانا مولوی شمس الحق صاحب محدث وہ مایہ ناز ہستی ہے جس پر اس آخری دور میں ہندوستان جس قدر چاہے فخر کر سکتا ہے۔ تمام عمر خدمت علم حدیث میں بسر کر گئے۔" (۵۰)

احب الصالحین و لست منهم لعل اللہ یرزقنی صلاحاً



## حواشی و حوالے

- ۱۔ حالات زندگی پر تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے: الحسنی، عبدالحی، نزہۃ الخواطر، نور محمد۔ اصح المطابع۔ کراچی، ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء، ج ۸، ص ۱۷۹-۱۸۰؛ الزرکلی، خیر الدین، الاعلام۔۔۔۔۔، دارالعلم للملایین بیروت لبنان، ۱۹۸۹ء، ج ۶، ص ۳۰۱-۳۰۲؛ کمالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین، مطبعة الترقی دمشق، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء، ج ۹، ص ۶۳-۶۴؛ الفریوای، عبدالرحمن عبدالجبار، جهود مخلصه فی خدمة السنة المطهره، ادارہ البحوث الاسلامیہ۔۔۔۔۔، بنارس، ۱۳۰۶ھ/۱۹۸۶ء، ص ۱۲۵-۱۳۱؛ الجفان والجابی، معجم الاعلام۔۔۔۔۔، قبرص، ۱۳۰۷ھ/۱۹۸۷ء، ص ۷۶۲؛ بدایونی، نظامی، قاموس المشاہیر، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۳ء، ج ۲، ص ۲۰؛ ندوی، عبدالشکور، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم درس گاہیں، وکیل بک ڈپو امرتسر، ص ۵۱؛ رحمانی، عابد حسن، سلفی، عزیز الرحمن، جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات، جامعہ سلفیہ بنارس، ۱۹۸۰ء، ص ۱۵۸؛ احمد، قیام الدین، ہندوستان میں وہابی تحریک، (مترجم: محمد مسلم عظیم آبادی) نئیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۳۷۲؛

شمس، محمد عزیز، ابو طیب محمد شمس الحق عظیم آبادی حیات و خدمات، المرکز الاسلامی للبحوث العلمیہ کراچی، ۲۰۰۸ء؛ مدیر (محمد تنزیل الصدیقی الحسینی)، الانتقاد، مکتبہ دارالاحسن کراچی، شعبان ۱۴۳۱ھ / اگست ۲۰۱۰ء (شمارہ خاص: امام ابو الطیب شمس الحق عظیم آبادی)؛ اثری، ارشاد الحق، پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد، ۱۹۹۰ء، ص ۱۰۲-۱۱۰؛ بھٹی، محمد اسحاق، دبستان حدیث، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۹-۱۲۳؛ عراقی، عبدالرشید، چالیس علمائے اہل حدیث، نعمانی کتب خانہ لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۷۰-۸۰

۲- عراقی، عبدالرشید، تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، بیت الحکمت لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۲۳۲۔ مصنف ہڈانے تذکرہ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، ادارہ احیاء تراث اہل السنۃ، الہ آباد / وزیر آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۷۰ پر جامعہ ازہر کی بنیاد رکھنے کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ مفتی محمد عبدہ الفلاح کے مطابق یہ مدرسہ محدث عظیم آبادی نے نہیں "البتہ ان کے خلف الصدق نے ۱۹۲۲ء میں "جامع ازہر" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا"۔ (الفلاح، محمد عبدہ، مفتی، تحریک اہل حدیث کے چند اوراق - حصہ اول، ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ فیصل آباد، ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۱ء، ص ۶۲)

۳- بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ۲، ص ۲۰

۴- ندوی، ہندوستان کی قدیم درس گاہیں، ص ۵۱

۵- صحیح ابن حبان، ج ۲، ص ۲۲۱، ج ۴، ص ۴۷۴؛ و آخرجہ البخاری فی "الادب المفرد" ۸۹۱؛ و احمد فی المسند ج ۵، ص ۱۶۸

۶- الانتقاد (شمارہ خاص)، ص ۹۰ (علامہ شمس الحق ڈیانوی کا فوق کتب از مولانا محمد یسین شاد (ملتان))

۷- تفصیلی معلومات کیلئے دیکھئے: الانتقاد (شمارہ خاص)، ص ۷۹-۸۶ (کتب خانہ ڈیانواں (پٹنہ) از مولانا ابوسلمہ شفیع احمد بہاری)

- ۸۔ الانتقاد (شماره خاص)، ص ۱۰
- ۹۔ بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ۲، ص ۲۰
- ۱۰۔ شمس، محمد شمس الحق۔۔۔، ص ۷۶
- ۱۱۔ عظیم آبادی، محمد شمس الحق، سنن ابی داود مع حاشیہ عون المعبود، دارالکتاب العربی بیروت لبنان،۔۔۔۔، ج ۴، ص ۲۵۱
- ۱۲۔ الانتقاد (شماره خاص)، ص ۸۰ (کتب خانہ ڈیانواں (پٹنہ) از مولانا ابوسلمہ شفیع احمد بہاری)
- ۱۳۔ عظیم آبادی، غایۃ المقصود، حدیث اکیڈمی فیصل آباد، ۱۴۱۴ھ، ج ۱، ص ۲۵ تا ص ۷۳
- ۱۴۔ مزید تفصیلات کیلئے؛ سلفی، رفیق احمد رئیس، مولانا (مرتب)، علوم الحدیث مطالعہ و تعارف، دارالکتب بالسلفیہ، لاہور، مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۳۹۰ (سنن ابی داؤد کی تین شروح: غایۃ المقصود، عون المعبود اور بذل المجہود مختصر تقابلی جائزہ از مولانا عزیز احمد مدنی)
- ۱۵۔ سہارن پوری، خلیل احمد، بذل المجہود، دارالذیان للتراث، القاہرہ، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء، ص ۱/۳۹
- ۱۶۔ الدمشقی، شیخ محمد منیر، نموذج من اعمال الخیریہ، مصر ۱۳۴۹ھ، ص ۶۲۷ بحوالہ الانتقاد (شماره خاص)، ص ۱۰۴
- ۱۷۔ العظیم آبادی، الوجازہ فی الاجازۃ (تحقیق: شیخ بدر الزمان محمد شفیع نیپالی) المجمع العلمی، کراچی، پاکستان، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء، ص ۱۱۲
- ۱۸۔ الحسنی، نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۱۸۰
- ۱۹۔ نوشہروی، امام خان ابویحییٰ، تراجم علمائے حدیث ہند، ریاض برادرز لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۳۷، مقدمہ از سید سلیمان ندوی
- ۲۰۔ بذل المجہود، (تقدیم الکتاب) ابوالحسن علی الحسنی الندوی، ص ۸
- ۲۱۔ عظیم آبادی، عون المعبود، دارالکتاب العربی بیروت، ۱۳۲۳ھ، ج ۴، ص ۵۵۳
- ۲۲۔ عظیم آبادی، عون المعبود، ج ۴، ص ۱۷۵، حدیث نمبر ۲۲۸۶
- ۲۳۔ عظیم آبادی، عون المعبود، ج ۴، ص ۵۵۲-۵۵۳
- ۲۴۔ الانتقاد، شماره خاص، ص ۶۷

- ۲۵۔ عظیم آبادی، عون المعبود، ج ۴، ص ۲۰۵-۲۰۶
- ۲۶۔ الانتقاد، شماره خاص، ص ۳۵
- ۲۷۔ عظیم آبادی، التعليق المغنی، ج ۱، ص ۴
- ۲۸۔ اثری، پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ص ۱۰۹
- ۲۹۔ مبارکپوری، مولانا عبدالسلام، سیرۃ البخاری، نشریات، لاہور ۲۰۰۹ء، ص ۳۰۳ (حاشیہ)
- ۳۰۔ عظیم آبادی، الوجازۃ فی الاجازۃ، ص ۲۷
- ۳۱۔ مبارکپوری، سیرۃ البخاری، ص ۴۵۰؛ نوشہروی، مولانا ابوبکری امام خاں، ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، مکتبہ نذیریہ، چیچہ وطنی ۱۳۹۱ھ، ص ۲۳
- ۳۲۔ مبارکپوری، سیرۃ البخاری، ص ۴۶
- ۳۳۔ مبارکپوری، سیرۃ البخاری، ص ۴۷۹ (حاشیہ)
- ۳۴۔ سرکس، یوسف الیان، معجم المطبوعات العربیة والمعربۃ، قم، ۱۴۱۰ھ، ج ۲، ص ۱۳۴۴
- ۳۵۔ 105pp, (3834H.L.No.)3073No.xxx, Vol.(Bankipur)Cat.
- ۳۶۔ شمس، محمد شمس الحق، ص ۸۲
- ۳۷۔ عظیم آبادی، رفع الالتباس، ص ک: ترجمۃ المؤلف
- ۳۸۔ شمس، محمد شمس الحق، ص ۸۹-۹۰
- ۳۹۔ ابوالقاسم بناری، حل مشکلات بخاری، الدار السلفیہ بمبئی، ؟، ص ۵۴
- ۴۰۔ ڈاکٹر مقتدی حسن الازہری کے مطابق یہ نامعلوم الشیخ احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ) تھے۔
- عظیم آبادی، رفع الالتباس، ص د۔ بین یدی الكتاب: مقتدی حسن الازہری
- ۴۱۔ نوشہروی، تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۲۲۷؛ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص ۲۳
- ۴۲۔ مبارکپوری، سیرۃ البخاری، ص ۲۹۷-۲۹۸
- ۴۳۔ عظیم آبادی، الوجازۃ فی الاجازۃ، ص ۱۱۲
- ۴۴۔ مبارکپوری، سیرۃ البخاری، ص ۲۹۷
- ۴۵۔ زرکلی، الاعلام، ج ۶، ص ۳۹ پر یہ غلط طور پر مولانا شرف الحق کے نام معنون ہے۔

۴۶\_ A.U.I.F.D.,VI,Erzurum,(1986)pp. 155-175

- ۴۷\_ بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ۲، ص ۲۰
- ۴۸\_ شمس، محمد شمس الحق، ص ۸۷؛ الانتقاد (شماره خاص) ص ۳۶
- ۴۹\_ العظیم آبادی، الوجازہ فی الاجازة، ص ۱۵
- ۵۰\_ ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، ص ۵۱

التعليق الصبيح (شرح مشکوة المصابيح)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا منہج

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی\*

اللہ تعالیٰ نے برصغیر پاک و ہند کو یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ اس علاقہ سے منسوب شخصیات نے اس دین متین کی علوم و معارف، تصنیفات و تالیفات اور درس و خطبات کے ذریعہ جس طرح خدمت کی ہے، وہ علوم اسلامیہ کے ارتقاء کی تاریخ میں نمایاں مقام کی حامل ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا شمار برصغیر کے انہی علماء و ادباء میں شمار ہوتا ہے جو بیک وقت محدث بھی ہیں، مفسر بھی، سیرۃ نگار بھی ہیں اور عقائد و کلام کے ماہر بھی، ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی۔ مولانا ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش (U.P.) کے مردم خیز قصبہ کاندھلہ سے تعلق رکھتے ہیں، کاندھلہ وہ قصبہ ہے کہ بقول احسان دانش متعدد شاعر، جدید مولوی، انگریزی کے فارغ التحصیل بھی اور اصول و عقیدہ کے لحاظ سے انگریزی کو گناہ خیال کرنے والے صاحب نظر بھی اور وہ علماء اور اہل دانش بھی کہ جن کی وجہ دنیا کے دارالعلوم کاندھلہ کا نام عزت سے لیتے ہیں، اسی قصبہ کے خاک سے اٹھے۔ (۱)

\* پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

مولینا محمد ادریس کاندھلوی کے والد گرامی مولینا حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی جن دنوں بسلسلہ ملازمت بھوپال میں مقیم تھے، وہاں قیام کے دوران ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ / ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کو ان کے ہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوئی جس کا نام محمد ادریس رکھا گیا۔ (۲)

### تعلیمی و تدریسی زندگی

مولینا نے تعلیم کی ابتداء کاندھلہ میں حفظ قرآن کریم سے کی پھر علوم دینیہ کی تعلیم مولینا اشرف علی تھانوی کے مدرسہ امدادیہ، مظاہر علوم، سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی۔ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۱ء سے مفتی کفایت کے قائم کردہ مدرسہ امینیہ دہلی سے تدریسی زندگی کا آغاز ہوا اور ایک سال بعد ہی آپ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی پیش کش کی گئی جو آپ نے قبول فرمائی۔ دارالعلوم دیوبند سے یہ تعلق کم و بیش نو سال قائم رہا۔

### حیدرآباد دکن میں قیام

حیدرآباد دکن میں نوریس پر مشتمل قیام آپ کی زندگی میں اس اعتبار سے تاریخی گردانا جا سکتا ہے کہ وہاں قیام کے دوران آپ نے عظیم الشان کتاب التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح تالیف کی۔ حیدرآباد دکن میں قیام کے دوران دنیائے علم کے ایک عظیم کتب خانہ، کتب خانہ آصفیہ میں موجود بعض نادر مخطوطات سے استفادہ کیا جن میں تور بشتی کی المفاتیح شرح مصابیح سب سے اہم ہیں، جس سے آپ نے اتعلیق میں استفادہ کیا اور بعض مقامات پر سیرۃ المصطفیٰ میں بھی اس کے حوالہ جات موجود ہیں۔ حافظ تور بشتی کی یہ کتاب مصابیح کی ایک بلند پایہ شرح ہے جس کا مخطوط نسخہ دنیا میں صرف کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ (۳)

### پاکستان ہجرت

۱۹۳۹ء میں آپ شیخ التفسیر کے منصب پر دوبارہ دارالعلوم دیوبند آگئے اور ۱۹۴۹ء یعنی پاکستان ہجرت تک اسی منصب پر فائز رہے۔ مئی ۱۹۴۹ء میں آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا۔



دسمبر ۱۹۴۹ء میں آپ نے پاکستان آکر جامعہ عباسیہ، بہاولپور کے شیخ الجامعہ کا منصب سنبھالا اور ۱۶ اگست ۱۹۵۱ء کو بانی جامعہ اشرفیہ مفتی محمد حسنؒ کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ میں شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے اور وفات تک اسی منصب پر فائز رہے۔

۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء / ۸ رجب ۱۳۹۴ھ کو صبح صادق کے وقت آپ نے داعی اجل کو

لبیک کہا۔

تصنیفی خدمات

علوم تفسیر، حدیث، سیرۃ، کلام و عقائد پر مولینا کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی کل تعداد سو (۱۰۰) ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اردو خواں طبقہ میں تفسیر معارف القرآن، سیرۃ المصطفیٰ اور عقائد اسلام کے ذریعہ مولینا کو قبول عام عطا فرمایا جبکہ عالم عرب میں آپ کی شہرت آپ کی تالیف "التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح" کے ذریعہ پہنچی۔ ذیل میں ہم اس کتاب کے ضمن میں مولینا کے شرح حدیث کے منہج کا مطالعہ کریں گے۔

التعلیق الصبیح کیونکہ مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ہے، اس لیے اس پر گفتگو سے قبل مشکوٰۃ کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔ نئی "مشکوٰۃ دیوار میں بنائے گئے ایسے طاق کو کہتے ہیں جس میں متعدد چراغ رکھے جاسکتے ہیں صاحب مشکوٰۃ نے کیونکہ مصابیح پر کچھ اضافات کئے ہیں اس لیے اپنی کتاب کا نام مشکوٰۃ رکھا کہ یہ ایک ایسا مقام جہاں آپ کو بیک وقت متعدد چراغ اور ان کی مجتمع روشنی ملے گی" (۴)۔

خصوصیات مشکوٰۃ المصابیح

1. امام بغویؒ نے اپنی کتاب مصابیح السنۃ کے ہر باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ خطیب نے ہر باب کی تین فصلیں بنائی ہیں۔ فصل اول میں بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کی روایات نقل کی ہیں جب کہ دوسری اور تیسری فصل میں باعتبار قوت سند سنن اربعہ سے روایات نقل کی گئی ہیں۔

2. بغوی نے ہر روایت میں صحابی کا نام ذکر کیا ہے اور نہ ہی صحاح ستہ میں سے کسی کتاب کا نام جب کہ خطیب نے ابتداء حدیث میں صحابی کا نام ذکر کیا ہے اور متن کے اخیر میں صحاح ستہ میں سے ان کتب یا کسی ایک کتاب کا نام نقل کیا ہے جہاں سے وہ حدیث تخریج کی گئی ہے۔ کتاب کے غالب حصہ میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔
3. ائمہ صحاح ستہ کی سندوں پر اعتبار کرتے ہوئے خطیب نے سند نقل نہیں کی اور بقول خطیب صحاح ستہ کا حوالہ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور تک سند متصل بیان کر دی۔
4. امام بغوی نے صرف مرفوع روایات نقل کی ہیں جب کہ خطیب نے بعض مقامات پر (فصل ثالث میں) صحابہ یا تابعین کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ مثلاً باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ میں ایک جلیل القدر تابعی، حسان بن عطیہ (م ۱۳۰ھ) کا قول نقل کیا (۴) اور اسی طرح اسی باب میں ابن عباس کا بھی قول نقل کیا۔ (۵)۔
5. بعض طویل احادیث میں سے صرف اسی قدر حصہ کو نقل کیا، جو باب سے متعلق تھی اور باقی حدیث کو ترک کر دیا۔
6. پہلی دو فصلوں کی احادیث عموماً وہی ہیں جو بغوی نے مصابیح میں نقل کی ہیں البتہ الفاظ روایت میں بعض مقامات پر اختلاف تعدد طرق پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی بغوی نے جس سند کے ساتھ وہ حدیث تخریج کی ہے، اس کے الفاظ وہی ہیں، خطیب نے وہی روایت کسی قدر مختلف الفاظ سے دوسرے طریق سے نقل کی ہے۔
7. امام بغوی نے جن روایات کو غریب یا ضعیف بتایا ہے، ان کے ضعف اور وجہ غرابت نہیں بیان کی، خطیب نے ان روایات کی وجہ ضعف کو بھی بیان کر دیا مثلاً باب سنن الوضوء میں ابی بن کعب کی حدیث کی وجہ غرابت امام ترمذی سے نقل کی ہے کہ یہ روایت خارجہ کے علاوہ کسی سے منقول نہیں اور خارجہ قوی راوی نہیں۔ (۶)
8. امام بغوی کے بعض نقادوں نے مصابیح میں بعض موضوع روایات نقل کرنے کا الزام لگایا ہے، امام قزوینی (م ۷۵۰ھ) نے ۱۸ / احادیث کے موضوع ہونے کی

تصریح کی ہے۔ خطیب نے وہ روایات بھی مشکوٰۃ میں نقل کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ یہ احادیث موضوع نہیں ہیں۔ (۷)۔

9. ابواب کی ترتیب بالکل وہی ہے کہ جو بغوی نے مصابیح کی رکھی ہے کہ بقول خطیب اس سے بہتر ترتیب ممکن نہیں۔ (۸)۔

10. امام بغوی نے راجح قول کے مطابق ۱۹۷۴ / احادیث نقل کی ہیں (۹) جب کہ خطیب نے مشکوٰۃ میں ان میں ۱۵۱۱ / احادیث کا اضافہ کیا ہے (۱۰)۔

اس طرح مشکوٰۃ کی احادیث کی تعداد ۶۲۳۰ ہو گئی۔ مشکوٰۃ کے محقق نسخہ میں آخری حدیث کا نمبر ۶۲۵۶ ہے (۱۱)۔ اس طرح کل ۲۶ / احادیث مکرر ہیں۔

شروح مشکوٰۃ: خطیب کی کتاب مشکوٰۃ کو اہل علم و دانش میں اس قدر قبولیت حاصل ہوئی کہ کثیر تعداد میں علماء و محدثین نے اس کی شروح تالیف کیں اور مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے، مشکوٰۃ ان چند کتب میں سے ہے جو سب سے زیادہ کتب کی تالیف کا سبب بنی ہیں۔

مشکوٰۃ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خطیب کے استاد حسن بن محمد الطیبی (م ۴۳۳ھ / ۱۳۲۲ء) نے اس کی شرح الکاشف عن حقائق السنن کے نام سے لکھی، مشکوٰۃ کے سن تالیف اور طبعی کے سن وفات میں صرف چھ سال کا فصل ہے۔ علاوہ ازیں جر جانی (م ۸۱۶ھ / ۱۴۱۶ء)، ابن حجر، پیشمی (م ۹۷۳ھ / ۱۵۶۶ء)، ملا علی قاری (م ۱۰۴۱ھ / ۱۶۰۵ء) نے مرقاة کے نام سے شرح لکھی، شروح مشکوٰۃ میں یہ سب سے زیادہ مقبول ہے۔ براکلمان نے اس کی سولہ شروح و مختصرات کا ذکر کیا ہے جن میں عربی میں بھی ہیں اور فارسی میں بھی۔ (۱۲)۔

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں چار شروح و تعلیقات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک مشکوٰۃ کا تلمک ہے، جس میں مشکوٰۃ کے ہر باب میں فصل رابع کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام انوار المشکوٰۃ ہے، خلیفہ نے اس کے مؤلف کا نام ذکر نہیں کیا (۱۳)۔ مبارکپوری نے مزید پانچ شروح و حواشی کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک فارسی زبان میں ہے (۱۴)۔ دور جدید میں

مشکوٰۃ پر الالبانی کی تعلیق و تحقیق، کے علاوہ شروح میں مرعاة المفاتیح اور التعلیق الصبیح کے نام نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

## التعلیق الصبیح

زمانہ تالیف: التعلیق الصبیح مولانا نے اپنے حیدرآباد کے زمانہ میں تالیف کی۔ ۱۹۲۹ء / ۱۳۴۹ھ میں آپ دیوبند سے حیدرآباد دکن آئے اور ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۲ء میں آپ نے دمشق جا کر التعلیق الصبیح کو پہلی چار جلدیں طبع کرائیں۔ تعلیق کے زمانہ تالیف کے متعلق مولانا لکھتے ہیں۔

"قد فرغت یمین هذا العبد الضعیف من تالیف هذا التعلیق و تحریرہ و استراح قلمہ من تسویدہ و تمطیرہ، بعون اللہ تعالیٰ و حسن توفیقہ و جزیل فضلہ و عظیم انعامہ یوم الاربعاء السابع و العشرین من شهر اللہ المحرم الحرام سنة ۱۳۴۹۔۔۔ حین اقامتی بحیدرآباد دکن۔۔۔ و کان ابتداء شروعی فی تالیفہ لیلۃ الخمیس من العشر الاواخر من شهر الربیع الاول سنہ احد و اربعین بعد الف و ثلثمائة" (۱۵)۔

(اس تعلیق کی تحریر و تسوید اور ترتیب سے یہ بندہ ضعیف اللہ کی حسن توفیق، اس کی مدد اور اس کے عظیم و وسیع فضل و انعام کے ساتھ بروز بدھ ۱۲۷ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ کو اپنے حیدرآباد دکن میں قیام کے دوران فارغ ہوا۔۔۔ اس تعلیق کی تالیف ماہ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ کے آخری عشرہ میں شب جمعرات کو شروع کی گئی تھی)۔

یعنی یہ کتاب مولانا کی سات سال دس ماہ کی عظیم محنتوں اور دقیق تحقیقات کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ جس وقت تعلیق کی ابتداء ہوئی اس وقت مولانا کی عمر چوبیس برس تھی اور جب اس

کی تکمیل ہوئی اس وقت ۳۱ برس تھی۔ اس کم سنی میں عربی زبان میں ایسی عظیم کتاب کی تالیف مولانا کے فائق فی العلم ہونے کا ایک واضح ثبوت ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کہ برصغیر پر انگریز حاکم تھا اور ۱۸۵۷ء کے معرکہ کو نصف صدی سے زائد عرصہ گزر چکا تھا، لیکن ریاست حیدرآباد انگریزوں کے زیر اثر نہ تھی بلکہ ایک مستقل آزاد ریاست تھی اور حیدرآباد کن اہل علم و دانش اور صاحبان فکر و قلم کا مرکز و مسکن تھا۔ (۱۶)۔

وجہ تالیف: مولانا کو اس عمر میں اس عظیم کام کا خیال کیسے ہوا؟ اور ایسا کیا داعیہ پیدا ہوا کہ مولانا نے اس عظیم شرح کی تالیف کی ابتداء کی؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا تحریر کرتے ہیں۔

"اسٹھویں صدی ہجری کے حکیم الایۃ شیخ ولی اللہ خطیب، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح، نبی کریمؐ کی احادیث مبارکہ میں سب سے زیادہ جامع اور آپ کے کلمات قدسیہ کی ترتیب میں سب سے زیادہ مفید کتاب ہے، میرے استاد محترم قدوة العلماء رئیس الفقہاء و المحدثین مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ نے مجھے مشکوٰۃ کی شرح لکھنے کا حکم فرمایا، میں آپ کے اس حکم پر حیران ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال و آثار کے معانی بیان کرنا، سند کی گتھلیوں کو سلجھانا، مشتبہ روایات سے پیدا ہونے والے شکوک کو دور کرنا، ایک ایسے شخص کا کام ہے جو علم حدیث میں گہری دسترس رکھتا ہو، اور ائمہ سلف کی توضیحات و تعبیرات سے پوری طرح واقف ہو۔۔۔۔۔" اس کے بالمقابل مجھ ایسا نوجوان اس قدر ہمت اپنے اندر نہ پاتا تھا کہ اس عظیم کام کو شروع کرے لیکن جب استاد محترم کا اصرار، ان کی تاکید بار بار ہوئی اور شدت کے ساتھ ہوئی تو اللہ پر توکل کرتے ہوئے میں نے اس کا ارادہ کر لیا اور پھر آپ کے سامنے اس

ارادہ کو ظاہر کیا، مولانا مسرور ہوئے اور اپنے قلم سے چند افتتاحی سطور تحریر کر دیں اور انہی الفاظ سے میں نے اس شرح کی ابتداء کی۔" (۱۷)۔

مولانا سید انور شاہ کا شمیرائی نے غالباً اس ضرورت کو محسوس کیا ہوگا مشکوٰۃ ایسی نافع کتاب کی کوئی ایسی شرح جو متقدمین کے علوم اور ان کے معارف کا جوہر ہو، جس تک رسائی آسان ہو اور ایسے انداز و اسلوب میں تحریر کی جائے کہ مشکوٰۃ کا ایک طالب علم بھی اگر اس سے مستفید ہونا چاہے تو ہو سکے۔ کیونکہ مشکوٰۃ کی شرح طیبی، مرقاۃ، یا مصابیح کی شرح المسیر ایسی تالیفات ہیں کہ جن کو ایک طالب علم آسانی سے نہیں سمجھ سکتا۔ مولانا نے استاد محترم کے اس حکم کا حق ادا کر دیا اور ان تینوں کتب کا ایسا جوہر اور نچوڑ پیش کیا ہے کہ التعلیق الصبیح کے مطالعہ کے بعد ایک طالب علم طیبی سے بے نیاز، مسیر سے مستغنی ہو جاتا ہے اور اُسے مرقاۃ کی ضرورت کسی حد تک ختم ہو جاتی ہے۔

اشاعت: مولانا نے اپنے زمانہ قیام کے دوران ہی ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۲ء میں دمشق جا کر اس کی ابتدائی چار جلدیں شائع کرائیں اور وطن واپسی کے بعد اس کی بقیہ چار جلدیں طبع کرائیں۔ مولانا کہ یہ کتاب اس قدر مقبول تھی کہ کچھ ہی عرصہ میں یہ کتاب نایاب ہو گئی۔ مولانا نے یہ کتاب لیتھو پر بغیر جلد بندی کے شائع کرائی تھی، مولانا کی وفات کے بعد مولانا کے فرزند ارشد، مولانا محمد مالک کاندھلوی اور جامعہ اشرفیہ کے مہتمم، مولانا محمد عبید اللہ مدظلہ العالی نے اس کتاب کی از سر نو اشاعت کا منصوبہ بنایا۔ راقم اس زمانہ میں مکتبہ عثمانیہ کا ناظم تھا، مولانا کی کئی دوسری کتب شائع کر چکا تھا، یہ سعادت بھی مکتبہ عثمانیہ کے حصہ میں آئی۔ چنانچہ رجب ۱۴۰۷ھ / مارچ ۱۹۸۷ء میں اس کتاب کو عمدہ کاغذ، اعلیٰ طباعت اور خوبصورت جلد بندی کے ساتھ شائع کیا گیا۔ اور آٹھویں جلد کو ضخامت کے اعتبار سے چھوٹی تھی، ساتویں جلد میں ملا دیا گیا۔ اس طرح یہ کتاب اب سات جلدوں میں موجود ہے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن کے چیئرمین حکیم محمد سعید صاحب کو جب والد صاحب نے یہ کتاب پیش کی تو وہ حیران ہوئے کہ یہ طباعت پاکستان میں ہوئی ہے۔ (۱۸)۔

علاوہ ازیں مکتبہ فخریہ دیوبند نے دمشق اور لاہور کی قدیم اشاعت کے عکس کی مدد سے یہ کتاب شائع کی ہے۔ ماضی قریب یعنی ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء میں یہ کتاب فضلتہ الشیخ مالک جریدہ کے

مقدمہ اور شیخ محمد معوض مرعب کی تعلیقات کے ساتھ دارالہیاء الشراف العربی بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

انداز و اسلوب: اس کتاب میں مولانا کا انداز و اسلوب یہ ہے کہ صفحہ کے بالائی حصہ پر احادیث و عبارات مشکوٰۃ ہیں جب کہ زیریں حصہ پر اس کی شرح دی گئی ہے۔ متن کے نقل میں مرقاۃ کے متن پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اسلوب بیان: مولانا کا اسلوب نہایت شستہ اور بے تکلفانہ ہے۔ مشکل و مغلق عبارات اور جملوں کی بجائے آسان الفاظ اور مختصر جملوں میں بات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ زبان و بیان اس قدر پختہ ہے کہ کسی مقام پر بھی یہ شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی غیر عرب عالم کی کتاب ہے جو اس نے اپنی نوجوانی کی عمر میں تالیف کی ہے۔ الفاظ کی اس آسانی کے ساتھ مضامین و معانی کی گہرائی اور گیرائی کو برقرار رکھا گیا ہے اور کسی بھی مرحلہ پر کوئی غیر علمی بات یا کسی قوت استدلال میں ضعف محسوس نہیں ہوتا۔ اسی اسلوب بیان کو تمام کتاب میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

سند پر بحث: صاحب مشکوٰۃ نے اپنی مرویات میں سندیں نقل نہیں کی ہیں بلکہ صرف صحابی کا ذکر کر کے روایت نقل کی اور صحاح ستہ میں سے جہاں سے حدیث تخریج کی گئی ہے، حوالہ دے دیا گیا۔ البتہ روایات کے آخر میں امام نے امام ترمذی کا زیادہ تر اور کبھی کبھی دیگر ائمہ کا سند کے بارہ میں کلام نقل کیا ہے، لیکن وہاں بھی صاحب مشکوٰۃ خود سند پر کوئی کلام نہیں کرتے، گویا سند پر بحث صاحب مشکوٰۃ کا موضوع نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے بھی شرح مشکوٰۃ میں سند پر بحث نہیں کی۔ حتیٰ کہ جہاں امام نے سند سے متعلق کسی رائے کو نقل کیا ہے، وہاں بھی سند پر کوئی بحث نہیں کی گئی۔

توضیح متن: متن حدیث کی وضاحت و تشریح کے سلسلہ میں مولانا نے حسب ذیل اسلوب اختیار کیا ہے۔

1. ہر کتاب کے شروع میں اس موضوع سے متعلق آیات قرآنیہ کو جمع کیا گیا ہے اور اس موضوع کی اہمیت، فضیلت اور وضاحت پر ایک وقیح مقالہ تحریر کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہر باب میں بھی یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ اختصار کے ساتھ اس موضوع سے متعلق آیات پر کلام ہو جائے۔ البتہ کتاب کی ابتداء میں یہ اہتمام مستقل کیا گیا ہے۔ مثلاً کتاب الایمان کی ابتداء میں ایمان کے معنی کی وضاحت کی گئی، ایمان سے متعلق آیات کو جمع کیا گیا، ایمان کی بنیادوں اور اس کے ارکان پر بحث کی گئی۔ (۱۹)۔

کتاب الطہارۃ کی ابتداء میں طہارۃ کی اہمیت پر آیات کو جمع کیا گیا اور طہارت ظاہری اور باطنی کی اہمیت پر روشنی ڈالی (۲۰)

کتاب الصلوٰۃ کی ابتداء میں فضیلت و اہمیت نماز پر آیات قرآنیہ کو جمع کیا گیا اور ان کی توضیح و تشریح کی گئی۔ (۲۱)۔

کتاب کی ابتداء کے علاوہ بعض ابواب کی ابتداء میں بھی اسی طرح کا مقالہ مرتب کیا گیا۔ باب الکبائر و علامات النفاق کی ابتداء میں گناہ کبیرہ کی تعریف اور علامات نفاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ (۲۲)۔

2. دوران تشریح الفاظ حدیث کو تشریح سے ممتاز کرنے کے لئے ان کو خط کشیدہ کر دیا گیا ہے۔

3. الفاظ کی تشریح کرتے وقت پہلے اس لفظ کے اعراب اور اس کی بعض حرکات بیان کی جاتی ہیں، جس سے اس لفظ کی اعرابی حالت کا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے صیغہ کا بھی پتہ چل جاتا ہے بعد ازاں اس لفظ کے معنی بیان کئے جاتے ہیں، اس کے بعض مترادفات ذکر کئے جاتے ہیں، کسی آیت یا کسی شعر میں اگر وہ لفظ استعمال ہوا ہو تو اس آیت یا شعر کو نقل کیا جاتا ہے۔ لغوی معنی پر گفتگو کے بعد اس کے مرادی معنی بیان کئے جاتے ہیں۔

4. مولانا نے چونکہ حدیث مولانا سید انور شاہ صاحب سے پڑھی اور انہی کی ہدایت پر التعلیق الصبح کی تالیف کی، شاہ صاحب بقول مولانا کاندھلوی، اپنے درس میں سب سے اول اور زیادہ توجہ اس طرف فرماتے تھے کہ حدیث نبوی کی مراد باعتبار قواعد عربیت و بلاغت



واضح ہو جائے۔ حدیث کی مراد کو اصطلاحات کے تابع بنانے کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ اصطلاحات بعد میں پیدا ہوئیں اور حدیث نبوی زماناً ورتبہً مقدم ہے، حدیث کو اصطلاح کے تابع کرنا خلاف ادب ہے چنانچہ اس ناچیز نے التعلیق الصبیح میں بھی اس ہدایت کو ملحوظ رکھا اور حافظ تور بشتی اور علامہ طیبی کی شروح سے تمام لطائف و نکات اخذ کر کے اپنی شرح میں درج کئے ہیں۔ (۲۳)

5. الفاظ کے مفہوم و معانی کے بیان کے بعد حدیث کی تشریح کی جاتی ہے اور اس سے مستنبط ہونے والے مسائل بیان کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آیات قرآنیہ اور دیگر احادیث و آثار بھی تائید کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

6. مسائل فقہیہ میں چاروں ائمہ کے مسلک کو بیان کیا جاتا ہے اور ہر ایک کے دلائل کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے اس ضمن میں زیادہ طویل گفتگو کرنے کی بجائے مختصر، جامع اور مدلل کلام کیا جاتا ہے، انصاف اور علمی دیانت کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر کسی ایک رائے یا مسلک کو ترجیح دی جاتی ہے۔

7. عقائد و نظریات کے بیان اور کلامی مسائل کی وضاحت بھرپور اور مدلل انداز میں کی جاتی ہے۔ مسائل اعتقادیہ: مولانا کے خصوصیات درس میں یہ بات شمار کی گئی ہے کہ مولانا کو مسائل اعتقادیہ اور ان کی بحث میں گہری دلچسپی حاصل تھی آپ اپنے درس کا معتزلہ اور فلاسفہ کے دلائل کا ایسا واضح اور مدلل انداز میں رد پیش کرتے تھے کہ طلباء بہت سی عظیم، نادر اور طویل کتب کی مراجعت سے بے نیاز ہو جاتے۔ بعض مسائل پر تحقیقات کا یہ سلسلہ ہفتوں چلتا رہتا، خصوصاً معتزلہ اور فلاسفہ کے وہ نظریات جو قرآن و سنت کے صریح نصوص کے خلاف ہیں، ان کا رد ایسے حکیمانہ و محققانہ انداز سے کرتے کہ سننے والا یہ محسوس کرتا تھا کہ فلاسفہ کے یہ دلائل حقیقت میں دلائل کسلانے کے مستحق ہی نہیں اور یہ چیز ذہن میں آجاتی۔

پائے استدلالیاں پائے چوبی بود  
پائے چوبی سخت بے تمکین بود۔

علم کلام اور مسائل اعتقادیہ میں یہ انداز تدریس مولانا کی ایک انفرادی خصوصیت تھی، یہی خصوصیت مولانا کی تصانیف میں بھی بڑی خوبی کے ساتھ عیاں ہوتی نظر آتی ہے۔  
التعلیق الصبح میں بھی جہاں کہیں اعتقادی مسائل آئے ہیں، ان پر بڑی محکم اور مدلل بحث کی ہے۔ مثلاً کتاب الایمان کی ابتداء میں اپنے اساسی مقالہ میں اور حدیث جبرئیل کی تشریح کے ضمن میں ایمان کے معنی، ایمان کے مراتب کافرق، ایمان و اسلام میں فرق اور اس بات پر مفصل بحث کی ہے کہ اعمال صالحہ ایمان کا حصہ ہیں یا ایمان سے علیحدہ ان کی مستقل حیثیت ہے، اس سلسلہ میں مجدد الف ثانی، محی الدین ابن عربی، امام غزالی، ملا علی قاری، ابن حجر العسقلانی، علامہ تورہ بشتی اور علامہ طیبی کی تحقیقات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ (۲۴)۔

باب اشراط الساعة وعلامات قیامت کے تحت ایک حدیث

"المہدی من عترتی من اولافاطمہ" (۲۵)

کی توضیح کے ضمن میں ظہور مہدی سے متعلق اپنے نظریہ کو پیش کیا اور ثابت کیا کہ پچیس سے زائد صحابہ سے ظہور مہدی سے متعلق روایات منقول ہیں جنہیں امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام بزار، ابن ماجہ، حاکم، طبرانی اور ابویعلیٰ موصلی نے نقل کیا ہے اور سیوطی نے اس سلسلہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں ظہور مہدی سے متعلق نو سے زائد مرفوع احادیث جمع کی ہیں اور آثار صحابہ اس کے علاوہ ہیں۔ ان احادیث میں ۳۶ احادیث ایسی ہیں جن میں مہدی کا صراحتاً نام بھی مذکور ہے۔ (۲۶)۔

اسی طرح باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اساسی مقالہ میں بدء الخلق اور ابتداء تکوین کی بحث میں مضبوط و محکم دلائل سے کائنات کا مخلوق و حادث ہونا ثابت کیا اور اس سلسلہ میں کثرت کے ساتھ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کو بنیاد بنایا گیا اور کائنات کے قدیم ہونے کی بھرپور تردید فرمائی۔ ذکر انبیاء علیہم السلام کے ضمن میں، قرآن کریم میں انبیاء کا ذکر کیوں کیا گیا؟ اس پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد نبوت کی حقیقت، انبیاء کی عصمت کو بیان کیا گیا اور عصمت و معصیت اور حفاظت میں فرق واضح کیا گیا اور معرفت انبیاء کے طرق

بتائے گئے۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے علاوہ امام راعب اصفہانی، امام الحرمین، عبدالرؤف مناوی شارح جامع صغیر، ابن ہمام، حافظ ابن تیمیہ، طبرانی، امام غزالی، امام ابو حنیفہ، شیخ عبد الوہاب شعرانی، محمد حسن سنبھلی شارح شرح عقائد اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تحقیقات کو بنیاد و اساس بنایا گیا ہے۔ (۲۷)

مسائل فقہیہ: مسائل اعتقادیہ کی طرح مسائل فقہیہ پر مفصل و مدلل بحث کی گئی ہے۔ مسائل فقہیہ میں مولانا کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے مسالک کو بیان کیا جاتا ہے، اس کے بعد ان کی حمایت میں پیش کی جانے والی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ ان روایات پر تحقیق ہوتی، ان کی سند کر جانچ پڑتال کی جاتی ہے اور اخیر میں مسلک رائج کو واضح کیا جاتا ہے اور اس کی وجوہ ترجیح بیان کئے جاتے ہیں۔ اختلاف فقہاء کے بیان میں مولانا کی انفرادی خصوصیت، سبب اختلاف پر بحث ہے۔ مولانا فقہاء کے اختلاف کا سبب بڑی خوبی سے بیان کرتے ہیں، جس سے مسئلہ کی تنقیح آسان ہو جاتی ہے اور یہ متعین کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ کون سے مسلک کو ترجیح دی جائے۔ اس ضمن میں یہ بھی مولانا کی خصوصیت ہے کہ کسی بھی مرحلہ پر یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ مولانا اپنے مسلک کی کوئی بے جا حمایت کر رہے ہیں یا اس کو رائج کرنے کی لالچینی کاوش کر رہے ہیں بلکہ اس انداز سے مسئلہ کو بیان کیا جاتا ہے کہ رائج مسلک اور مشرب از خود قاری پر واضح ہو جاتا ہے۔

مولانا کے دلائل میں سنجیدگی اور تفقہ پایا جاتا ہے جو ایک محدث کی شان ہوتی ہے اور ہزار اختلاف کے باوجود کسی کی ذات کو تنقید یا تنقیص کا نشانہ نہیں بنایا جاتا اور یہی اہل علم کا طریقہ ہوتا ہے۔ اہل علم کسی رائے یا مسلک کے ثبوت کو اپنی ذاتی انا کا مسئلہ نہیں بناتے بلکہ اسے محکم، مدلل اور علمی انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ رائج اور مرجوح از خود علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ طہارۃ، نماز، زکوٰۃ، صیام، حج اور تمام عبادات و معاملات کے اندر فقہی اختلافات اسی انداز و اسلوب کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

مباحث تصوف: کلامی اور اعتقادی مسائل و مباحث کی طرح مباحث تصوف میں بھی مولانا کو خاص دلچسپی تھی، التعلیق الصبح میں بھی آپ نے مسائل تصوف میں تحقیقی بحثیں کی ہیں۔

کتاب الرقاق کی ابتداء میں مولانا نے رقاق کے معنی و مفہوم پر بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ رقاق سے مراد قلب کی ایسی نرم کیفیت ہے کہ جس کی بنا پر انسان دنیا سے بے رغبت ہو جائے۔ بعد ازاں آیات قرآنیہ سے دنیا کی بے وقعتی کا ثبوت کیا۔ (۲۸)

ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے "دنیا مذموم کا بیان" کے عنوان سے ایک بحث کی "دنیا انسان کو اللہ کے راستہ سے ہٹانے والی ہے، اس لئے اس کی دشمن اور مذموم قرار دی گئی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان تارک الدنیا ہو کر رہبانیت اختیار کر لے بلکہ انسان کی دنیا اور آخرت دونوں دو حالتوں سے عبارت ہیں اور یہ دونوں حالتیں قلب سے متعلق ہیں۔ دنیا موت سے قبل کے زمانہ کا نام ہے اور آخرت موت کے بعد زمانہ کا نام ہے۔ ان دونوں حالتوں کی اپنی اپنی کیفیت اور علیحدہ علیحدہ کشش و لذت ہے۔ جو چیز بھی قبل از وفات کے امور میں لذت پہنچانے والی ہے، وہ دنیا ہے لیکن اگر اس حصول لذت میں آخرت کا بھی کچھ حصہ ہے کہ یہ دنیا مذموم نہیں ہے بلکہ اس دنیا کی تین اقسام ہوں گی۔"

1. "وہ اعمال و افعال جو آخرت تک باقی رہنے والے اور آخرت میں ثمر دلانے والے ہیں جیسے علم نافع اور عمل صالح"

2. "وہ اعمال و افعال جو صرف اس دنیا کی زندگی میں لذت پہنچانے والے ہیں اور آخرت میں قطعاً کام نہ آنے والے ہیں۔ جیسے گناہ کے کاموں کا سرانجام دینا، ضرورت سے زائد جائز امور و نعمتوں کو حاصل کرنے کی خواہش و تمنا کرنا"

3. "امور متوسطہ، وہ اعمال جو براہ راست ذخیرہ آخرت تو بننے والے نہیں ہیں مگر ایسے اعمال کے لئے ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ مثلاً بقاء انسانی اور اس کی صحت، علم نافع اور عمل صالح کے حصول کے لئے ذریعہ ہے۔ کیونکہ یہ دنیا آخرت کے لئے ایک کھیتی ہے اور اس میں مزارع اپنی جان کے لئے صرف بقدر ضرورت حصہ لیتا ہے اور وہی اس کی دنیا ہے اب اگر اس کھیتی میں وہ آخرت کے لئے کچھ نہیں بوتا تو وہ ہوی و خواہش کا غلام ہو گیا جس کی طرف اس آیت مبارکہ میں اشارہ کیا گیا۔"

"و نهی النفس عن الهوى فان الجنة هي الماوى" (۲۹)

اور ہوی کو جمع کرنے والی پانچ چیزیں قرآن نے بیان کی ہیں۔

(۱) لہو و لعب (۲) زینت (۳) آپس میں فخر (۴) مالوں کی کثرت (۵) اولاد کی کثرت

اور سات چیزیں ہیں جن سے مذکورہ پانچ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔

(۱) شہوات کی محبت (۲) عورتوں کی محبت (۳) اولاد کی محبت (۴) سونے چاندی

کے خزانوں کی محبت (۵) عمدہ گھوڑوں کی محبت (۶) جانوروں کی محبت (۷) کھیتی کی

محبت (۳۰)

ان میں سے جو چیز بھی اللہ کے لئے نہیں ہے، وہ دنیا ہے اور جو اللہ کے لئے ہے وہ دنیا

نہیں ہے۔ (۳۱)

اس ساری بحث کا مفہوم یہ ہے کہ ترک دنیا تصوف کی بنیاد نہیں بلکہ دنیا کو ان اعمال کے

لئے ایک ذریعہ بنانا جو آخرت میں کام آنے والے ہیں، تصوف کی تعلیمات کی اساس و بنیاد ہے۔ گویا

اس مختصر سی تحریر میں مولانا نے تعلیمات تصوف کے سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

ماخذ و مصادر: یوں تو مولانا نے اپنی کتاب میں متعدد کتب و مخطوطات سے استفادہ کیا ہے

اور ہر مقام پر مرجع کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن بنیادی و اساسی طور پر تین مصادر سے مولانا نے

سب سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ مولانا مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

"و جل اعتمادی فی ذالک علی شرح المصابیح المسمى بالمیسر

للشیخ شهاب الدین فضل اللہ التور بشتی الحنفی رحمہ اللہ

تعالیٰ ولعمری انہ لشرح لطیف و تصنیف مینف مشتمل علی

فوائد حسان، و معان مقصورات فی الخیام لم یطیها قبلہ انس ولا

جان"

"وعلی شرح المشکوٰۃ المسمى بالكاشف عن حقائق السنن

المحمدیه علی صاحبها الف الف صلوة و الف الف تحیة للمحدث

الجلیل افضل العلماء فی زمانہ و اکمل الفضلاء فی اوانہ مفسر

الکتاب و شارح السنة مبین الاحکام و قانع البدعة شرف الملة

والدین الحسین بن عبداللہ بن محمد الطیبی الشافعی طیب اللہ

ثراه و جعل جنة مثواه، ولعمري ماترى كتاباً اجمع تحقيقاً منه فى بيان حقائق السنة و دقائقها و ابراز لطائفها و معرفها، و كشف اسرارها و غوامضها فيا له من شرح غريب عزيز المثل لم نيسج ناسج فما اظن على هذا المنوال"

"و اعتمد فى ضبط كلمات الحديث و و جوه الاعراب ع ذكر اختلاف النسخ على مرقاة المفاتيح شرح مشکوة المصابيح للمحدث الجليل و الفاضل البنيل فريد دهر و وصيد عصره الشيخ نور الدين على بن سلطان محمد الهروى القارى رحمه الله تعالى، فانه شرح

لطيف على منهج شريف كافل لضبط الالفاظ مع المبانى" (۳۲)

(اور اس شرح کی تالیف میں میرا سب سے زیادہ اعتماد شیخ شہاب الدین فضل اللہ تور بشتی کی شرح مصابیح "المیسر" پر رہا۔ اور میری زندگی کی قسم المیسر ایک لطیف شرح اور بلند پایہ تصنیف ہے جو ایسے خوبصورت فوائد، اور ایسے معانی کے بیان پر مشتمل ہے جن تک آپ سے قبل کسی جن یا انسان کی رسائی نہیں ہوئی۔

دوسرا مصدر شرح مشکوة ہے جو حسین بن عبد اللہ بن الطیبی کی تالیف ہے اور جس کا نام الکاشف عن حقائق السنن المحمدیہ صلى الله عليه وسلم ہے۔ میری زندگی کی قسم نبی کریم صلى الله عليه وسلم کے سنن کے حقائق، دقائق، معارف اور لطائف اس کے اسرار و حکم پر اس سے زیادہ جامع کوئی کتاب تجھے نہیں مل سکتی۔ ایک ایسی بے مثل شرح کہ میرے گمان کے مطابق اس نہج پر ایسی تالیف کوئی نہیں کر سکتا۔

الفاظ حدیث، وجوه اعراب اور مشکوة کے مختلف نسخوں کے اختلافات کے سلسلہ میں، میں نے علی بن سلطان القاری کی مرقاة المفاتيح شرح مشکوة المصابیح پر اعتماد کیا ہے الفاظ کے صحیح ضبط کے لئے یہ شرح کفایت کرنے والی ہے۔

## التعليق الصبيح کے متعلق اہل علم کی آراء

مولانا کے استاد محترم مولانا ظفر احمد عثمانی مولانا کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مولانا مرحوم ان جید علماء باعمل میں سے تھے، جن پر ان کے اساتذہ کو فخر ہے، مولانا نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مجھ سے مشکوٰۃ شریف اور ایک دو عربی ادب کی کتابیں پڑھی ہیں، مجھے خوشی ہوئی وہ بعد میں شارح مشکوٰۃ بن گئے اور عربی زبان میں التعليق الصبيح کے نام سے مشکوٰۃ کی ایسی شرح لکھی جو رہتی دنیا تک ان کا نام روشن رکھے گی اور علماء سے خراج تحسین وصول کرتی رہے گی" (۳۳)۔

سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث پر ایک مقالہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی التعليق الصبيح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ ہمارے نوجوان محدث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا تالیف ہے، عربی زبان میں مشکوٰۃ شریف کی بہترین شرح ہے، دمشق میں طبع ہوئی ہے، میری نظر سے چار جلدیں گزریں ہیں، خود مؤلف سے بھی بعض مقامات کو سنا ہے۔ مؤلف کی محنت، وسعت نظر، سلیس طرز بیان قابل داد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوان علماء کو اس قسم کی محنت و تحقیق کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔"

"كثر الله امثالهم و تقبل الله اعمالهم" (۳۴)

دارالعلوم دیوبند کی قرارداد تعزیت میں مجلس شوریٰ دارالعلوم نے التعليق الصبيح کو

علم حدیث میں تاریخی کارنامہ قرار دیا۔ (۳۵)

علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"ابھی حال میں ہمارے مکرم بھائی مولانا محمد اور لیس کاندھلوی نے (جو مدت دراز تک دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مقامات پر قرآن و حدیث اور مختلف علوم و فنون کا درس دیتے رہے ہیں) ساہا سال کی شبانہ روز محنت و کاوش سے مشکوٰۃ شریف کی نہایت اور کامل شرح تیار کی ہے جو فی الحقیقت مشکوٰۃ کی تمام مطبوع شروح سے مستغنی کرنے والی اور طالب حدیث کے لئے مباحث حدیث کا بہت نادر ذخیرہ بہم پہنچانے والی ہے"۔ (۳۶)

شام کے ایک جلیل القدر عالم، مجمع علمی العربی، دمشق کے رکن محمد بھتہ بن محمد بہاء الدین البیطار نے التعليق الصبیح سے متعلق اپنی مفصل رائے کا اظہار کیا ہے، جس کا ملخص یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا نے التعليق الصبیح کے مقدمہ میں اپنی کتاب کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔  
و الکبر عنایتی و غایۃ اہتمامی فی ہذا التعليق شرح الاحادیث  
و ابراز نکاتھا و بیان اسرارھا و معارفھا و کشف حقائقھا و  
دقائقھا علی ما یقتضیہ علم المعانی و البیان بعد تتبع کتب  
العلماء الراسخین المعروفین بہذا الشان (۳۷)

مولانا کی یہ بات واقعہ کے بالکل مطابق ہے، مولانا نے اپنی اس شرح میں احادیث نبویہ کے لطیف معانی پر سے پردہ اٹھایا ہے، نکات بلاغت کا بہترین استخراج کیا ہے، دقیق احکام کو بیان کیا ہے، نوع بہ نوع فوائد نقل کئے ہیں اور نادر و نابغہ لطائف بیان کئے ہیں، مولانا نے تور بشتی اور طیبی کی شروح اور شاہ ولی اللہ کی حجتہ البالغہ سے صحیح استفادہ کیا ہے اور وقع اقتباسات پیش کئے ہیں۔

مقدمہ میں مولانا نے جن خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے، کتاب ان سے کہیں بڑھ کر خصائص کی حامل ہے اور اس کا اندازہ ایک قاری کو کتاب پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے کہ مولانا نے اس کتاب کی تالیف میں اپنی جان کو وقف کر دیا تھا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طعام و منام کی



ضروریات سے بے نیاز ہو کر مولانا نے اس شرح کی تالیف فرمائی اور اس کا حق ادا کر دیا۔ مولانا نے حکمائے اسلام میں سے غزالی، ابن رشد، ابن تیمیہ، ابن قیم سے، شارحین حدیث میں ابن حجر سے، صوفیاء میں محی الدین ابن عربی، امام شعرانی سے استفادہ کیا ہے۔ غرضیکہ نوع بہ نوع مسائل کے بیان میں، مولانا نے محدثین، فقہاء اور صوفیاء ہر بحر علم سے استفادہ کیا ہے۔ مسائل فقہیہ کے بیان میں اختلاف نقل کرتے ہوئے، مولانا نے انصاف اور ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور کسی بھی موقع پر افراط و تفریط سے کام نہیں لیا۔ (۳۸)۔

شام ہی کے ایک اور عالم شیخ محمد ہاشم رشید الخطیب اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں۔

"کتاب التعلیق الصبیح علم و تحقیق کا ایک دمکتا ہوتا آفتاب ہے جس میں علم و تحقیق اور دلیل و مشاہدہ کی معراج محسوس ہوتی ہے۔۔۔ مشکوٰۃ کی شروح میں مرقاة ایک معروف و ممتاز حیثیت رکھتی ہے اور اس موضوع پر جامع کتاب بھی ہے۔ بایں ہمہ وہ عظیم شرح بھی التعلیق الصبیح سے بے نیاز کرنے والی نہیں ہے۔ اس شرح کی عظیم خصوصیات میں سے یہ ہے کہ دلائل میں انصاف اور امانت سے اور قوت استدلال میں فہم و فراست سے کام لیا گیا ہے خصوصاً عصر حاضر کے مسائل میں نہایت جامعیت کے ساتھ مختصر بحث کی گئی ہے جس سے مسئلہ کی صحیح حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ (۳۹)

محمود بن رشید العطار دمشقی تحریر کرتے ہیں۔

"میں نے اس شرح کا جتہ جتہ مطالعہ کیا تو معانی و بیان کے عجیب لطائف کا احساس ہوا۔ اور میں نے اس کو متقدمین کی تحقیقات اور متاخرین کے نتائج فکر کا خلاصہ اور نچوڑ پایا، مولانا نے جس جامعیت کے ساتھ مشکوٰۃ کے لطیف علوم کی تشریح کی ہے اس نے مشکوٰۃ کی دیگر شروح سے بے نیاز کر دیا ہے۔ مولانا نے امام ابو حنیفہ کے مسلک کی ترجیح میں جو

دلائل دیئے ہیں وہ علوم و معارف سے بھرپور ہیں اور جس طرح حدیث کے الفاظ، اسرار و نکات بیان کیئے ہیں وہ قابل قدر ہیں۔ فاضل مؤلف نے جس طرح صوفیاء، ادباء، فقہاء، محدثین اور متکلمین کے علوم سے استفادہ کیا ہے، اس سے ان نوجوان کے جامع العلوم، سلف و خلف کی نشانی ہونے کا علم ہوتا ہے، میں نے اس کے دو اجزاء (اول و ثانی) مطالعہ کیئے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کتاب کی اشاعت مکمل فرمائے اور اہل اسلام کو اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید فرمائے۔ آمین۔ (۴۰)۔

خانہ کعبہ کے مدرس حدیث مولانا الشیخ عمر بن حمدان اپنے ایک طویل مکتوب میں التعلیق الصبیح کے متعلق لکھتے ہیں۔

"فاطلعنی علی شرحہ لمشکاة المصابیح، فرایتہ قد جمع فیہ ما یسر الودود و یکتب الحسود من التحقیقات البدیعة و البیان الشافعی الکافی فی تحریر الشریعة خلقہ اجاد و افاد و جمع هذا الجمع

العظیم الذی فیہ نہایت النفع للعباد" (۴۱)

(پھر انہوں نے مجھے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح التعلیق الصبیح عطا کی میں نے اس میں دیکھا کہ انہوں نے عجیب و غریب تحقیقات کی ہیں، (تحریر میں شافعی و کافی بیان جو شریعت محمدیہ کو واضح کرنے والا ہو)، ایسا مواد جمع کیا ہے کہ جو علم حدیث سے محبت رکھنے والوں کے لئے آسانی پیدا کر دے اور اس علم سے حسد میں مبتلا شخص کو شکست خوردہ بنا دے، واقعاً انہوں نے اپنے جو دو کرم سے طالب علم کو فائدہ پہنچایا اور وہ مواد جمع کیا جو انسان کے لئے انتہائی مفید ہے۔) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا

"التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ان کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ (۴۲)

مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نے ایک شعر میں تعلق کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا۔

شارح المشکوٰۃ تعلیق صبیح فیضہ عم فیضاناً بہ معنی الحدیث  
الاکرم (۴۳)

(مشکوٰۃ شریف کی شرح تعلیق صبیح سے آپ کا فیض عام ہے، حدیث کے معنی و مفہوم کے لئے آپ کی شرح اس کے فیض کا سبب بن گئی)  
معروف جرمن سکالر براکلمان نے شروع مشکوٰۃ کا ذکر کرتے ہوئے تعلیق  
الصبیح کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۴۴)

عہد جدید کے علم حدیث کے ایک شامی عالم ناصر الدین الالبانی جنہوں نے مشکوٰۃ کے بعد صحاح ستہ کی تدوین و تعلیق کی ہے، اپنے مقدمہ مشکوٰۃ میں شروع مشکوٰۃ کے ضمن میں تعلیق  
الصبیح کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی چار جلدیں دمشق میں طبع ہوئی ہیں۔ (۴۵)  
جامعہ ازہر کے ایک پروفیسر مصری عالم شیخ محمود محمد عبداللہ لکھتے ہیں۔

التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح للشیخ محمد ادریس  
کاندھلوی ایضاً هذا الشرح من الشروح الهامة المفيدة۔  
التي يحتاج ايها المحدث و الفقيه لا حتوائه علی ماخذ عجيبة و  
فوائد جلیلة۔ (۴۶)

(التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح بھی انتہائی مفید شروع میں سے ہے جس  
کی ضرورت ہر محدث کو ہے کیونکہ وہ نادر ماخذ پر مبنی اور عظیم فوائد پر مشتمل ہے)۔  
غرضیکہ جس عالم و محقق نے شروع مشکوٰۃ کا ذکر کیا، التعلیق الصبیح کا ضرور ذکر کیا  
اور جس تذکرہ نگار نے مولانا کی شخصیت کا تذکرہ کیا اس نے التعلیق کو مولانا کی عظیم ترین  
خدمت قرار دیا اور یہ حقیقت ہے کہ مولانا کی زندگی کا اگر عظیم ترین نہیں تو اولین عظیم کارنامہ  
التعلیق الصبیح کی تالیف ہے جو مولانا نے عمر شباب میں مرتب کی۔

## حواشی و حوالے

1. احسان دانش، جہان دانش، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۲۰
2. صدیقی، محمد سعد، علم تفسیر میں مولینا محمد ادریس کاندھلوی کی خدمات۔ (پی ایچ ڈی مقالہ ۱۹۹۳ء)، ص ۱۹۵
3. ایضاً، ص ۲۱۷
4. طیب، حسین بن محمد بن عبداللہ، الکاشف عن حقائق السنن (شرح الطیبی) کراچی، ادارہ القرآن، ۱۴۱۳ھ، ج ۱: ص ۸۸۔
5. شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔
6. بغوی نے اپنی تمام کتاب میں یہ اہتمام کیا ہے۔
7. خطیب، محمد بن عبداللہ التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، (۱۰، ۱۳۲۷) تحقیق محمد ناصر الدین الالبانی، بیروت، المکتبہ الاسلامی، ۱۹۸۵ء، ج ۱: ص ۳۸، ۴۱۷۔
8. خطیب، مشکوٰۃ، مقدمہ ج ۱: ص ۶۔
9. حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۲: عمود ۱۶۹۸۔
10. ملا علی قاری، مرقاة شرح مشکوٰۃ، ج ۱: ص ۱۰، مقدمہ۔
11. خطیب، مشکوٰۃ، ج ۳۔
12. براکلمان، تاریخ الادب العربی، ج ۶: ص ۲۴۰، ۴۱۔
13. حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۲: عمود ۱۷۰۰۔
14. مبارکپوری، ابوالحسن عبید اللہ، مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، سائنگھ ہل، مکتبہ اشرفیہ، ج ۱: ص ۳۰، ۳۱۔
15. محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، التعليق الصبیح، لاہور، مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۸۷ء، ج ۷: ص ۲۶۳۔

16. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۷۳، ۸/۷۴۲۔ بذیل مادہ حیدرآباد، ۹/۳۷۹، بذیل مادہ، دکن۔
17. مولانا کاندھلوی، کتاب مذکور، ج ۱: ص ۴، ۵۔
18. حکیم محمد سعید صاحب، چشیر میں ہمدرد فاؤنڈیشن والد صاحب کے بہت قریبی دوستوں میں سے تھے، ہر ماہ لاہور تشریف لاتے ہیں، گاہے بگاہے والد صاحب سے ملاقات کے لئے بھی آتے، تعلیق کی اشاعت کے بعد جب ملاقات ہوئی تو والد صاحب نے ایک نسخہ پیش کیا، اس پر حیرانی کا اظہار فرمایا اور کہنے لگے "مولانا آپ تو جن ہیں جن" اس موقع پر ناچیز بھی وہاں موجود تھا۔
19. مولانا کاندھلوی، التعلیق الصبیح، ج ۱: کتاب الایمان کی ابتداء ص ۱۲ تا ۱۴۔
20. ایضاً کتاب الطہارۃ کی ابتداء ج ۱: ص ۱۶۹، ۷۰۔
21. ایضاً کتاب الصلوٰۃ کی ابتداء ج ۱: ص ۲۶۱۔
22. ایضاً باب الكبائر وعلامات النفاق کی ابتداء ج ۱: ص ۴۹۔
23. بجنوری، مقدمہ انوار الباری، حصہ دوم، ص ۲۴۹۔
24. مولانا کاندھلوی، التعلیق الصبیح، ج ۱: ص ۱۲ تا ۲۲۔
25. خطیب، مشکوٰۃ (۵۴۵۳)، ج ۳: ص ۱۵۰۱۔ کتاب الفتن (۲۸)۔
26. مولانا کاندھلوی، کتاب مذکور، ج ۶: ص ۱۹۶، ۹۷۔
27. ایضاً ج ۷: ص ۱۶ تا ۳۔
28. ایضاً ج ۶: ص ۱، ۲۔
29. ۷۹: النزاعات: ۴۱۔
30. ۳: آل عمران: ۱۴۔
31. مولانا کاندھلوی، کتاب مذکور، ج ۶: ص ۳، ۴۔
32. ایضاً ج ۱: ص ۵، ۶۔

33. مولانا کے یہ تاثرات، مولانا کاندھلوی کی وفات پر لکھے گئے تعزیتی خط سے لئے گئے ہیں، دیکھئے صدیقی، میاں محمد، تذکرہ، ص ۳۲۱۔
34. عثمانی، ظفر احمد مولانا، سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث، معارف ج ۵۳ شمارہ ۶ (جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ / جون ۱۹۴۴ء) ص ۴۱۹۔
35. صدیقی، کتاب مذکورہ، ص ۳۲۰۔
36. مولانا عثمانی نے یہ خط ۹ ربیع الآخر ۱۳۴۹ھ کو تحریر کیا، یہ مکتوب مولانا کے فرزند مولانا محمد میاں صدیقی صاحب کے پاس محفوظ ہے۔
37. مولانا کاندھلوی نے تعلیق کی جلد اول صفحہ پانچ پر مقدمہ میں یہ عبارت لکھی ہے۔
38. مولانا کاندھلوی، التعلیق الصبیح، ج ۲: ص ۴۱۷، ۱۸ بیطار کی یہ تقریظ ۱۵ رجب ۱۳۴۵ھ کی تحریر کردہ ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنے قیام کے دوران بیطار سے ملاقات کر کے پہلی دو جلدیں ان کو پیش کیں جن کے مطالعہ کے بعد انہوں نے اپنے ان تاثرات کا اظہار فرمایا۔
39. مولانا کاندھلوی، تعلیق، ج ۳: ص ۴۰۲، ۴۰۳، خطیب کی یہ رائے ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ کی تحریر کردہ ہے۔
40. ایضاً: ۴۰۳، ۴۰۴۔
- العطار کی اس تقریظ پر تاریخ تحریر درج نہیں لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی اسی زمانہ میں تحریر کردہ ہے جس زمانہ کی پہلی دو تحریریں ہیں۔
41. مولانا کاندھلوی، التعلیق الصبیح، ج ۱: ص ۴۱۳۔

42. مولانا نے یہ مکتوب ظہیر الدین صاحب کو لکھا جو ایم اے عربی کے لئے مولانا کی خدمات علمیہ پر مقالہ مرتب کر رہے تھے محمد ظہیر الدین، مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی علمی خدمات۔ احوال و آثار، مقالہ ایم اے عربی (۱۹۷۴ء) جامعہ پنجاب، ص ۵۳۔
43. صدیقی، محمد میاں، تذکرہ، ص ۳۵۷۔
44. براکلمان، تاریخ الادب العربی، ج ۶: ص ۲۴۱۔
45. الالبانی، ناصر الدین، مشکوٰۃ، مقدمہ ج ۱: ص ک (الالبانی نے دمشق میں مطبوعہ چار جلدوں کا ذکر کیا ہے غالباً انہیں پاکستان میں شائع ہونے والی بقیہ چار جلدوں کا علم نہیں ہو سکا۔)
46. محمود، محمد عبداللہ، اللغة العربیہ فی پاکستان، وزارت تعلیم پاکستان، ۱۹۷۴ء، ص ۲۵۴۔

## تالیفاتِ اساتذہ

### شعبہ علومِ اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی	اسلام کا معاشرتی نظام (نیا ایڈیشن)	*
پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی	اقبال اور احیائے دین	*
پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی	اقامتِ صلوٰۃ	*
پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی	پیغمبرانہ دعائیں	*
پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی	اسلام کے اصولِ تجارت	*
پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی	خلقِ عظیم	*





## عقیدہ معاد، احادیث نبویہ اور فکر اصلاحی تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر عاصم نعیم\*

امین احسن اصلاحی، ماضی قریب کے علماء میں اپنے تحریکی اور علمی اکتسابات کے حوالے سے قابل ذکر حیثیت کے حامل تھے۔ ان کی شاہکار تفسیر "تدبر قرآن" نے علمی حلقوں سے خوب داد سمیٹی، لائبریریوں کی زینت بنی اور تحقیقی حلقوں کی توجہ حاصل کرنے میں آگے آگے رہی۔ قرآن حکیم کی تفسیر کی تکمیل (۱۹۸۰ء) کے بعد اصلاحی صاحب، اپنے حلقہ احباب کے اصرار پر علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ اصول حدیث پر کئی لیکچرز دینے کے بعد صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مؤطا امام مالک کی منتخب احادیث پر ڈروس دینے کا اہتمام کیا۔ یہ ڈروس بعد ازاں کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

اصلاحی صاحب نے مذکورہ اہمات کتب احادیث کی شرح و وضاحت اپنے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں کی۔ ان کے مبینہ اصول حدیث علماء حدیث کے اصولوں سے کئی اعتبارات سے مختلف ہیں، اس بنا پر احادیث کی تشریح میں بھی ان کا انداز بیان منفرد اور نتیجہ فکر،

\* اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

یکسر مختلف ہے۔ انہیں، احادیث کے متون میں بہت سے اشکالات اور جامعین حدیث کے علمی کاموں اور ان کی علمی واجتہادی کاوشوں میں بھی جا بجا نقائص نظر آئے۔ مصنف مذکور نے حدیث پر تدبر اور غور و فکر کے کئی معیارات اور پیمانے متعارف کرائے ہیں۔ ان میں:

حدیث کا قرآن کے مطابق ہونا، احادیث کے مجموعی نظام کو سامنے رکھ کر حدیث کو سمجھنا، حدیث سے اخذ احکام کے وقت روایت بالمعنی کا لحاظ، رواۃ حدیث کی غلطیوں پر نظر، اور متن حدیث پر درایتی نقد کرنا، اہم ہیں۔ آپ نے جامعین اور شارحین حدیث کے فہم حدیث میں بھی کئی نقائص نکالے ہیں۔ ان کے نزدیک حدیث کی پرکھ کے لیے اصل کسوٹی قرآن مجید ہے۔ روایات کے رد و قبول میں انہوں نے اس کو معیار بنایا ہے اور جا بجا اس سے استشہاد کیا ہے۔<sup>1</sup> "احادیث کے ساتھ قرآنی مطابقت" کے اصول کو بیان کرتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں:

صحیح علمی طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی طرح پورے ذخیرہ حدیث پر بھی براہ راست ان کے الفاظ، ان کے موقع و محل، ان کے سیاق و سباق، ان کے نظائر و شواہد اور قرآن کے ساتھ ان کی موافقت و عدم موافقت کے پہلوؤں سے غور کیا جائے اور بغیر کسی گروہی تعصب کے وہ حدیثیں اختیار کی جائیں، جو مذکورہ کسوٹی پر پورا اترتی ہوں۔<sup>2</sup>

متون حدیث میں وارد، الفاظ و اصطلاحات میں سے متعدد پر انہوں نے مختلف قسم کے اعتراضات و شبہات وارد کیے ہیں۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان کے باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَيُخْرِجُونَ مِنْهَا قَدْ اسْوَدُّوا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهْرِ الْحَيَاةِ أَوْ الْحَيَاةِ شَكًّا مَالِكًا فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِي جَانِبِ السَّبِيلِ أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ

صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً۔ قَالَ وَهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرُو الْحَيَاةِ وَقَالَ خَرَدَلٍ مِنْ خَيْرٍ۔<sup>3</sup>

(اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل دوزخ، دوزخ میں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکالو، تو وہ اس حالت میں نکالے جائیں گے کہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ پھر ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈال دیا جائے گا تو وہ وہاں سے اس طرح اگیں گے کہ جیسے دانے کسی نرم زمین کے کنارے پر اگ پڑتے ہیں۔ دیکھا نہیں وہ کس طرح لپٹے ہوئے زرد زرد نکلتے ہیں۔ وہیب کہتے ہیں کہ عمرو نے حیاة کا لفظ استعمال کیا ہے اور خردل من ایمان کی جگہ خردل من خیر کہا۔)

اس حدیث میں جناب امین احسن اصلاحی کو کئی اشکالات نظر آئے، جن کا خلاصہ یہ ہے۔

- ۱۔ اس حدیث میں مذکور مجرمین کے دوزخ سے نکالے جانے کے تصور کا قرآن میں کہیں اشارہ تک نہیں ہے۔
- ۲۔ یہود کے عقائد کے ضمن میں ان کے جہنم میں چند روزہ سزا پانے کے عقیدہ کو من گھڑت عقیدہ بتایا گیا ہے۔ مصنف کے نزدیک، حدیث میں مذکور عقیدہ بھی (نعوذ باللہ) من گھڑت ہے۔
- ۳۔ آخرت میں نصب شدہ ترازو میں کوئی بھی خیر یا شر ایسا نہیں رہ جائے گا کہ جس کا لحاظ نہ کیا گیا ہو۔ لہذا ان کے نزدیک حدیث میں مذکور مومنین کو جہنم سے نکلنے کا نظریہ غلط ہے۔
- ۴۔ جنت اور دوزخ میں داخلہ ہمیشہ کے لیے ہو گا۔ لوگ جہنم سے کبھی نہ نکل سکیں گے، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔

- ۵۔ جہنم کے کسی دور میں ٹھنڈا ہو جانے کا تصور قرآن میں کہیں موجود نہیں ہے۔ نیز یہ کہ  
 ۶۔ عقائد کی بنیاد لازماً قرآن پر ہونی چاہیے، یہاں اس خبر واحد کا عقیدہ قرآن کے بیانات  
 سے متناقض ہے، لہذا اس معاملے میں قرآن کے بیان کو حاکم سمجھا جائے گا۔<sup>4</sup>  
 مذکورہ بالا نکات کا تجزیہ ذیل کے صفحات میں پیش خدمت ہے۔

جناب امین احسن اصلاحی نے قرآن مجید اور حدیث میں تناقض کی جو صورت درج بالا  
 اشکالات کی صورت میں ترتیب دی ہے، یہ اختراعِ ذہنی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے ایسی  
 کوئی آیت کریمہ ذکر نہیں کی ہے جس میں صراحت کے ساتھ ان کے نظریات کی تائید ہوتی ہو۔  
 علاوہ ازیں جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعویٰ کہ عقائد کی بنیاد لازماً قرآن پر ہونی چاہیے، دعویٰ بلا  
 دلیل ہے۔ کسی دلیل نقلی و عقلی سے یہ بات ثابت نہیں ہے۔ خود قرآن کی قرآنیت کا ثبوت بھی  
 نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔

زیر نظر حدیث کے مضمون اور جناب اصلاحی کے اشکالات کا تعلق، اسلام کے ایک  
 بنیادی عقیدہ، عقیدہ آخرت کے مختلف پہلوؤں اور عوامل سے ہے۔ عقیدہ آخرت کا اصطلاحی مفہوم یہ  
 ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے فنا نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح باقی رہتی ہے، اور ایک  
 ایسا وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ اس کی روح کو جسم میں منتقل کر کے اسے دوبارہ زندہ کر دے گا، اور  
 پھر انسان کو اس کے نیک و بد اعمال کا حقیقی بدلہ دیا جائے گا۔ اس زندگی کا ایک اہم مرحلہ وزن  
 اعمال ہو گا۔ اچھے اعمال والے، نیک لوگوں کے لیے جنت ہوگی اور برے اعمال کے لوگوں کو جہنم  
 میں ڈالا جائے گا۔ دخولِ جنت و جہنم میں حدِ فاصل، ایمان ہے۔ ایمان ایک ایسی خصلت و صفت  
 ہے، جس سے احکام شرعیہ میں متعدد جوہری تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں۔

شرعاً "ایمان" سے مراد خدا کے وجود و وحدانیت کی تصدیق کرنا، خدا کے آخری نبی  
 ﷺ کی تصدیق کے ساتھ ان سب باتوں کے حق ہونے کا یقین کرنا، جو آپ ﷺ کے ذریعہ ہم

تک ضروری طور سے پہنچ گئی ہیں۔ جیسے وجودِ انبیاء، کتبِ سماوی، ملائکہ، آنحضرت کا خاتم النبیین ہونا، تقدیرِ خداوندی، عذابِ قبر، قیامِ قیامت، فرضیتِ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وغیرہ۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار یا تحریفی تاویل مرادفِ کفر ہوگی۔<sup>5</sup>

ایمان عقیدہ و دین کی اصل بنیاد ہے، اور اعمال و جوارح، اس کی فروع اور شاخیں ہیں۔ اصل ایمان دل کی تصدیق کا نام ہے۔ زبان سے اقرار کرنا، اجرائے احکامِ اسلام کے لیے شرط ہے کہ آدمی کا مسلمان ہونا زبانی اقرار سے ہی معلوم ہو گا۔ ایک شخص دل سے تصدیق کرتا ہے اور زبان سے اقرار نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مسلمان ہے۔<sup>6</sup> اعمالِ صالحہ نماز، روزہ وغیرہ ایمان کے اجزائے ترکیبی نہیں۔ یعنی ایسے اجزاء نہیں کہ ان اعمال کے نہ کرنے سے آدمی کافر ہو جائے۔ ان اعمال سے ایمان کو زینت اور رونق حاصل ہوتی ہے اور ایمان کامل اور مکمل ہوتا ہے۔<sup>7</sup> امام ابوحنیفہ، شیخ ابو منصور ماتریدی، شیخ ابوالحسن اشعری، اکثر محدثین و فقہاء اور متکلمین کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے، جس کی حقیقت تصدیقِ قلبی ہے، تصدیقِ لسانی (نفاذ احکامِ اسلامی کے لیے یا بوقتِ مطالبہ) شرط یا رکنِ زائد ہے۔ اعمالِ جوارح، خلودِ نار سے بچنے کے واسطے، نیز ترقیِ ایمان و دخولِ اولیٰ، جنت کے لیے ضروری ہیں۔ ان کی حیثیت وہ ہے جو فروع کی اصل کے ساتھ ہوتی ہے۔ تارکِ عمل اور مرتکبِ کبیرہ، مومنِ فاسق ہے۔ فسق کے باعث عذابِ جہنم کا سزاوار اور ایمان کی وجہ سے دخولِ جنت کا مستحق اور خلودِ نار سے محفوظ ہو گا۔<sup>8</sup>

اعمالِ صالحہ کی کمی بیشی کی وجہ سے لوگوں کے ایمانی مراتب مختلف ہو سکتے ہیں۔ کسی بد عملی اور گناہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا۔ لیکن ایسی بد عملی جو اماراتِ کفر و علامتِ تکذیب ہو، آدمی کو دائرۃ اسلام سے خارج کر دیتی ہے، مثلاً بُت کو سجدہ کرنا، قرآنِ حکیم کو نجاست میں ڈالنا یا کسی طریقہ سے اس کی توہین کرنا، تکذیب کی علامت ہونے کی بنا پر کفر ہے۔<sup>9</sup>

امام نووی کا قول:

وَاعْلَمُ أَنَّ مَذْهَبَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَمَا عَلَيْهِ أَهْلُ الْحَقِّ مِنَ السَّلَفِ

وَالْخَلْفَ أَنْ مَنْ مَاتَ مُوَحَّدًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَطْعًا عَلَى كُلِّ حَالٍ .  
فَإِنْ كَانَ سَالِمًا مِنَ الْمَعَاصِي كَالصَّغِيرِ ، وَالْمَجْنُونِ وَالَّذِي  
اتَّصَلَ جُنُونَهُ بِالْبُلُوغِ ، وَالتَّائِبِ تَوْبَةً صَحِيحَةً مِنَ الشُّرْكِ أَوْ  
غَيْرِهِ مِنَ الْمَعَاصِي إِذَا لَمْ يُحْدِثْ مَعْصِيَةً بَعْدَ تَوْبَتِهِ ، وَالْمُؤَفَّقِ  
الَّذِي لَمْ يُبْتَلِ بِمَعْصِيَةٍ أَصْلًا ، فَكُلُّ هَذَا الصَّنْفِ يَدْخُلُونَ  
الْجَنَّةَ ، وَلَا يَدْخُلُونَ النَّارَ أَصْلًا ، لَكِنَّهُمْ يَرُدُّونَهَا عَلَى الْخِلَافِ  
الْمَعْرُوفِ فِي الْوُرُودِ . وَالصَّحِيحُ أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الْمُرُورَ عَلَى  
الصِّرَاطِ وَهُوَ مَنْصُوبٌ عَلَى ظَهْرِ جَهَنَّمَ . أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهَا وَمِنْ  
سَائِرِ الْمَكْرُوهِ .

وَأَمَّا مَنْ كَانَتْ لَهُ مَعْصِيَةٌ كَبِيرَةٌ وَمَاتَ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ فَهُوَ فِي  
مَشِيئَةِ اللَّهِ تَعَالَى : فَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ أَوَّلًا وَجَعَلَهُ  
كَالْقِسْمِ الْأَوَّلِ ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ الْقَدَرُ الَّذِي يُرِيدُهُ سُبْحَانَهُ  
وَتَعَالَى ، ثُمَّ يَدْخُلُهُ الْجَنَّةَ فَلَا يَخْلُدُ فِي النَّارِ أَحَدٌ مَاتَ عَلَى  
التَّوْحِيدِ وَلَوْ عَمِلَ مِنَ الْمَعَاصِي مَا عَمِلَ . كَمَا أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ  
الْجَنَّةَ أَحَدٌ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ وَلَوْ عَمِلَ مِنْ أَعْمَالِ الْبِرِّ مَا عَمِلَ .  
هَذَا مُخْتَصَرٌ جَامِعٌ لِمَذْهَبِ أَهْلِ الْحَقِّ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ . وَقَدْ  
تَظَاهَرَتْ أَدِلَّةُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعُ مَنْ يُعْتَدُّ بِهِ مِنَ الْأُمَّةِ  
عَلَى هَذِهِ الْقَاعِدَةِ ، وَتَوَاتَرَتْ بِذَلِكَ نُصُوصٌ تَحْصِلُ الْعِلْمَ  
الْقَطْعِيَّ . فَإِذَا تَقَرَّرَتْ هَذِهِ الْقَاعِدَةُ حُمِلَ عَلَيْهَا جَمِيعُ مَا وَرَدَ  
مِنْ أَحَادِيثِ الْبَابِ وَغَيْرِهِ . فَإِذَا وَرَدَ حَدِيثٌ فِي ظَاهِرِهِ مُخَالَفَةٌ  
وَجَبَّ تَأْوِيلُهُ عَلَيْهَا لِيَجْمَعَ بَيْنَ نُصُوصِ الشَّرْعِ ، وَسَنَدُكُرِّ مِنْ  
تَأْوِيلِ بَعْضِهَا مَا يُعْرَفُ بِهِ تَأْوِيلَ الْبَاقِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .  
وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

وَأَمَّا شَرْحُ أَحَادِيثِ الْبَابِ فَتَتَكَلَّمُ عَلَيْهَا مُرْتَبَةً لَفْظًا وَمَعْنَى  
إِسْنَادًا وَمَثْنًا. <sup>10</sup>

(اہل سنت کا مذہب یہی ہے، اور سلف و خلف بھی اسی موقف کے قائل ہیں کہ جس مسلمان کی وفات توحید کے عقیدے پر ہوئی، وہ بہر حال ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور داخل کیا جائے گا۔ اگر وہ گناہوں سے محفوظ ہوا جیسے چھوٹا بچہ اور مجنون،۔۔۔ اور شرک و معاصی سے صحیح اور سچی توبہ کرنے والا، جب کہ اس نے توبہ کے بعد معصیت کا ارتکاب نہ کیا ہو، اور وہ شخص جو معصیات سے ہمیشہ دُور رہا، ان تمام اقسام کے لوگ ابتدا ہی سے جنت میں جائیں گے اور جہنم میں داخل ہی نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم اور دیگر ناپسندیدہ چیزوں سے بچائے۔

ہاں جس شخص نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا، اور بغیر توبہ کیے فوت ہو گیا، تو وہ اللہ کی مشیت میں آگیا، چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے شروع ہی سے معاف کر دیں اور اسے ابتدا ہی سے جنت میں داخل کر دیں، تو وہ پہلی قسم کی طرح ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ چاہے تو انہیں جس قدر چاہے عذاب دے دے۔ اور (عذاب سے گزارنے کے بعد) انہیں جنت میں داخل کر دے۔ اس لیے کہ جس کی موت توحید پر ہوئی، اسے ہمیشگی کا عذاب نہ ہو گا۔ چاہے اس نے کتنے ہی معاصی کیوں نہ کیے ہوں۔ اسی طرح وہ شخص جس کی موت کفر پر ہوئی، کبھی جنت میں داخل نہ ہو گا، چاہے اس نے کتنے ہی نیک اعمال کیوں نہ کیے ہوں۔

اس مسئلہ میں اہل حق کے موقف کا یہ مختصر بیان ہے۔ اور اس قاعدہ پر کتاب و سنت اور اجماع کے بہت سے دلائل موجود ہیں۔ اور ان

کے نصوص تو اتر کے ساتھ اس میں منقول ہیں۔ یہ قاعدہ چوں کہ ثابت شدہ ہے، اس لیے اس باب میں وارد ہونے والی تمام احادیث کو اس پر لاگو کیا جائے گا۔ اگر کوئی حدیث اس قاعدہ کے بظاہر خلاف نظر آئے گی، تو اس کی تاویل کی جائے گی تاکہ نصوص شرعیہ کو جمع کیا جاسکے۔

### مومن مجرمین اور کافر مجرمین کے انجامِ آخرت میں فرق

مجرمین کی دو قسمیں ہیں، مومن و مسلمان مجرمین اور کافر، مشرک اور منافق مجرمین، ان دونوں کا معاملہ اللہ کے ہاں جداگانہ ہے۔ نافع بن ازرق، مشہور معتزلی کا ایک مکالمہ، "انوار الباری" میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک اہل سنت عالم سے پوچھا کہ آخرت میں کفار کس جگہ جائیں گے؟ اس نے کہا دوزخ میں۔ پوچھا مومن کہاں جائیں گے؟ کہا ان کی دو قسم ہیں، نیک جنت میں جائیں گے اور مومن فاسق فاجر کو خدا چاہے گا تو گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا اور چاہے گا تو ایمان کی وجہ سے اس کی بخشش فرمادے گا۔ اس نے پھر کہا کہ آخر تم نے اس کے لیے کون سی جگہ متعین کی؟ اس نے کہا مجھے اس کے لیے کوئی ایک جگہ طے کرنے کا کوئی حق نہیں بلکہ اس کے فیصلے کو خدا کی طرف موخر کرتا ہوں۔<sup>11</sup>

امام ابو حنیفہ کی مشہور محدث عثمان بتی کے نام ایک تحریر بہت اہم ہے، جس کی تمہید میں ایمان و اسلام، عقیدہ و عمل کے بارے میں کچھ اصولی باتیں تحریر فرمائیں اور آخر میں لکھا کہ "میرا قول یہ ہے کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے۔ جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے، وہ مومن اور جنتی ہے، جو ایمان و اعمال کا تارک ہے، وہ کافر اور دوزخی ہے، جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں، وہ مسلمان ضرور ہے مگر گناہ گار مسلمان ہے، خدا کو اختیار ہے اس پر عذاب کرے یا معاف کر دے۔"<sup>12</sup>

علامہ انور شاہ کشمیری نے ایک محدث کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایمان کا اطلاق اس چیز پر بھی



ہوتا ہے جو اساس و بنیاد ہے نجات کے لیے، اور اس پر بھی ہوتا ہے جو ایمانِ کامل اور پوری نجات کا ضامن ہے، اور اس بات میں بھی کسی کا خلاف نہیں ہے۔<sup>13</sup>

مومن کے ہر نیک عمل کا قبول ہونا ضروری نہیں اور ہر برے عمل کا معاف ہونا ضروری نہیں۔ نیک عمل شرائطِ قبولیت کے ساتھ کیا گیا ہو اور اسے باطل نہ کیا ہو، یہاں تک کہ ایمان پر خاتمہ ہو گیا ہو، اللہ تعالیٰ ایسے عمل کو قبول فرمائیں گے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ پر لازم اور ضروری نہیں ہے۔ برے عمل کے بعد شرائطِ توبہ کے ساتھ توبہ کی گئی ہو تو اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرمالتے ہیں، مگر یہ ان پر لازم اور ضروری نہیں۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ يَغْفِرُ لِمَن يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ<sup>14</sup>

(آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے) لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ<sup>15</sup> (وہ اپنے کاموں کے لئے کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔، اور مزید یہ کہ وہ فَعَالٌ لَّمَّا يُرِيْدُ<sup>16</sup> (جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے)

شرح عقائد میں ہے: و يجوز العقاب على الصغيرة والعفو عن الكبيرة<sup>17</sup> (اللہ تعالیٰ چاہیں تو کسی چھوٹے گناہ پر پکڑ لیں، اور چاہیں تو کسی بڑے گناہ کو اپنی رحمت سے معاف فرمادیں)

کافر مجرمین کا ذکر اس آیت میں موجود ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفْتَحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمٰوٰتِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلْبَسَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۗ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ<sup>18</sup>

(جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر سے نہ چلا جائے اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں)

## ۲۔ یہود کا من گھڑت عقیدہ اور حدیث کا مفہوم

یہود کے من گھڑت عقیدہ کا ذکر قرآن حکیم کی اس آیت میں موجود ہے، جس کا حدیث میں موجود گناہ گار مومن کے جہنم سے نکلنے کے بیان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔  
 وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا، تِلْكَ آمَانِيهِمْ، قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ<sup>19</sup> (یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا، یہ صرف ان کی آرزویں ہیں، ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلافات اور ایک دوسرے پر رڈ کا ذکر فرما کر ان کی نادانی اور اس اختلاف کے مضر اثرات کا بیان کیا ہے۔

## ۳۔ آخرت میں میزان کا قائم ہونا، اعمال کا وزن اور حساب کتاب۔

### اسلامی عقیدہ

آخرت میں میزان کے قائم ہونے، اور اعمال کے وزن کے بارے میں اسلامی عقیدے کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

وزن اعمال سے متعلق ارشاد ہوا:

وَالْوِزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ<sup>20</sup>  
 (اور تول اس دن ٹھیک ہوگی پھر جس کی تولیس بھاری ہوئیں سو وہی ہیں)

(نجات پانے والے)

بخاری و مسلم میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بعض موٹے فر بہ آدمی آئیں گے جن کا وزن اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا، اور اس کی شہادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی، فلا نقیم لهم يوم القيامة وزنا، یعنی قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قرار نہ دیں گے۔<sup>21</sup>

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ حدیث آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی ٹانگیں ظاہر میں کتنی پتلی ہیں لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قیامت کی میزان عدل میں ان کا وزن اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ ہوگا۔<sup>22</sup>

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس پر امام بخاری نے اپنی کتاب کو ختم کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ<sup>23</sup> (دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے ہیں مگر میزان عمل میں بہت بھاری ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں، اور وہ کلمے یہ ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم)

حضرت عبد اللہ ابن عمر، رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ سبحان اللہ کہنے سے میزان عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے، اور الحمد للہ سے باقی آدھا پورا ہو جاتا ہے۔<sup>24</sup>

ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزان عمل میں حُسنِ خلق کے برابر کوئی

عمل وزنی نہیں ہوگا۔<sup>25</sup>

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ایسے دو کام بتاتا ہوں جن پر عمل کرنا انسان کے لئے کچھ بھاری نہیں، اور میزانِ عمل میں وہ سب سے زیادہ بھاری ہوں گے، ایک حُسنِ خلق، دوسرے زیادہ خاموش رہنا، یعنی بلا ضرورت کلام نہ کرنا۔<sup>26</sup>

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزہد میں بروایت حضرت حازم رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ جبرئیل امین تشریف لائے تو وہاں کوئی شخص خوفِ خدا تعالیٰ سے رو رہا تھا، تو جبرئیل نے فرمایا کہ انسان کے تمام اعمال کا تو وزن ہو گا مگر خدا و آخرت کے خوف سے رونا ایسا عمل ہے جس کو تو لانا نہ جائے گا، بلکہ ایک آنسو بھی جہنم کی بڑی سے بڑی آگ کو بجھا دے گا۔<sup>27</sup> ایک حدیث کے مطابق لوگوں کو دین کے احکام و مسائل بتلانا یا سکھانا وزن میں اضافے کا سبب بنے گا۔<sup>28</sup>

مذکورہ بالا احادیث سے عیاں ہے کہ بعض معمولی اعمال کا اجر، اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دنیاوی پیمانوں سے ناپ کر مفہوم حدیث پر اعتراضات وارد نہیں کیے جاسکتے۔ قیامت کے وزن اعمال کے سلسلہ میں اس طرح کی متعدد روایات حدیث موجود ہیں۔

اور مسند، بزار اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو اپنے لڑکوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تمہیں کلمہ لا الہ الا اللہ کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ اگر ساتوں آسمان اور زمین ایک پلہ میں اور کلمہ لا الہ الا اللہ دوسرے پلہ میں رکھ دیا جائے تو کلمہ کا پلہ بھاری رہے گا، اسی مضمون کی روایات حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس اور

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم سے معتبر سندوں کے ساتھ کتب حدیث میں منقول ہیں<sup>29</sup>۔

ان تمام آیات و روایات کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن مسلمان کا پلہ بھی کبھی بھاری کبھی ہلکا ہوگا، اس لئے بعض علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں وزن دو مرتبہ ہوگا، اول کفر و ایمان کا وزن ہوگا، جس کے ذریعہ مؤمن، کافر کا امتیاز کیا جائے گا۔ اس وزن میں جس کے نامہ اعمال میں صرف کلمہ ایمان بھی ہے اس کا پلہ بھاری ہو جائے گا، اور وہ کافروں کے گروہ سے الگ کر دیا جائے گا، اور اسی کے مطابق اس کو جزاء و سزاء ملے گی، اس طرح تمام آیات اور روایات کا مضمون اپنی اپنی جگہ درست اور مربوط ہو جاتا ہے<sup>30</sup>۔

## ۴۔ جنت و جہنم کی حقیقت، اس میں داخل ہونا اور نکلنا

اصلاحی صاحب کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی اشارہ تک نہیں کہ دوزخ میں داخل کیے جانے کے بعد کسی مجرم کو اس میں سے نکالا جائے گا۔ خلود فی النار کا ذکر بڑے محکم الفاظ میں ہے<sup>31</sup>۔

جنت و دوزخ میں داخلہ ہمیشہ کے لیے ہوگا، یا عارضی، اس میں کچھ تفصیل ہے۔

جنت حق ہے، اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے انعام کی جگہ ہے۔ اس کی لبائی چوڑائی بے حد و حساب ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ وَمَسَارِعُهَا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ ۗ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ<sup>32</sup> (اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو، جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے) جنت دائی ہے اور اہل جنت اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جو ایک مرتبہ جنت میں داخل ہو جائے گا وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔ (لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ<sup>33</sup> نہ تو وہاں انھیں کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے)

## جنت میں داخلہ کا استحقاق

تمام اہل جنت کا جنت میں داخلہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت و کرم سے ہو گا، جنت میں کسی کا داخلہ اللہ تعالیٰ پر واجب اور ضروری نہیں۔ قرآن حکیم کی کئی آیات اس پر دال ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ<sup>34</sup> (وہ اپنے کاموں کے لئے کسی کے

آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں)

ایک مشہور حدیث ہے۔ قَارِبُوا وَسَدُّوا وَاَعْلَمُوا أَنَّهُ لَنْ يَنْجُو أَحَدٌ مِنْكُمْ بِعَمَلِهِ

قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْتَ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ<sup>35</sup> (کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا، لوگوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کو بھی نہیں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و رحمت (کے دامن) میں ڈھانپ لے اس لئے تم میانہ روی اختیار کرو، اور اللہ کا قرب طلب کرو۔)

جنت کافر و مشرک پر حرام ہے۔ کوئی کافر، مشرک اور منافق ہرگز جنت میں داخل

نہیں ہو گا۔

قرآن مجید کی آیات اور بہت سی روایات حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دنیا دار العمل،

اور آخرت دارالجزاء ہے۔ دنیا میں کیا جانے والا عمل شریعت کے مطابق ہے تو حسنہ اور اس کے

برعکس ہے تو سیئہ۔ یوم محشر، مسلمان کی حسنات اور سیئات کو تولا جائے گا۔ کسی کی حسنات کا پلہ

بھاری ہو گا، کسی کے گناہوں کا، جس کی حسنات کا پلہ بھاری رہے گا وہ نجات پائے گا، جس کی سیئات

اور گناہوں کا پلہ بھاری ہو گا اس کو عذاب ہو گا۔

مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت میں ہے:

۱۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۚ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۚ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ<sup>36</sup>

(ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے اس لئے کسی شخص پر ادنیٰ ظلم نہیں ہو گا جو بھلائی یا بُرائی ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی نے کی ہے وہ سب میزانِ عمل میں رکھی جائے گی، اور ہم حساب کے لئے کافی ہیں)

۲۔ اور سورہ قارعہ میں ہے:

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۖ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۖ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۖ فَأُمَّةٌ هَاوِيَةٌ ۖ<sup>37</sup>

(جس کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہو گا وہ عمدہ عیش میں رہے گا، اور جس کا پلہ نیکی کا ہلکا ہو گا اس کا مقام دوزخ ہو گا)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا کہ جس مؤمن کا پلہ حسنت کا بھاری ہو گا وہ اپنے اعمال کے ساتھ جنت میں اور جس کا پلہ گناہوں کا بھاری ہو گا وہ اپنے اعمال کے ساتھ جہنم میں بھیج دیا جائے گا<sup>38</sup>

۳۔ جنت میں اولین داخلہ کی بنیاد ایمان اور اعمالِ صالحہ ہی ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رَّزَقُوا ۖ قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۗ

وَأَتْوَاهُ بِهِ مُتَشَابِهًا ۚ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۚ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ<sup>39</sup>

(اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو جنت کی خوشخبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ جب کبھی وہ پھلوں کا رزق دیئے جائیں گے اور ہم شکل لائے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ان کے لئے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ

رہنے والے ہیں)

صاحبِ معارف القرآن، نے تفسیر روح البیان اور تفسیر قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہاں مومنین کو جنت کی بشارت دینے کے لئے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی بھی قید لگائی ہے کہ ایمان بغیر عمل صالح کے انسان کو اس بشارت کا مستحق نہیں بناتا اگرچہ صرف ایمان بھی جہنم میں خلود اور دوام سے بچانے کا سبب ہے اور مؤمن کتنا بھی گنہگار ہو کسی نہ کسی وقت میں وہ جہنم سے نکالا جائے گا اور جنت میں پہنچے گا مگر عذاب جہنم سے بالکل نجات کا بغیر عمل صالح کے کوئی مستحق نہیں ہوتا۔

### جنت میں خلود کی خوش خبری

جنت میں ایمان و عمل صالح و تقویٰ والوں کے لیے خلود کی خوش خبری ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

۱- وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ<sup>40</sup> (اور

جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے)

۲- قُلْ أُو۟نَّبِئُكُم بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۖ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ

بِالْعِبَادِ<sup>41</sup> (آپ کہہ دیجئے! کیا میں تمہیں اس سے بہت ہی بہتر چیز نہ بتاؤں؟ تقویٰ

والوں کے لئے ان کے رب تعالیٰ کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں

جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، سب

بندے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں)

اس مضمون کی دیگر آیات قرآن حکیم میں موجود ہیں۔<sup>42</sup>



جنت کے حرام ہونے اور جہنم کے ٹھکانہ ہونے کا ذکر کفار کے لیے ہے۔  
 جنت کے حرام ہونے اور جہنم کے ٹھکانے ہونے کا ذکر کفار و منافقین کے لیے ہے۔  
 خلود فی النار بھی صرف کفار و منافقین کے لیے ہے۔ شامتِ اعمال کے سبب دوزخ میں ڈالے  
 جانے والے مومن کی سزا ہمیشہ کے لیے نہیں ہوگی۔ ارشاد ہوا!

۱- وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ  
 اللَّهُ ۖ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَيَ الْكٰفِرِينَ<sup>43</sup> (اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں  
 گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا  
 ہے جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کے لئے بندش کر  
 دی ہے)

۲- إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنْتُمْ لَهَا وَرِدُونَ<sup>44</sup> (تم اور اللہ کے  
 سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن بنو گے، تم سب دوزخ میں  
 جانے والے ہو)

۳- يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ<sup>45</sup> یہ عذاب کی جلدی مچا  
 رہے ہیں اور (تسلی رکھیں) جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے)

۴- لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ بَنِيَّ إِسْرَائِيلَ  
 اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ  
 النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ<sup>46</sup> (بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح  
 ابن مریم ہی اللہ ہے، حالانکہ خود مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت  
 کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا  
 ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور گناہگاروں کی

مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا)

۵- وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ<sup>47</sup> (اور جو انکار

کر کے ہماری آیتوں کو جھٹلائیں، وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے)

۶- فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ<sup>48</sup> (پس اب تو

ہمیشگی کے طور پر تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ پس کیا ہی برا ٹھکانا ہے غرور

کرنے والوں کا)

۷- يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوكَ مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِمُخْرِجِينَ مِنْهَا ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِمٌ<sup>49</sup> (یہ

چاہیں گے کہ وہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہیں نکل سکیں

گے، ان کے لئے دوائی عذاب ہیں)

تیسری آیت میں یہ بھی واضح کر دیا کہ کفار کا یہ عذاب دائمی ہوگا، جس سے وہ کبھی

نجات نہ پائیں گے۔

اس مضمون کی دیگر آیات قرآن حکیم میں موجود ہیں۔<sup>50</sup>

۸- قرآن حکیم میں جہاں، جہنم میں چند دن رہنے کے باطل گمان کا ذکر کیا گیا ہے، ان

مقامات پر مراد کفار ہی ہیں، چاہے وہ مشرکین میں سے ہوں یا یہود و نصاریٰ میں سے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ نَّمَسَّ النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَتٍ ۚ وَغَرَّهٖمْ فِيْ

دِيْنِهِمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ<sup>51</sup>

(اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گئے چنے چند دن ہی آگ جلائے گی،

ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے

میں ڈال رکھا ہے)

سورہ توبہ میں متعدد مقامات پر منافقین کے خلود فی النار کا ذکر ہے۔

۹- شفاعت کی تردید بھی کفار کے لیے ہے۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ <sup>52</sup> (انہوں نے اللہ کے ہمسر بنائے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ خیر مزے کر لو تمہاری بازگشت تو آخر جہنم ہی ہے)

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا <sup>53</sup>

(کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں؟ کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنا لیں گے؟) (سنو) ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے) کفار جہنم میں تخفیف کی درخواست کریں گے، جو مانی نہیں جائے گی۔

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ <sup>54</sup> (اور) (تمام) جہنمی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے)

جہنم کا عذاب کافروں کے لیے دائمی یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو گا، گنہ گار مسلمانوں کے لیے عارضی عذاب ہو گا، وہ اگر اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئے تو ایک نہ ایک دن ضرور نکال لیے جائیں گے اور بالآخر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْذُوزٍ <sup>55</sup> (لیکن جو نیک بخت

کئے گئے وہ جنت میں ہونگے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین

باقی رہے مگر جو تیرا پروردگار چاہے یہے انتہا بخش ہے)

مفسر قرآن، علامہ شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے کہ ان آیات کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ جس قدر مدت آسمان و زمین دنیا میں باقی رہے اتنی مدت تک اشیاء دوزخ میں اور سعداء جنت میں رہیں گے مگر جو اور زیادہ چاہے تیرا رب، وہ اسی کو معلوم ہے۔ کیونکہ ہم جب طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑی مدت یہ ہی خیال میں آتی ہے۔ اسی لیے "مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ" وغیرہ الفاظ محاورات عرب میں دوام کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بولے جاتے ہیں۔ باقی دوام و ابدیت کا اصلی مدلول جسے لامحدود زمانہ کہنا چاہیے وہ حق تعالیٰ ہی کے علم غیر متناہی کے ساتھ مختص ہے۔ جس کو "مَا شَاءَ رَبُّكَ" سے ادا کیا۔

۲۔ دوسرے معنی آیت کے یہ ہو سکتے ہیں کہ لفظ (مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ) ہود (۱۱:۱۰۷) آسمان و زمین سے آخرت کا زمین و آسمان مراد لیا جائے۔ جیسے فرمایا (يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ) ابراہیم (۱۴:۲۸) مطلب یہ ہوا کہ اشیاء دوزخ اور سعداء جنت میں اس وقت تک رہیں گے جب تک آخرت کے زمین و آسمان باقی رہیں، یعنی ہمیشہ۔ مگر جو چاہے تیرا رب تو موقوف کر دے، وہاں ہمیشہ نہ رہنے دے۔ کیونکہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خلود بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے۔ لیکن وہ چاہ چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب اور اہل جنت کا ثواب کبھی موقوف نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا (وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ) البقرة (۲:۱۶۷) اور (يُرِيدُونَ أَن يُخْرِجُوكَ مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ) المائدہ (۵:۳۷) اور (إِنَّا لِلَّهِ يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَهُ لِكُلِّ مَنِيْلَةٍ) النساء (۴:۳۸) 56

گناہ گاراہل توحید مسلمان

علامہ شبیر احمد عثمانی کی رائے میں، جو مسلمان گناہوں کی بدولت دوزخ میں ڈالے جائیں گے (العیاذ باللہ) ان کے متعلق احادیث صحیحہ نے ہم کو خدا کی مشیت پر مطلع کر دیا ہے کہ ایک

دن ضرور ان کو نکال کر جنت میں پہنچائیں گے جہاں سے کسی جنتی کو کبھی نکلنا نہیں۔ شاید اسی لحاظ سے جنتیوں کے ذکر میں (عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْذُوذٍ) (ہودا: ۱۰۸) (خدا کی بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی) اور اشقیاء کے ذکر میں (إِنَّ رَبَّكَ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ) (ہودا: ۱۰۷) (بے شک تیرا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے) ارشاد ہوا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ بعض اشقیاء دوزخ سے نکالے جائیں گے مگر سعید کوئی جنت سے خارج نہ کیا جائے گا۔ (تنبیہ) "إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ" (مگر جو تمہارا پروردگار چاہے) سے متنبہ فرمادیا کہ خدا کے ہمیشہ رہنے اور مخلوق کے ہمیشہ رہنے میں فرق ہے، کسی مخلوق کا ہمیشہ رہنا کئی وجوہ کی بنا پر خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ جب چاہے فنا کر سکتا ہے۔ نیز یہ بتلا دیا کہ جزاء و سزا دینا اس کے اختیار و مشیت کے تابع ہے۔ "آریہ سماج" وغیرہ کے عقیدہ کے موافق وہ اس پر مجبور نہیں۔<sup>57</sup>

ایک حدیث ہے۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ وَقَالَ شُعْبَةُ أَخْرَجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً أَخْرَجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً أَخْرَجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً<sup>58</sup>

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہشام (راوی) نے کہا آگ سے نکالا جائے گا اور شعبہ کی روایت میں ہے آگ سے نکالو اس شخص کو جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اور اس کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔ اسے بھی جہنم سے نکال لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر ایمان ہے۔ اسے بھی جہنم سے نکالو جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا اور اس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے۔ شعبہ نے کہا اس کو بھی جس

کے دل میں جو کے برابر ایمان ہے۔)

صحیح مسلم کی ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاكَ مَنْ تَكَلَّمُ فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ  
مَا سَمِعْتُ أَحَدًا يَرْجِعُ إِلَيْكَ شَيْئًا قَالَ ذَاكَ جِبْرِيلُ عَرَضَ لِي فِي  
جَانِبِ الْحَرَّةِ فَقَالَ بَشِّرْ أُمَّتَكَ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا  
دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ يَا جِبْرِيلُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى قَالَ نَعَمْ قَالَ  
قُلْتُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى قَالَ نَعَمْ قَالَ قُلْتُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى  
قَالَ نَعَمْ وَإِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ<sup>59</sup>

(--- اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم پر قربان کرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حرہ کی طرف  
کون گفتگو کر رہا تھا میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا فرمایا وہ جبرائیل تھے جو حرہ  
میں میرے پاس آئے تو انہوں نے کہا اپنی امت کو خوشخبری دے دو جو اللہ  
کے ساتھ شرک کیے بغیر مر گیا جنت میں داخل ہو گا میں نے کہا اے  
جبرائیل اگرچہ اس نے چوری یا زنا کیا ہو کہا جی ہاں فرمایا میں نے کہا اگرچہ  
اس نے چوری اور زنا کیا اس نے کہا جی ہاں میں نے کہا اگرچہ اس نے چوری  
اور زنا کیا ہو اس نے کہا ہاں اگرچہ اس نے شراب پی۔)

صحیح مسلم کا ایک باب ہے، جس کا عنوان ہے، باب الدلیل علی أن من مات علی  
التوہید دخل الجنة قطعاً (اس بات کی دلیل کہ جو شخص، ایمان کی حالت میں مرا، وہ (ایک نہ  
ایک دن) جنت میں داخل ہو گا)۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان، کے ایک اور باب کا عنوان ہے:  
باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها (سب سے ادنیٰ درجہ کے جنتی کا بیان) اس کی حدیث نمبر ۲۸۰  
کے الفاظ ہیں: أَسْمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يُحَدِّثُنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ

يُخْرِجُ قَوْمًا مِنَ النَّارِ بِالشَّفَاعَةِ قَالَ نَعَمْ (کہا کہ کیا آپ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شفاعت کی بنا پر کچھ لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمائیں گے! انہوں نے فرمایا ہاں) صحیح مسلم کے کتاب الایمان، باب اذنی أهل الجنة منزلة فیہا (سب سے ادنیٰ

درجہ کے جنتی کا بیان) میں متعدد حدیثیں اسی مضمون کی ہیں۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں:  
عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَيُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ. (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک جماعت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سفارش سے آگے سے نکلے گی اور وہ لوگ پھر جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا نام جہنمین رکھا جائے گا)<sup>60</sup>

سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ ثُبُوتٍ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ وَبَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ نِصْفُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ لِأَنَّهَا أَعْمُ وَأَكْفَى أَتْرُونَهَا لِلْمُتَّقِينَ لَا وَلَكِنَّهَا لِلْمُذْنِبِينَ الْخَطَّائِينَ الْمُتَلَوِّثِي (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اختیار ملا ہے کہ یا شفاعت کروں یا میری آدمی امت کو جنت ملے اور آدمی دوزخ میں جائے تو میں نے شفاعت کو اپنایا کیونکہ وہ تو عام ہوگی کافی ہوگی اور تم سمجھتے ہو کہ میری شفاعت صرف پرہیزگاروں کیلئے ہوگی نہیں وہ ان سب سے پہلے ہوگی جو گناہگار خطاکار اور قصور وار ہوں گے)۔<sup>61</sup>

اللہ تبارک و تعالیٰ کی نظر سے اور میزان سے بھلائی کا کوئی ذرہ بچے گا نہیں، بلکہ خفت موازینہ کے نتیجہ میں دوزخ کا فیصلہ کیا جائے گا، لیکن شفاعت کے بعد اسے وہاں سے ایک نہ ایک

دن نکال دیا جائے گا۔

۵۔ اہل ایمان کا بد اعمالیوں کے سبب جہنم میں جانا

اہل ایمان میں سے جو لوگ بد اعمالیوں میں مشغول رہے، انہیں ان کی بد اعمالیوں کے سبب جہنم میں جانا پڑے گا۔ شیطان کی رفاقت اور اس کا اتباع، گمراہ کر کے عذابِ جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔

۱۔ كَتَبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ<sup>62</sup> (جس پر (قضائے الہی) لکھ دی گئی ہے کہ جو کوئی اس کی رفاقت کرے گا وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اسے آگ کے عذاب کی طرف لے جائے گا)

۲۔ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ<sup>63</sup> (تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔ وہ جواب دیں گے ہم نمازی نہ تھے۔)

۳۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعدِهِمْ خَلْفًا أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا<sup>64</sup> (پھر ان کے بعد ایسے اطاعت نہ کرنے والے پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا۔)

اس آیت کی تفسیر میں مفسر عثمانی کا کہنا ہے کہ جو لوگ دنیا کے مزوں اور نفسانی خواہشات میں پڑ کر خدا تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو گئے۔ نماز جو اہم العبادات ہے اسے ضائع کر دیا۔ اس طرح کہ بعض تو فرضیت ہی کے منکر ہو گئے۔ بعض نے فرض جانا مگر پڑھی نہیں۔ بعض نے پڑھی تو جماعت اور وقت وغیرہ شروط و حقوق کی رعایت نہ کی ان میں سے ہر ایک درجہ بدرجہ اپنی گمراہی کو دیکھ لے گا کہ کیسے خسارہ اور نقصان کا سبب بنتی ہے اور کس طرح کی بدترین سزا میں پھنساتی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض کو جہنم کی اس بدترین وادی میں دھکیلا جائے گا جس کا نام ہی "غی" ہے۔

۶۵۔



۴۔ فَاَمَّا مَنْ طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۗ۳۸۔ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاوِي ۗ۶۶ (تو جس شخص نے سرکشی کی (ہوگی) اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی۔ (اسکا) ٹھکانا جہنم ہی ہے)

۵۔ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيْمٍ ۗ۶۷ (اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہونگے)  
نماز نہ پڑھنا، سرکشی کرتے ہوئے دنیاوی زندگی کو ترجیح دینا، جان بوجھ کر تعدی اور ظلم کی راہ سے کسی مال ناحق لے لینا یا کسی کو ناحق قتل کرنا اور فسق و فجور میں مبتلا رہنا اور توبہ نہ کر سکنے کا نتیجہ دخولِ جہنم ہوگا۔

۵۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدُوْنَا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيْهِ نَارًا وَّكَانَ ذٰلِكَ عَلٰى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۗ۶۸ (اور جو شخص یہ (نافرمانیاں) سرکشی اور ظلم سے کرے گا تو عنقریب ہم اسکو آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے)

۶۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمَّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَاغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۗ۶۹ (اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

یہاں مومن مسلمان کو ناحق قتل کرنے والے کے لیے دائمی جہنم کے عذاب کا ذکر ہے، اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی، صاحب تفسیر بیان القرآن کا کہنا ہے کہ اللہ کا فضل ہے کہ یہ اصلی سزا جاری نہ ہوگی بلکہ ایمان کی برکت سے آخر کو نجات ہو جائے گی تمام اہل حق متفق ہیں کہ بجز کفر و شرک کے کوئی امر وجب خلود فی النار نہیں۔

۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفَّيْتُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْۤا فِیْمَ كُنْتُمْ ۗ۷۰ قَالُوْۤا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاَسِعَةً فَتُهَاجِرُوْۤا فِيْهَا ۗ۷۱ فَاُولٰٓئِكَ مَاوٰٓءُهُمْ جَهَنَّمُ ۗ۷۲ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ۗ۷۰ (جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب

فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے)

۸- ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًا. <sup>71</sup> (پھر ہم پرہیز گاروں کو توبہ چالیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔)  
آیت مذکور کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

یعنی ہر نیک و بد، مجرم و بری، اور مومن و کافر کے لیے حق تعالیٰ قسم کھا چکا اور فیصلہ کر چکا ہے کہ ضرور بالضرور دوزخ پر اس کا گزر ہو گا، کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ ہی دوزخ کو گیا ہے جسے عام محاورات میں "پل صراط" کہتے ہیں، اس پر لامحالہ سب کا گزر ہو گا خدا سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق وہاں سے صحیح سلامت گزر جائیں گے اور گنہگار الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ (العیاذ باللہ) پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق، نیز انبیاء ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے، اور آخر میں براہ راست رحم الرحیمین کی مہربانی سے وہ سب گنہگار جنہوں نے سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ پڑھا تھا۔ دوزخ سے نکالے جائیں گے، صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کی آگ میں ہر شخص کو داخل کیا جائے گا مگر صالحین پر وہ آگ برد و سلام بن جائے گی، وہ بے کھٹکے اس میں سے گزر جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں اس دخول کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں۔<sup>72</sup>

۹- وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا. <sup>73</sup>  
(اور جو یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کا عذاب پرے ہی پرے رکھ، کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے)

۱۰۔ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أُولَىٰ بِهَا صِلِيًّا<sup>74</sup> (پھر ہم انھیں بھی خوب جانتے ہیں جو جہنم کے داخلے کے زیادہ سزاوار ہیں۔)

بقول مفسر عثمانی، منکرینکے ہر فرقہ میں جو زیادہ بد معاش، سرکش اور اکڑ باز تھے، انھیں عام مجرموں سے علیحدہ کر لیا جائے گا۔ پھر ان میں بھی جو بہت زیادہ سزا کے لائق اور دوزخ کا حقدار ہو گا وہ خدا کے علم میں ہے اس کو دوسرے مجرموں سے پہلے آگ میں جھونکا جائے گا۔<sup>75</sup>

۱۱۔ وَلَا تَرْكَبُوا إِلَىٰ الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن أَوْلِيَاءَ ۗ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ<sup>76</sup> (دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہیں جھکنا ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی اور اللہ کے سوا اور تمہارا مددگار نہ کھڑا ہو سکے گا ورنہ تم مدد دیئے جاؤ گے)

آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ظلم و جور میں خود مبتلا ہونے کو تو دین و دنیا کی تباہی سبھی جانتے ہیں مگر ظالموں کی طرف ادنیٰ سا جھکاؤ اور میلان، ان سے راضی ہونا، ان پر اعتماد کرنا بھی انسان کو اسی بربادی کے کنارے لگا دیتا ہے۔ اس جھکاؤ اور میلان سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق صحابہ و تابعین کے چند اقوال منقول ہیں جن میں کوئی تعارض و اختلاف نہیں، سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ظالموں سے دوستی کرنا، ان کا کہنا ماننا، ان کی طرف کسی طرح کا بھی میلان رکھنا، ان کے اعمال و افعال کو پسند کرنا، ان سے مدد ہنت کرنا یعنی ان کے برے اعمال پر سکوت یا رضا کا اظہار کرنا، ان کی صحبت میں بیٹھنا، شکل و صورت اور فیشن اور رہن سہن کے طریقوں میں ان کا اتباع کرنا، یہ سب اسی ممانعت میں داخل ہے۔<sup>77</sup>

دنیا کے بعض ساتھی ابتداءً جہنم میں ہوں گے

مسلمان اہل توحید، جن کے لیے جنت کا فیصلہ ہو جائے گا، انہیں جب یہ معلوم ہو گا کہ ان کے بعض ساتھی، اپنے اعمال کے ہلکے ہونے کی بنا پر جہنم میں ہیں، تو وہ اللہ رب العزت سے مطالبہ کریں گے کہ انہیں اجازت دی جائے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو بھی جنت میں ساتھ لے جائیں،

اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْمُخْضِرِينَ<sup>78</sup> (اگر میرے رب کا احسان نہ

ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کئے جانے والوں میں ہوتا۔)

تفسیر عثمانی کے الفاظ ہیں: "یعنی اس جنتی کو اپنے ساتھی کا حال دکھلا دیا جائے گا کہ ٹھیک دوزخ کی آگ میں پڑا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر اسے عبرت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان یاد آئے گا۔ کہے گا، کم بخت! تو نے تو مجھے بھی اپنے ساتھ برباد کرنا چاہا تھا۔ محض اللہ کے احسان نے دستگیری فرمائی جو اس مصیبت سے بچالیا اور میرا قدم راہ ایمان و عرفان سے ڈگمگانے نہ دیا ورنہ آج میں بھی تیری طرح پکڑا ہوا آتا۔ اور اس دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا۔" <sup>79</sup>

## ۶۔ عقیدہ شفاعت کی حقیقت، اس کے احکام اور اقسام

شفاعت کے لفظی معنی ملنے یا ملانے کے ہیں اسی وجہ سے لفظ شفیع عربی زبان میں جوڑے کے معنی میں آتا ہے اور اس کے بالمقابل لفظ وتر بمعنی طاق استعمال کیا جاتا ہے اس لئے شفاعت کے لفظی معنی یہ ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اس کو قوی کر دیا جائے، یا بے کس اکیلے شخص کے ساتھ خود مل کر اس کو جوڑا بنا دیا جائے۔<sup>80</sup>

قیامت کے دن شفاعت بھی ہوگی، لیکن شفاعت نہ تو ہر کوئی کر سکے گا اور نہ ہی ہر کسی کی کر سکے گا۔ خاص لوگوں کو شفاعت کی اجازت ہوگی اور خاص لوگوں کے لیے ہوگی۔ سب سے بڑی اور سب سے پہلی شفاعت حضور اکرم ﷺ کی ہوگی، جس کو شفاعت کبریٰ کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں آپ ﷺ کے اسی استحقاق کو "مقام محمود" سے تعبیر کیا گیا ہے۔<sup>81</sup>  
آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

أَنَا سَيِّدُ وَوَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَأَوَّلُ

شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفِّعٍ<sup>82</sup> (قیامت کے دن میں حضرت آدم کی اولاد کا سردار

ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر کھلے گی اور سب سے پہلے میں شفاعت

کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔)

شفاعت صرف وہی لوگ کریں گے جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت ہوگی، بلا اجازت کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ علماء کرام نے شفاعت کئی اقسام بیان کی ہیں، ایک قسم شفاعت کی ان گنہ گاروں کے لیے ہوگی جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے اور یہ شفاعت انہیں جہنم سے باہر نکالنے کے لئے ہوگی۔<sup>83</sup>

صحیح بخاری کی روایت ہے: قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُفِّعْتُ فَقُلْتُ يَا رَبِّ أَدْخِلْ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ خَرَدَلَةٌ فَيَدْخُلُونَ ثُمَّ أَقُولُ أَدْخِلْ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَذْنَى شَيْءٍ فَقَالَ أَنَسٌ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَصَابِعِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ<sup>84</sup> (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا کہ اے پروردگار اس شخص کو بخش دے جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو چنانچہ وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے پھر میں عرض کروں گا اس شخص کو جنت میں داخل کر دے جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں گویا رسول اللہ کی انگلیوں کو دیکھ رہا ہوں (جن سے اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا)

نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنے اہل ایمان امتیوں کے لیے اللہ رب العزت سے سفارش کریں گے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے: -أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ<sup>85</sup> (سب سے زیادہ فیض یاب میری شفاعت سے قیامت کے دن وہ شخص ہو گا جو صدق دل سے یا اپنے خالص جی سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ دے)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے وَأُعْطِيَتِ الشَّفَاعَةَ (مجھے شفاعت کی اجازت دی گئی،) <sup>86</sup> اور ایک دوسری حدیث میں حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اس کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی) <sup>87</sup> کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا (ابوطالب) کا ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امید ہے قیامت کے دن انہیں میری شفاعت کچھ نفع دے جائے گی کہ وہ آگ کے درمیان درجہ میں کر دیئے جائیں گے کہ آگ ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھولنے لگے گا۔ <sup>88</sup>

شفاعت کے کئی مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ میزان و حساب کتاب سے قبل کا ہے کہ جب لوگ دیگر انبیاء سے عرض پرداز ہونے کے بعد آخر میں نبی ﷺ کے پاس پہنچیں گے اور آپ سجدے میں گر جائیں گے۔ اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ۔۔۔ ثُمَّ يُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهُ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ أُمَّتِي يَا رَبُّ أُمَّتِي يَا رَبُّ فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ مَا بَيْنَ الْمَصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِعِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَحَمِيرَ أَوْ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرَى۔۔۔ <sup>89</sup> (پھر حکم باری ہو گا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنے سر کو اٹھائے اور مانگے جو آپ مانگنا چاہتے ہیں جو شفاعت آپ کریں گے قبول کی جائے گی میں سجدے سے سر کو اٹھا کر امتی امتی کہوں گا حکم ہو گا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنی امت میں ان ستر ہزار لوگوں کو جن کا حساب کتاب نہیں ہو گا داہنے دروازے سے جنت میں داخل کر دیجئے اور ان کو بھی اختیار ہے جس دروازے سے چاہیں داخل ہو جائیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جنت کے ایک دروازہ کی چوڑائی اتنی ہے جیسا مکہ اور حمیر کے درمیان کا فاصلہ یا مکہ اور بصری کے درمیان کی مسافت)

یہ اس لیے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ يَدْعُو بِهَا

وَأُرِيدُ أَنْ أَخْتَبِي دَعْوَتِي شَفَاعَةَ لِأُمَّتِي فِي الْآخِرَةِ۔<sup>90</sup> (آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی نے اپنا اپنا مطلوب مانگ لیا یا یہ فرمایا کہ ہر نبی کی ایک دعا قبول ہوتی ہے، چنانچہ انہوں دعا کی اور مقبول بھی ہو گی (لیکن) میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے محفوظ کر لی ہے)

صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کر لئے ایک دعا ہوتی ہے جو ضرور قبول کی جاتی ہے تو ہر نبی نے جلدی کی کہ اپنی اس دعا کو مانگ لیا ہے اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے سنبھال رکھا ہے اور اگر اللہ نے چاہا تو میری شفاعت میری امت کے ہر اس آدمی کے لئے ہو گی جو اس حال میں مر گیا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہو۔<sup>91</sup>

اسی مرحلے کو ایک اور روایت میں آپ علیہ السلام نے زیادہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اس حدیث میں آتا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔ نبی کریم ﷺ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ایک مقرر کردہ حد تک اپنی امت کے لوگوں کو جنت میں داخل کریں گے، انہیں دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کریں گے، بعد ازاں مزید کو داخل فرمائیں گے۔ اسی طرح پھر مزید لوگوں کو جنت میں داخل کریں گے۔ حدیث کے ایک راوی قتادہ نے کہا کہ میں انس کو کہتے ہوئے سنا کہ میں (یعنی نبی ﷺ)، ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا یہاں تک کہ دوزخ میں کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، بجز ان کے جن کو قرآن نے روک رکھا ہو گا یعنی (قرآن کی رو سے) جن پر دوزخ میں ہمیشہ رہنا واجب ہے۔ انس کا بیان ہے کہ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی عسىٰ ان يبعثك ربك مقاما محمودا اور فرمایا کہ یہی مقام محمود ہے جس کا تمہارے نبی سے وعدہ کیا گیا تھا۔<sup>92</sup>

شفاعت کی اجازت انبیاء، اولیاء، علماء، شہداء، حفاظ، صلحاء، اور فرشتوں کو ہو گی۔ قرآن اور روزہ بھی سفارش کر سکیں گے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے بعض لوگ ایک گروہ کی سفارش کریں گے بعض ایک قبیلہ کی بعض ایک جماعت کی اور کچھ لوگ ایک ایک آدمی کی سفارش کریں گے یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔<sup>93</sup>

ایک حدیث پاک کے الفاظ ہیں: -فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ شَفَعْتَ الْمَلَائِكَةَ وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا- أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (پس پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، ملائکہ نے شفاعت کر لی، نبیوں نے اور مومنوں نے بھی شفاعت کر لی، اب صرف (مجھ) ارحم الراحمین کی ذات بچ گئی ہے) (جس نے حتمی شفاعت کرنی ہے)<sup>94</sup>

صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معرفة طریق الرویة، رقم الحدیث: ۱۲۶۷ ایک طویل حدیث ہے، اس کے بعض الفاظ ہیں:

--- قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو مومن نجات پا کر جنت میں چلے جائیں گے وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو جو دوزخ میں گرے پڑے ہوں گے ان کو چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس طرح جھگڑیں جس طرح کہ کوئی اپنا حق مانگنے کے لئے بھی نہیں جھگڑتا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے ہمارے رب یہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے ہمارے ساتھ حج کرتے تھے ان سے کہا جائے گا جن کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو ان لوگوں پر دوزخ حرام کر دی جائے گی پھر جنتی مسلمان بہت سی تعداد میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکلوا لائیں گے جن میں سے بعض کی آدھی پنڈلیوں کو اور بعض کو گھٹنوں تک دوزخ کی آگ نے جلا ڈالا ہو گا پھر جنتی لوگ کہیں گے اے اللہ اب ان لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں بچا جن کو دوزخ سے نکالنے کا تو نے حکم دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جاؤ اور جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی کوئی بھلائی ہے اسے بھی دوزخ سے نکال لاؤ پھر جنتی لوگ بہت سی تعداد میں لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے پھر اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے



اللہ جن لوگوں کو تو نے ہمیں دوزخ سے نکالنے کا حکم دیا تھا ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا پھر اللہ فرمائیں گے جاؤ جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر بھی اگر کوئی بھلائی ہے اسے بھی دوزخ سے نکال لاؤ جنتی لوگ پھر جائیں گے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے اللہ جن لوگوں کو تو نے ہمیں دوزخ سے نکالنے کا حکم دیا تھا ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جس کے دل میں تم ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی بھلائی پاؤ اسے بھی دوزخ سے نکال لاؤ جنتی لوگ پھر جائیں گے اور دوزخ سے بہت بڑی تعداد میں اللہ کی مخلوق کو نکال لائیں گے پھر اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے اللہ اب دوزخ میں بھلائی کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم مجھے اس حدیث میں سچانہ سمجھو تو یہ آیت پڑھ لو (إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضْعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا) 4- النساء: (40) اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرمائیں گے اور جو نیکی ہوگی اسے دوگنا فرمائیں گے اور اپنے پاس سے بہت سا ثواب عطا فرمائیں گے) اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فرشتوں نے شفاعت کر دی انبیاء علیہ السلام نے شفاعت فرمادی مومنوں نے شفاعت کر دی اور أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ کے علاوہ کوئی ذات بھی باقی نہ رہی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر آدمیوں کو جہنم سے نکالیں گے یہ وہ آدمی ہوں گے جنہوں نے کوئی بھلائی نہیں کی ہوگی اور یہ لوگ جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ایک نہر میں ڈالیں گے جو جنت کے دروازوں پر ہوگی جس کا نام نہر الحیاة ہے اس میں اتنی جلدی تروتازہ ہوں گے جس طرح کہ دانہ پانی کے بہاؤ میں کوڑے کچرے کی جگہ آگ آتا ہے تم دیکھتے ہو کبھی وہ دانہ پتھر کے پاس ہوتا ہے اور کبھی درخت کے پاس اور جو سورج کے رخ پر ہوتا ہے وہ زرد یا سبز اگتا ہے اور جو سائے میں ہوتا ہے وہ سفید رہتا ہے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایسے بیان فرما رہے ہیں گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگل میں جانوروں کو چراتے رہے ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ

لوگ اس نہر سے موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے نکلتے ہوں گے اور ان کی گردنوں میں سونے کے پٹے پڑے ہوئے ہوں گے جن کی وجہ سے جنت والے ان کو پہچان لیں گے اور ان کے بارے میں کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی عمل کے دوزخ سے آزاد فرمایا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے جنت میں داخل ہو جاؤ۔۔۔۔<sup>95</sup>

آیت کے الفاظ: لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا، (کوئی شخص باختیار خود کسی دوسرے کو محشر میں کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا نہ کسی کی تکلیف کو کم کر سکے گا)، اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ شفاعت کسی کی اپنے اختیار سے نہ ہوگی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی کی شفاعت کی اجازت نہ دیں، اس لئے اصل حکم کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ ہی اپنے فضل سے کسی کو شفاعت کی اجازت دیدے اور پھر شفاعت قبول فرمائے تو وہ بھی اسی کا حکم ہے،

حدیث مذکور کی وضاحت میں علامہ انور شاہ کشمیری سے منقول ہے کہ محض زبان سے کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں، جب تک دل میں اس کلمہ کی حقیقت جاگزیں نہ ہو، ایمان اگر ہے تو سزا بھگتنے کے بعد پھر بخشا جانا یقینی ہے۔ اس حدیث میں متعدد چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ کم سے کم مقدار میں بھی اگر ایمان قلب میں موجود ہے، تو آخرت میں اس کا فائدہ ضرور حاصل ہوگا۔ حدیث میں خیر سے ایمان مراد ہے۔<sup>96</sup>

## نجات کے لیے عمل کی اہمیت

اس ساری بحث سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جب اعمال پر مدار نہیں، نجات محض اس کے فضل و کرم پر ہے تو ہم اصلاح اعمال، تکمیل اخلاق، اور واجبات اسلام کی ادائیگی میں تساہل برتنے لگیں، کیوں کہ ہم سے مطالبہ پوری فرماں برداری کا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السَّلَامِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوبَ

الشَّيْطَانِ، إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ<sup>97</sup>

(ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ<sup>98</sup>

(کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں)

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا<sup>99</sup> (یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انھیں بناتے ہیں جو متقی ہوں)

وہ شخص حقیقت میں کامیاب ہوا جس نے اپنے اعمال و کردار کے ذریعے دوزخ سے

دوری اور جنت کے دخول کی سعادت حاصل کر لی

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ، وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ، وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ<sup>100</sup> (ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے، پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بیشک وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جنس ہے)

صاحب تفسیر معارف القرآن کے الفاظ ہیں:

"---- اس کی رو سے کامیاب صرف وہ شخص ہے جس کو دوزخ سے

چھٹکارا مل جائے اور جنت میں داخل ہو جائے خواہ ابتداء ہی جیسا کہ صلحاء و

عباد کے ساتھ معاملہ ہو گا یا کچھ سزا بھگتنے کے بعد جیسا کہ گنہ گار مسلمانوں

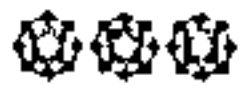
کے ساتھ ہوگا، مگر مسلمان سب کے سب آخر کار جہنم سے نجات پا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت کی راحتوں اور نعمتوں کے مالک بن جائیں گے، بخلاف کفار کے کہ ان کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔" 101

جن روایات میں یہ مذکور ہے کہ بعض لوگوں کو صرف کلمہ ایمان کی بدولت نجات ہو جائے گی اور سب گناہ اس کے مقابلہ میں معاف ہو جائیں گے، یہ اسی استثنائی صورت سے متعلق ہیں جو عام ضابطہ سے الگ مخصوص فضل و کرم کا مظہر ہے۔ جس کا انکار قرآن و سنت کی متعدد صریح نصوص کے انکار کے مترادف ہے، جو جناب امین احسن اصلاحی کی تحریروں سے مترشح ہے۔

### خلاصہ

مولانا امین احسن اصلاحی، برصغیر کے علمی حلقوں کا ایک معروف نام ہے۔ تاہم دین کے معتقدات و مسلمات کے حوالے سے ان کی فکر میں کئی تفردات موجود ہیں۔ قرآن و سنت کے باہمی تعلق کے بارے میں ان کی ایک مخصوص فکر ہے، جو عقلیت کے غلبہ کے باوصف، معتزلی افکار کے قریب ہے۔ معاد اور اس کے متعلقات، اہل ایمان اور غیر اہل ایمان کے جنت و دوزخ میں داخلے کے بارے میں ان کا نقطہ نظر، یہ ہے کہ نجات کے لیے صرف ایمان کافی نہیں۔ جو شخص ایک دفعہ دوزخ میں داخل ہو گیا، وہ کبھی اس سے نکل نہیں سکے گا، حالاں کہ قرآن و سنت کے مطالعہ سے استفادہ ہوتا ہے کہ ایمان، عقیدہ و دین کی اصل بنیاد ہے۔ اعمال اس کے فروع اور شاخیں ہیں۔ جنت و دوزخ میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔ جس کی موت توحید پر ہوئی، اسے ہمیشگی کا عذاب نہیں ہوگا، یہ صرف کفار کے لیے مقدر ہے۔ آخرت میں شفاعت بھی ہوگی۔ آنحضور ﷺ کی شفاعت کبریٰ کے ساتھ دیگر لوگوں کو بھی محدود و مخصوص شفاعت کی اجازت ہوگی، تاہم اعمال کی اہمیت اپنی جگہ پر قائم ہے۔ حقیقی کامیاب وہی

ہے جس نے اپنے اعمال و کردار کے ذریعے دوزخ سے دوری اور جنت کی نعمتیں حاصل کر لیں۔



## حوالے و حواشی

1. امین احسن اصلاحی صاحب کے اصولِ حدیث پر تفصیلی تنقید کے لیے دیکھیے۔ راقم کا مقالہ برائے ایم فل، بعنوان: "قرآن و سنت کا باہمی تعلق اور امین احسن اصلاحی"، نیز راقم کا مضمون بعنوان: مبادی تدبر حدیث، در "مقالات سیرت نبوی ﷺ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور"، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۳۱ تا ۲۵۶
2. اصلاحی، امین احسن: تدبر حدیث (شرح مؤطا)، ادارہ تدبر قرآن و حدیث، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص: ۹، ۱۰
3. بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب: تفاضل اهل الایمان فی الاعمال، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۱ء، رقم الحدیث: ۲۱
4. دیکھیے! اصلاحی: تدبر حدیث، جلد اول (شرح بخاری) ادارہ تدبر قرآن و حدیث، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص: ۷۱، ۷۰
5. انور شاہ کشمیری: انوار الباری شرح صحیح بخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۷ھ، ۶۳/۳
6. پڑھاروی، عبدالعزیز: النبراس فی العقائد، ملتان، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۵۰
7. تفتازانی: شرح المقاصد، ۳/۲۳۲

<sup>8</sup> . انور شاہ کشمیری: انوار الباری شرح صحیح بخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۷ھ، ۶۶/۳

<sup>9</sup> . ملا علی قاری: شرح فقہ اکبر، ۱/۷۷

<sup>10</sup> نووی، ابویحییٰ شرف الدین: شرح صحیح مسلم، باب الدلیل من مات علی التوحید دار احیاء، بیروت، ۱/۹۹

<sup>11</sup> . انور شاہ کشمیری: انوار الباری شرح صحیح بخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۷۵/۳، ۱۴۲۷ھ

<sup>12</sup> انور شاہ کشمیری: انوار الباری شرح صحیح بخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۷۰/۳، ۱۴۲۷ھ

<sup>13</sup> - انور شاہ کشمیری: انوار الباری شرح صحیح بخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۷۰/۳، ۱۴۲۷ھ

<sup>14</sup> - آل عمران ۳: ۱۲۹

<sup>15</sup> - الانبیاء ۲۱: ۲۳

<sup>16</sup> - البروج ۸۵: ۱۶

<sup>17</sup> - تفتازانی: شرح المقاصد، ص ۸۷

<sup>18</sup> - الاعراف - ۴۰

<sup>19</sup> - البقرہ ۲: ۱۱۱

<sup>20</sup> - الاعراف ۷: ۸

<sup>21</sup> - قیامت جنت اور جہنم کے احوال کے بیان میں، دیکھیے: مسلم، الجامع، باب صفة القيامة

والجنة والنار، رقم: ۴۹۹۱؛ پانی پتی، قاضی ثناء اللہ: تفسیر مظہری، ۱ / ۱۲۹۳، سورۃ  
الاعراف)

22- حوالہ سابق

23- بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب فضل التسیب، رقم الحدیث: ۵۹۲۷

24- الترمذی: السنن، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی عقد التسیب بالید، رقم: ۳۴۴۰

25- ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، رقم الحدیث: ۴۱۶۶

26- مسند بزاز، مسند ابی حمزہ انس بن مالک، رقم الحدیث: ۷۰۰۱؛ تفسیر مظہری، جلد ۳،

ص ۲۳۸،

27- تفسیر مظہری، ۳ / ۲۳۸

28- تفسیر مظہری، ۳ / ۲۳۹

29- حاکم: المستدرک، کتاب الایمان، رقم: ۱۵۳، ۱ / ۱۱۲، مظہری، ۳ / ۳۲۹

30- تھانوی، اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۲ / ۱۵۷

31- اصلاحی: تدبیر حدیث (شرح بخاری)، ۱ / ۷۱

32- آل عمران ۳: ۱۳۳

33- الحج ۱۵: ۴۸

34- الانبیاء ۲۱: ۲۳

35- مسلم، الجامع، کتاب: صفة القيامة والجنة والنار، باب لن يدخل الجنة بعمله بل

برحمة الله، رقم: ۵۰۴۱،

36- الانبیاء ۲۱: ۴۷

37۔ القارعة ۱۰۱: ۹

38۔ البیهقی، أبو بکر أحمد بن الحسن، شعب الإيمان، باب: واذا نقضی الحساب کان بعد

وزن، دار الکتب العلمیة - بیروت، الطبعة الأولى، ۱۴۱۰ھ، عدد الأجزاء: ۷، ۱ / ۲۶۰

39۔ البقرہ ۲: ۲۵

40۔ البقرہ ۲: ۸۲

41۔ آل عمران ۳: ۱۵

42۔ ملاحظہ کیجیے! النساء ۴: ۱۳، ۵۷، ۱۲۲؛ المائدہ ۵: ۸۵، ۱۱۱؛ الاعراف ۷: ۳۲؛ التوبہ ۹: ۷۲، ۱۰۰

43۔ الاعراف ۷: ۵۰

44۔ الانبیاء ۲۱: ۹۸

45۔ العنکبوت ۲۹: ۵۴

46۔ البقرہ ۲: ۳۹

47۔ المائدہ ۵: ۷۲

48۔ النحل ۱۶: ۲۹

49۔ المائدہ ۵: ۳۷

50۔ البقرہ ۲: ۸۱، ۱۲۶، ۲۵۷؛ یونس ۱۰: ۸؛ ہود ۱۱: ۱۶؛ الحشر ۵۹: ۱۷؛ فصلت ۳۱: ۲۸؛

الکھف ۱۶: ۵۳، ۱۰۳

51۔ آل عمران ۳:

52۔ ابراہیم ۱۴: ۳۰

53۔ الکھف ۱۶: ۱۰۲



54۔ غافر: ۴۰: ۴۹

55۔ ہود: ۱۰۸

56۔ عثمانی، شبیر احمد: تفسیر عثمانی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، سن، ص: ۴۰۳

57۔ حوالہ سابق

58۔ اس باب میں حضرت جابر اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی احادیث منقول

ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ترمذی، الجامع، کتاب صفة جہنم عن رسول اللہ

ﷺ، باب ما جاء ان النار نفسین، رقم الحدیث: ۲۵۱۸

59۔ مسلم، الجامع، کتاب الزکوٰۃ، باب الترغیب فی الصدقة، رقم الحدیث: ۱۶۵۵

60۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنۃ، باب الشفاعۃ، رقم الحدیث: ۴۱۱۵

61۔ ترمذی، السنن: کتاب الزبد، باب: ۴۳۰۱

62۔ الحج: ۲۲: ۴

63۔ المدثر: ۷۴: ۴۲، ۴۳

64۔ مریم: ۵۹

65۔ عثمانی، شبیر احمد: تفسیر عثمانی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، سن، ص: ۵۳۷

66۔ النازعات: ۷۹: ۳۸، ۳۷

67۔ الانفطار: ۸۳: ۱۴

68۔ النساء: ۴: ۳۰

69۔ النساء: ۴: ۹۳

70۔ النساء: ۴: ۹۷

71۔ مریم: ۱۹: ۷۲

72۔ عثمانی، شبیر احمد: تفسیر عثمانی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، سن، ص: ۵۳۷

73۔ الفرقان: ۶۵

74۔ مریم: ۷۰

75۔ عثمانی، شبیر احمد: تفسیر عثمانی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، سن، ص: ۵۳۷

76۔ ہود: ۱۱۳

77۔ مزید دیکھیے! سورۃ المؤمنون۔ آیت نمبر ۱۰۳؛ سورۃ السجدہ، آیت نمبر ۲۰؛ سورۃ یسین، آیت

نمبر ۵۹

78۔ الصافات: ۵۷

79۔ عثمانی، شبیر احمد: تفسیر عثمانی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، سن، ص: ۷۶۸

80۔ الزبیدی، مرتضیٰ؛ تاج العروس من جواهر القاموس، الناشر دار الهدایة بمصر، ۲۱/ ۲۲۰

81۔ بنی اسرائیل: ۱۷: ۷۹

82۔ مسلم، الجامع، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا ﷺ، رقم الحدیث، ۴۲۲۳

83۔ الصالحی دمشقی، محمد بن علاء الدین علی بن محمد ابن ابی العز الحنفی:

شرح العقیدة الطحاویة، باب الحوض الذی اکرم اللہ بہ رسولہ ﷺ، تحقیق:

جماعة من العلماء، تخريج: ناصر الدين الألباني، الناشر: دار السلام للطباعة

والنشر التوزيع والترجمة (عن مطبوعة المكتب الإسلامي)، الطبعة: الطبعة المصرية

الأولى 1426ھ- 2005م، ص ۲۳۱-۲۳۳

84۔ بخاری، الجامع: کتاب التوحید، باب کلام اللہ عزوجل يوم القيمة مع الانبياء

وغیرہم

85۔ ایضاً: الجامع الصحيح، كتاب العلم، باب الحرص على الحديث، رقم: ۹۷، حدیث

مرفوع

86۔ ایضاً، كتاب التيمم، باب: وقول الله فلم تجدوا ماءً فتيمموا، رقم الحديث: ۳۲۳

87۔ ایضاً، كتاب الاذان، باب الدعاء عند النداء، رقم الحديث: ۵۷۹

88۔ ایضاً، كتاب المناقب، باب قصة ابي طالب، رقم الحديث: ۳۵۹۶

89۔ ایضاً: كتاب تفسير القرآن، باب قول الله، ذرية من حملنا مع نوح۔۔، رقم الحديث:

۲۳۲۳

90۔ ایضاً: كتاب الدعوات، باب لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، رقم الحديث: ۵۸۲۹

91۔ مسلم، الجامع: كتاب الايمان، باب باب اخْتِيَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةَ

الشَّفَاعَةِ لِأُمَّتِهِ، نبي صلى الله عليه وآله وسلم كما اس بات کو پسند کرنا کہ میں (قیامت کے

دن) اپنی امت کے لئے شفاعت کی دعا سنبھال کر رکھوں، رقم الحديث ۲۹۶

92۔ بخاری، الجامع، كتاب التوحيد، باب قول الله عز وجل، وجوه يومئذ ناظرة الى ربها

ناظرة، رقم الحديث: ۶۸۸۶؛ یہی مضمون، ترمذی، الجامع، كتاب تفسير القرآن عن رسول

الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، باب و من سورة بنی اسرائیل میں موجود ہیں

93۔ إِنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَشْفَعُ لِلْفِتَامِ مِنَ النَّاسِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْقَبِيلَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ

لِلْعَصْبَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتَّى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ جامع ترمذی: صفة القيامة

والرقائق، باب منه،

94۔ مسلم، الجامع، كتاب الايمان، باب معرفة الطريق الرواية، رقم الحديث: ۲۶۹

95۔ مسلم، الجامع، كتاب الايمان، باب معرفة طريق الروية، رقم الحديث: ۲۶۷

<sup>96</sup> - انوار الباری شرح صحیح البخاری، افادات: علامہ انور شاہ کشمیری، ادارہ تالیفات اشرفیہ،

ملتان، شعبان، ۱۴۲۷ھ

<sup>97</sup> - البقرہ ۲: ۲۰۸

<sup>98</sup> - البقرہ ۲: ۱۴۲

<sup>99</sup> - مریم ۱۹: ۶۳

<sup>100</sup> - آل عمران ۳: ۱۸۵

<sup>101</sup> - شفیع، مفتی محمد: معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۱۲ء، ۲/۲۵۵

## دفاعِ حدیث --- سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی خدمات کا جائزہ

ڈاکٹر محسنہ منیر\*

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م ۱۹۷۹ء) شہرہ آفاق مسلم مفکر، محقق، مفسر اور شارح حدیث ہیں۔ آپ نے تمام عمر دفاعِ دین کی خدمت انجام دی جس میں حالات کے لحاظ سے اہم ترین کام دفاعِ حدیث اور سنت کی تشریحی حیثیت کو جدید امت مسلمہ میں پھیلانا ہے۔ سید مودودیؒ نے آٹھ برس کی عمر میں لکھنے کا آغاز کیا اور عمر کے آخری سال تک ان کا قلمی سفر جاری رہا۔ ان کی اولین تحریر سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر ماتی ہے (۱)۔ سید صاحب کی آخری تصنیف سیرت سرور عالم ﷺ ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔

سید مودودیؒ نے دفاعِ حدیث کے ضمن میں خاطر خواہ کام انجام دیا ان کی تحریرات کا بڑا حصہ اس پر مبنی ہے۔ سید صاحب نے اس دور میں جب کہ انکارِ وحی اور عقلیت پرستی عام روش بن چکی تھی حدیث کو زندہ و جاوید ماخذ علم کے طور پر قائم ثابت کیا۔ ۱۹۲۱ء میں جب انہوں نے عملی زندگی میں قدم رکھا تب برصغیر پاک و ہند میں حدیث کو درپیش چیلنجز درج ذیل تھے:

- ۱۔ انکارِ مذہب پر مبنی بین الاقوامی مغربی فکر
- ۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی جعلی اور خود ساختہ نبوت
- ۳۔ مستشرقین کے حدیث کے بارے میں شکوک و شبہات
- ۴۔ انکارِ حدیث پر مبنی افکار

\* ایسوسی ایٹ پروفیسر اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور

بیسویں صدی میں انکارِ مذہب بین الاقوامی فکر بن چکا تھا اس صدی میں انسانی زندگی کئی طرح کے انقلابات سے دوچار ہوئی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی لحاظ سے جو تبدیلیاں اس میں وقوع پذیر ہوئیں انہوں نے نئے نظامات (سرمایہ داری اور اشتراکیت) کو متعارف کرایا۔ ہر ایک نظام کے افکار کی اساس میں انکارِ مذہب، عقلیت اور ایجابیت (positivism) شامل تھے۔ ڈارون، کارل مارکس اور فرائیڈ کے خیالات نے انسانی سوچ کو بدل دیا تھا ڈارون کا نظریہ ارتقا انسان کو اشرف المخلوقات کے اس مقام سے نیچے لے آیا جو مذہب نے اسے عطا کیا تھا۔ رفتہ رفتہ کلیسا سے آزادی اور وحی کے دیے ہوئے اخلاقی نظام کا بے معنی ہونا تسلیم کر لیا گیا اور مذہب کے مقابلے میں فطرت پرستی جگہ پانے لگی۔ آگسٹ کامٹے (Auguste Comte) کے نظریہ سے فطرت پرستی اور ایجابیت کی فکر پروان چڑھتی ہے (۲)۔ پھر مذہبی دور ختم ہو گیا اور سائنسی (Scientific) دور آ گیا جسے جدید دور (Modernism) کہا گیا اس فکری انقلاب کی اساس Jacques Rousseau Jean (م ۱۷۷۸ء) کا مذہب مدنی (Civil Religion) کا تصور تھا۔ اس کا اہم ترین کام The Social Contract تصور کیا جاتا ہے (۳)۔

اس جدید انقلاب کے برپا ہونے کے نتیجے میں صرف مغربی مفکرین ہی نہیں بلکہ خود مسلمانوں میں بھی ایسے گروہ پیدا ہونے لگے جو مغربی فکر اور سائنسی ترقی سے مرعوب تھے۔ بطورِ مذہب وہ اسلام کی حقانیت کے قائل تو تھے لیکن بطورِ نظام وہ اسلام کے لازوال اصولوں کو فرسودہ خیال کرنے لگے تھے۔ اس وقت یہ ضروری تھا کہ مسلمان طبقوں کے سامنے مغربی نظامات کے کھوکھلے پن اور اسلامی نظام کی عالمگیریت کو اجاگر کیا جائے۔ چنانچہ سید مودودیؒ نے مغربی تصورِ عقلیت پر ان الفاظ میں تنقید کی:

”.....دنیا نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ مغربی علوم اور مغربی تمدن کی بنیاد سراسر عقلیت اور فطرت پر ہے۔ حالانکہ مغربی تہذیب کے تنقیدی مطالعے سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ اس کی بنیاد نہ عقلیت پر ہے نہ اصول فطرت کی متابعت پر اس کے برعکس اس کا پورا ڈھچر حس، خواہش اور ضرورت پر قائم ہے“ (۴)۔

سید مودودیؒ نے مغربی فکر کے بے اساس ہونے اور اسلام کے عقل کے عین مطابق ہونے کو سائنسی طریق استدلال سے ثابت کیا اور ایک مضمون ”عقل کا فیصلہ“ لکھا جس میں نبوت کا اثبات

کرتے ہوئے کہا کہ کسی واقعہ کا واقعہ ہونا اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ وہ سامع کی سمجھ میں بھی آجائے بلکہ عقلاً اس کی صداقت کو تسلیم کرنے کے لیے معتبر اور متواتر شہادت کافی ہے۔ لیکن مشکلکین جو ماورائے عقل کے انکار کی بنیاد پر اسلام کو پرکھنا چاہتے ہیں ان کے بارے میں سید مودودیؒ نے لکھا:

”یہ اس معاملہ میں عقل کا فیصلہ ہے مگر تصدیق و یقین کی کیفیت جس کا نام ”ایمان“ ہے اس سے پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے لیے وجدان کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ اندر سے ایک آواز آئے جو تکذیب، شک اور تذبذب کی تمام کیفیتوں کا خاتمہ کر دے اور صاف کہہ دے کہ لوگوں کی قیاس آرائیاں باطل ہیں وہی سچ ہے جو سچے لوگوں نے قیاس سے نہیں بلکہ علم و بصیرت کی رو سے بیان کیا ہے“ (۵)۔

سید مودودیؒ کے نزدیک نبوت اور اس کے لوازم کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا صحیح نہیں۔ انہوں نے جدید مغربی افکار کا مطالعہ کر کے ان کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ان کے مطابق:

”مغربی نشاۃ جدیدہ دراصل عقل اور فطرت کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ اس نے معقولات کو توڑ کر محسوسات اور مادیت کی طرف رجوع کیا عقل کے بجائے حس پر اعتماد کیا، عقلی ہدایات اور منطقی استدلال اور فطری وجدان کو رد کر کے محسوس مادی نتائج کو اصلی اور حقیقی معیار قرار دیا فطرت کی رہنمائی کو مردود ٹھہرا کر خواہش اور ضرورت کو اپنا رہنما بنایا“ (۶)۔

مغربی افکار کا جائزہ لینے اور اس پر کاری ضرب لگانے کے بعد نبوتِ محمد ﷺ کا تفصیلی عقلی

تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا:

”یہی شخص ہے جس نے دنیا کے تصورات کا رُخ و ہمیت اور عجائب پرستی اور رہبانیت کی طرف سے ہٹا کر عقلیت اور حقیقت پسندی اور متقیانہ دنیا داری کی طرف پھیر دیا۔ اسی نے محسوس معجزے مانگنے والی دنیا میں عقلی معجزوں کو سمجھنے اور نبی کو معیارِ صداقت ماننے کا مذاق پیدا کیا۔ اسی نے خرقِ عادت میں خدا کی خدائی کے آثار ڈھونڈنے والوں کی آنکھیں کھولیں اور انہیں آثارِ فطرت

(Natural Phenomena) میں خدا کی نشانیاں دیکھنے کا خوگر بنایا۔ اسی نے خیالی گھوڑے دوڑانے والوں کو قیاس آرائی (Speculation) سے ہٹا کر تعقل اور تفکر اور مشاہدہ اور تحقیق کے راستے پر لگایا۔ اسی نے عقل اور حس اور وجدان کے امتیازی حدود انسان کو بتائے“ (۷)۔

سید صاحب نے جدید مغربی فکر کے مقابلے میں ”سنت“ کو ایک کامل نظریہ حیات کی عملی شکل کے طور پر پیش کیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ سنت آخری سچے اور مکمل اور قابل عمل دین کی تعبیر ہے۔ ان کے اس دعوے میں پایا جانے والا وثوق یقین اور جوش بلندی کے اس درجے پر ہے جو مسلمانوں کو مغربی تہذیب کی مرعوبیت کے چنگل سے نکال لاتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق لکھتے ہیں:

”آپ کہتے ہیں کہ یہ سب اس کے اپنے دل و دماغ کی پیداوار تھی میں کہتا ہوں کہ اگر یہ اسی کے دل و دماغ کی پیداوار تھی تو اس کو خدائی کا دعویٰ کرنا چاہئے تھا..... دیکھو یہ کیسی حیرت انگیز صداقت ہے۔ کیسی امانت اور راست بازی ہے۔ جھوٹا انسان تو بڑا بننے کے لیے دوسروں کے ایسے کمالات کا کریڈٹ بھی لے لینے میں تامل نہیں کرتا جن کے اصل ماخذ کا پتہ باسانی چل جاتا ہے۔ لیکن یہ شخص ان کمالات کو بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرتا جن کو اگر وہ اپنے کمالات کہتا تو کوئی اس کو جھٹلا نہ سکتا تھا“ (۸)۔

مغربی افکار سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر سید صاحب نے حدیث و سنت کا دفاع کیا۔ معذرت خواہانہ انداز ان کے ہاں مفقود ہے۔ تاریخ اسلام میں اٹھنے والے تمام قدیم فتنوں سے زیادہ موثر یہ فتنہ فرنگ جو انسانی قلوب و اذہان پر غالب آ گیا تھا اس میں بھی سید مودودی نے حدیث و سنت کی وضاحت مدافعانہ انداز میں نہیں کی۔ انہوں نے مغربی مفکرین کے مقابلے میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ایسے ہی کیا ہے جیسے کہ آپ ﷺ کا درجہ عرفان و آگہی اور مغربی مفکرین کی سوچ میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔



## فتنہ قادیانیت کا رد

انیسویں صدی میں برصغیر پاک و ہند میں قادیانیت ایک فتنہ بن کر منظرِ عام پر آئی اس کا نشانہ مسلمانانِ برصغیر تھے جن کے اتحاد کو نقصان پہنچانے کے لیے انگریزوں نے یہ جال بچھایا۔ عقیدہ ختم نبوت جو اتحادِ بین المسلمین کی بنیاد فراہم کرتا ہے اس کے متعلق شکوک و شبہات پھیلانے کے لیے انگریزوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو استعمال کیا (۹)۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۸۴ء میں اپنی کتاب ”براہین احمدیہ“ کی جلد چہارم سے خود پر الہاماتِ الہیہ ہونے کے دعوے کیے جو بالآخر دعویٰ نبوت پر منتج ہوئے۔ براہین احمدیہ میں مرزا غلام احمد نے لکھا:

”اور قریب تین ہزار کے کشفِ صحیح اور روایا صادقہ یاد ہے کہ جواب تک اس عاجز سے ظہور میں آچکے اور صبح صادق کے کھلنے کی طرح پوری بھی ہو چکی ہیں اور دوسو جگہ سے زیادہ قبولیتِ دعا کے آثار نمایاں ایسے نازک موقعوں پر دیکھے گئے جن میں بظاہر کوئی صورت مشکل کشائی کی نظر نہیں آتی تھی اور اسی طرح کشفِ قبور اور دوسرے انواع اقسام کے عجائبات اسی سورہ (سورۃ فاتحہ) کے التزام میں ورد سے ایسے ظہور پکڑتے گئے کہ اگر ایک ادنیٰ پر توہ ان کا کسی پادری یا پنڈت کے دل پر پڑ جائے تو ایک دفعہ حبِ دنیا سے قطع تعلق کر کے اسلام کے قبول کرنے کے لیے مرنے پر آمادہ ہو جائے..... خداوند کریم نے اسی رسولِ مقبول کی متابعت اور محبت کی برکت سے اور اپنے کلام پاک کی پیروی کی تاثیر سے اس خاکسار کو اپنے مخاطبات سے خاص کیا ہے اور علومِ لدنیہ سے سرفراز فرمایا ہے“ (۱۰)۔

آگے چل کر مزید لکھا:

”پس کیا تم ایمان نہیں لاتے یعنی خدائے تعالیٰ کا تائیدات کرنا اور اسرارِ غیبیہ پر مطلع فرمانا اور پیش از وقوع پوشیدہ خبریں بتلانا اور دعاؤں کو قبول کرنا اور مختلف زبانوں میں الہام دینا اور معارف اور حقائقِ الہیہ سے اطلاع بخشنا یہ سب خدا کی شہادت ہے۔ جس کو قبول کرنا ایمان دار کا فرض ہے پھر بقیہ الہامات بالاکاہیہ ہے کہ بہ تحقیق میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ بتلائے گا“ (۱۱)۔

مرزا قادیانی کے باطل دعوے جس حد تک بے بنیاد اور علمیت سے خالی تھے ان کو دیکھ کر

اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اسلام کے لیے خطرے کا باعث ہونا غیر امکانی تھا۔ لیکن انگریز کی پشت پناہی ہونے اور مسلمانوں کے انگریز کے غلام ہونے کی وجہ سے اس فتنے کو بزور ختم نہ کیا جاسکا اسی وجہ سے مرزا غلام احمد کی مویشگافیاں جاری رہیں اور سادہ لوح مسلمان اس جال کا شکار ہونے لگے تاہم مسلم علمائے کرام نے عقیدہ ختم نبوت کی وضاحت اور قادیانیت کے بطلان کی مہم جاری کی۔ اس جدوجہد میں سید مودودی نے بھی حصہ لیا انہوں نے ترجمان القرآن میں عقیدہ ختم نبوت کی تشریح اس طرح کی:

”ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین ﴿﴾ کہنے کے بعد ﴿﴾ وکان اللہ بكل شیء علیماً ﴿﴾ ارشاد فرمانے میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس امر سے متعلق ہو چکا ہے کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور جس بات سے اللہ کا علم متعلق ہو چکا ہو اس کا غلط ہونا قطعاً غیر ممکن ہے لہذا آپ کے بعد کوئی شخص ہرگز ہرگز نبوت سے سرفراز نہ ہوگا“ (۱۲)۔

مرزا قادیانی کی ہرزہ سرائیوں کو درخود اعتناء سمجھنا مسلمانوں کے لیے گوارا نہ تھا۔ اس کا اندازہ سید مودودی کے اس اقتباس سے ہوتا ہے:

”جب قرآن اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہو کہ محمد ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آسکتا تو یہ دیکھنے کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد دعوائے نبوت کرنے والا کیا لایا ہے اور کیسا انسان ہے۔ اگرچہ مرزا صاحب میرے نزدیک دوسرے اور تیسرے معیار کے لحاظ سے بھی مقام نبوت سے اس قدر فرودتر ہیں کہ باب نبوت کھلا بھی ہوتا تو کم از کم کوئی معقول آدمی تو ان پر نبوت کا گمان نہیں کر سکتا تھا لیکن میں اس بحث کو قرآن و حدیث کے ناطق فیصلے کے بعد غیر ضروری بھی سمجھتا ہوں اور خدا اور رسول کے معاملے میں گستاخی بھی“ (۱۳)۔

بد قسمتی سے چند ہزار مسلمان فتنہ قادیانیت کے جال میں پھنس گئے۔ قیام پاکستان کے بعد قادیانی ملک کے اہم کلیدی عہدوں پر فائز ہونے لگے۔ پاکستان کا آئین نہ ہونے کی وجہ سے اور ان کو اقلیت قرار نہ دیے جانے کی وجہ سے وہ اپنی اسلام دشمن سرگرمیوں میں آزاد تھے۔ چنانچہ انہوں نے خود کو مسلمان اور مسلمانوں کو کافر قرار دینے کا سلسلہ شروع کر دیا (۱۴)۔ اور ان کے ساتھ نکاح کو ناجائز اور

ان کی نماز جنازہ پڑھنے کو حرام قرار دیا (۱۵)۔ چنانچہ مسلمانوں کی جانب سے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کی مہم زور پکڑتی گئی جولائی ۱۹۵۲ء میں جب دستوری جدوجہد کے دوران مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک چلی تو سید مودودی نے اس میں بھرپور کردار ادا کیا (۱۶)۔ انہوں نے پاکستان کے اسلامی دستور کے لیے جو آٹھ نکاتی مطالبات تیار کیے ان میں ایک نواں نکتہ یہ شامل کیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اس نوزکاتی مطالبہ کی مہم کو منظم کرنے کے لیے انہوں نے ملک گیر دورہ کیا سید مودودی اور ان کے ساتھیوں کی تحریک کا جواب دیتے ہوئے قادیانیوں کے ترجمان ”الفضل“ نے لکھا:

”عطاء اللہ شاہ بخاری، ملا بدایونی، ملا احتشام الحق

، ملا محمد شفیع اور ملا مودودی سے خون کا

بدلہ لیا جائے گا“ (۱۷)۔

مگر سید مودودی نے جدوجہد جاری رکھی انہوں نے اپنی جدوجہد کی وضاحت ان الفاظ میں کی:

”ان (قادیانیوں) کا ایک الگ امت ہونا اب کوئی ایسا مسئلہ نہیں رہا جس پر مسلمانوں

میں کوئی اختلاف پایا جاتا ہو۔ چند مغرب زدہ اصحاب اور دینی حس سے عاری لوگوں کو

چھوڑ کر پوری مسلم قوم اس معاملے میں اپنی رائے ظاہر کر چکی ہے“ (۱۸)۔

انہوں نے حکومت پر زور دیتے ہوئے لکھا:

”میں حکومت کو آگاہ کرتا ہوں کہ قادیانیوں کو جداگانہ اقلیت بنانے کا مطالبہ تمام

مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ ہے۔ اور ایک مٹھی بھرا اقلیت کے سوا اس کو سب کی تائید

حاصل ہے۔ اس مطالبہ کو منوانے کے طریقوں میں ہمارے درمیان اختلاف ہو

سکتا ہے مگر بجائے خود اس مطالبہ میں قطعاً کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے اور

اسے بہر حال حکومت کو ماننا ہی پڑے گا۔ اس کو تشدد سے دبانے کی کوشش ہرگز

کامیاب نہیں ہونے دی جائے گی“ (۱۹)۔

۱۳ فروری ۱۹۵۲ء کو تحقیقاتی عدالت کی طرف سے مندرجہ ذیل دس نکات پر جملہ فریقوں کا

نقطہ نظر معلوم کیا گیا:

- ۱۔ ظہور مسیح مہدی
  - ۲۔ کیا ظاہر ہونے والا مسیح اور عیسیٰ ابن مریم ایک ہی شخصیت ہیں؟
  - ۳۔ کیا مسیح اور مہدی کو ایک نبی کا منصب حاصل ہوگا اور انہیں وحی یا الہام ہوگا؟
  - ۴۔ کیا وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک قرآن و سنت کے کسی حکم کو منسوخ کریں گے۔
  - ۵۔ نبی ﷺ پر وحی کس شکل میں نازل ہوتی تھی؟ کیا حضرت جبریل آپ ﷺ کے سامنے مرئی صورت میں ظاہر ہوتے تھے؟
  - ۶۔ کیا خاتم النبیین کی وہ تعبیر جو آل مسلم پارٹیز کنونشن نے پیش کی ہے وہ مسلم عقیدے کا لازمی جزو رہی ہے؟
  - ۷۔ قرآن و سنت کی وہ نصوص جو ایسے دینی و سیاسی نظام کی تائید کرتی ہیں جس میں غیر مسلموں کو ایک اجنبی عنصر کی حیثیت سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ اس علیحدگی کے حدود مع تاریخی حوالہ جات ایسے نظام میں غیر مسلموں کے علانیہ تبلیغ مذہب کے حقوق، گناہ کی مشترک اور نیابتی ذمہ داری۔
  - ۸۔ ڈائریکٹ ایکشن کا جواز
  - ۹۔ احمدیوں کی مطبوعات جو عامۃ المسلمین کے دینی جذبات کو مشتعل کرنے والی ہیں۔
  - ۱۰۔ دوسرے مسلمانوں کی مطبوعات جو احمدیوں کے عقائد کے لحاظ سے اشتعال انگیز ہیں۔
- ان دس نکات کا جو جواب سید مودودیؒ کی جانب سے دیا گیا وہ ایک علمی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جس میں جا بجا قرآنی آیات، صحیح احادیث، تفسیری روایات اور تاریخی شواہد درج ہیں۔ یہ بیان اسلامی عقیدہ ختم نبوت کا جامعیت سے احاطہ کرتا ہے۔
- جیسا کہ انہوں نے لکھا:

”ختم نبوت کی یہ تعبیر کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی اور کسی نوعیت کا نبی نہیں آسکتا اور یہ کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں جن کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور یہ کہ آپ ﷺ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے اور جو اس کو مانے وہ کاذب اور کافر اور دائرہ ملت سے خارج ہے۔ یہ آغاز اسلام سے آج تک تمام

مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے جس میں اسلامی فرقوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس عقیدے کی بنیاد قرآن، سنت اور اجماع امت پر ہے“ (۲۰)۔

علمائے کرام کی منظم جدوجہد کے جواب میں حکومت وقت نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا ساتھ ہی مہم میں شریک افراد کی بڑی تعداد کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء میں سید مودودی، میاں طفیل احمد، ملک نصر اللہ خان عزیز، مولانا امین احسن اصلاحی اور سید نقی علی کو بھی پمفلٹ ”قادیانی مسئلہ“ لکھنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا اور سید مودودی کو سزائے موت سنائی گئی۔ جسے بعد میں ختم کر کے عمر قید میں تبدیل کیا گیا۔ ۲۸ مئی ۱۹۵۵ء کو انہیں رہا کیا گیا۔

اس صورت حال میں سید مودودی کی تحریک کا ایک نمایاں پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ وہ دیگر جماعتوں کے برعکس پر امن تحریک چلانے کے حق میں تھے چنانچہ انہوں نے اس مسئلے کا حل حکومت کو یہ پیش کیا کہ دستور پاکستان کی دفعہ نمبر ۲ میں درج ذیل دو شقوں کا اضافہ کر دیا جائے:

۱۔ اللہ کی توحید، تمام انبیاء کے بعد محمد ﷺ کو آخری نبی ماننا، تمام کتب الہیہ کے بعد قرآن کو اللہ کی آخری کتاب تسلیم کرنا اور آخرت پر ایمان رکھنا اسلام کے لازمی بنیادی عقائد ہیں جن میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

۲۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد جو شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے اور ایسے مدعی کو جو شخص اپنا مذہب ہی پیشو مانے وہ کافر ہے اور خارج از اسلام ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ مدعی اپنے آپ کو اس کا پیرو اس کو ظلی یا بروزی یا امتی یا غیر تشریحی نبی کہے یا مسیح موعود، مجدد، محدث وغیرہ ناموں سے پکارے (۲۱)۔

سید مودودی نے ڈائریکٹ ایکشن جو دیگر جماعتوں نے حکومت کے خلاف کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس کی مخالفت کی سید صاحب نے اس کے بارے میں یوں بیان کیا:

”میں نے اپنی حد تک ڈائریکٹ ایکشن کو روکنے کی پوری کوشش کی ہے اور خود اس نظام میں جو اس مسئلہ پر جدوجہد کرنے کے لیے بنایا گیا تھا اس غلط طریق کار کی آخروقت تک مزاحمت کرتا رہا ہوں۔ یہاں تک کہ میری مزاحمت سے ہی تنگ آکر ڈائریکٹ ایکشن کے حامیوں نے ۲۶ فروری کو مرکزی مجلس عمل توڑ کر اس کی جگہ ایک نئی

ڈائریکٹ کمیٹی بنائی اور ڈائریکٹ ایکشن شروع کیا۔ (۲۲)

سید مودودی کی جانب سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ حکومت اپنے تمام سرکاری ملازمین سے ایک ڈیکلریشن فارم پر کرائے کہ وہ مرزا غلام احمد کو اپنا نبی مانتے ہیں یا نہیں۔ رائے دہندوں کی فہرست اور مردم شماری میں پیروان مرزا غلام احمد کا الگ خانہ رکھا جائے۔ ان کے شناختی کارڈوں اور پاسپورٹوں پر ان کے مذہب کی تصریح کی جائے۔ ان کے علاوہ مولانا نے ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے اور مسلمانوں کو جائیداد حاصل کرنے اور وہاں کاروبار کرنے کے پورے مواقع دینے کا بھی مطالبہ کیا (۲۳)۔

سید مودودی اور ان کے رفقا علمائے کرام اور تمام پاکستانی مسلمانوں کے پرزور مطالبے کو بالآخر حکومت نے مان لیا اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی کہ جس کے مطابق مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کے دونوں گروہوں قادیانی و لاہوری کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا (۲۴)۔

قادیانیت کے رد کے سلسلے میں سید مودودی کی جدوجہد کو حافظ محمد ادریس نے یوں بیان کیا ہے:

”انگریزوں کی کاشتہ جھوٹی نبوت پر بلاشبہ مسلم علماء نے کاری ضربیں لگائیں۔ ان

سب لوگوں کی کاوشیں قابلِ صدمبارک باد ہیں۔ اس موضوع پر سید مودودی نے

”عقیدہ ختم نبوت“ اور ”مسئلہ قادیانیت“ لکھ کر جو خدمت انجام دی ہے اس کا

کوئی جواب نہیں۔ اسی موضوع پر سید مودودی کو فاتح تختہ دار کا اعزاز ملا۔

”قادیانی مسئلہ“ محض ایک تاریخی کتاب ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز کتاب ہے ”مسئلہ

ختم نبوت“ ایسا کتابچہ ہے جس نے قادیانیوں کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا“ (۲۵)

برصغیر میں انکارِ حدیث

برصغیر پاک و ہند میں انکارِ حدیث کا آغاز تیرہویں صدی ہجری میں ہوا۔ قبل ازیں برصغیر

میں اسلام کی آمد سے لے کر اب تک مسلمانانِ برصغیر نے علمِ حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے قابل

قدر خدمات انجام دیں اور انکارِ حدیث کی آواز سنائی نہ دی۔ تاہم تاریخِ اسلام انکارِ حدیث کے ذکر سے

خالی نہیں۔ عہدِ نبوی ﷺ اور اس کے بعد خلافتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک انکارِ حدیث کے انفرادی

واقعات روایات میں ملتے ہیں (۲۶)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین

اختلافات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فرقے خوارج و شیعہ تھے۔ جنہوں نے فرقہ وارانہ تعصب کی بنا

پراحدیث کی قبولیت سے انکار کیا۔ خوارج نے تحکیم (لا حکم الا للہ) کے اعلان کے بعد اپنے مخالف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ احادیث کا انکار کیا (۲۷)۔ شیعہ اعتقادِ عصمت کی بنا پر جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی روایات کے منکر ہوئے۔ انہوں نے صرف ان روایات کو قبول کیا جو شیعیان علی نے روایت کی تھیں (۲۸)۔ غالی شیعہ کا ایک گروہ یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ صرف قرآن ہی قابلِ اخذ و احتجاج ہے (۲۹)۔ دوسری صدی ہجری کے وسط میں جب یونانی فلسفہ مسلمان متکلمین پر اثر انداز ہوا تو انہوں نے احادیث کو شک کی نگاہ سے دیکھا (۳۰)۔ یہ گروہ فرقہ معترزلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے نزدیک رواۃ حدیث خطا و وہم کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ اس لیے احادیث ظنی الثبوت ہیں اور ظنی الثبوت کو دین میں بطور حجت تسلیم نہیں کیا جاسکتا (۳۱)۔ ان کے مطابق خبر واحد دین میں حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ علم یقینی عطا نہیں کرتی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن ہدایت کے لیے کافی ہے (۳۲)۔ معترزلہ کے بعدروافض خبر واحد کو حجت تسلیم نہیں کرتے تھے (۳۳)۔

مذکورہ صدر گمراہ فرقوں کا مدلل رد علمائے کرام کی جانب سے کیا گیا۔ اس ضمن میں امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) امام احمدؒ (م ۲۴۰ھ) ابن قتیبہؒ (م ۲۷۶ھ) ابن حزمؒ (م ۴۵۶ھ) علامہ آمدیؒ (م ۶۳۱ھ) ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) ابن القیمؒ (م ۷۵۱ھ) اور السیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) وغیرہم کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ بعد ازاں اس موقف کے قائلین تو موجود رہے لیکن اس فتنے کا زور ٹوٹ گیا۔

تیرہویں صدی ہجری میں جب یورپی اقوام نے سائنسی علوم و فنون (علوم عقلیہ) کے زیر اثر مذہب کے بارے میں تشکیکی نظریات عام کیے تب برصغیر پاک و ہند میں فتنہ انکار حدیث نے دوبارہ سراٹھایا۔ مذہب دشمنی کے رجحان سے برصغیر پاک و ہند کے جدید تعلیم یافتہ مغرب سے مرعوب مسلمان بھی نہ بچ سکے۔ پھر مستشرقین نے حدیث کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے جن کا اثر بھی اس مسلمان طبقے نے قبول کیا۔ اسی کے زیر اثر سیر سید احمد خاں (م: ۱۸۹۸) اور ان کے ہم خیال جدید علوم کے قائلین نے حدیث پر تنقید کی اور اسلامی اقدار کو تضحیک کا نشانہ بنایا (۳۴)۔

اگرچہ سیر سید احمد خاں منکر حدیث نہ تھے مگر وہ اسلامی اقدار کو جدید سائنسی انقلابی دور کے تقاضوں کے بالمقابل فرسودہ خیال کرتے تھے (۳۵)۔ اسی طرز عمل نے آگے چل کر انکار حدیث کی روش اختیار کی جس کے قائلین میں مولوی عبداللہ چکڑالوی (م ۱۹۱۵ء) احمد الدین امرتسری (م ۱۹۳۶ء)

اسلم جیراج پوری (م ۱۹۵۵ء) علامہ عنایت اللہ مشرقی (م ۱۹۶۴ء) 'نیاز فتح پوری (۱۹۶۶ء) 'تمنا عمادی (م ۱۹۷۲ء) اور غلام احمد پرویز (م ۱۹۸۵ء) اور ان کے ہم خیال افراد شامل ہیں۔ اس گروہ نے حدیث کے بارے میں مستشرقین کی جانب سے اٹھائے گئے اعتراضات کو اپنی فکر کی اساس بنایا (۳۶)۔ معزلی منکرین حدیث ہی کی طرح انہوں نے خبر واحد کے دین میں حجت ہونے سے انکار کیا (۳۷)۔ آگے چل کر انہوں نے احادیث متواتر سمیت تمام ذخیرہ حدیث کی قبولیت سے انکار کر دیا (۳۸)۔ انہوں نے اسلام کو جدید مغربی ترقی کے مقابلے میں فرسودہ مذہب گردانتے ہوئے اسلامی اقدار کا مذاق اڑایا (۳۹)۔ دین میں من پسند تبدیلیاں کرنے کے لیے انہوں نے حدیث کی تشریحی حیثیت کا انکار کیا اور صرف قرآن کو بطور حجت تسلیم کرنے کا دعویٰ کیا (۴۰)۔

مستشرقین میں سے جنہوں نے حدیث پر اعتراضات کیے ان میں یہودی مستشرق گولڈ زیہر نے اپنی کتاب 'دراسات محمدیہ (Muhammeden Studies) میں حدیث کے متعلق یہ مشکوک نظریہ پیش کیا کہ احادیث پہلی و دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی اختلافات کی پیداوار ہیں اس نے احادیث کو یہودیت میں توراہ کے علاوہ موجود مقدس قانون سے مماثل قرار دیا (۴۱)۔

گولڈ زیہر کے افکار سے استفادہ کرتے ہوئے آر تھر جیفری (A. Jeffery) (۴۲) میکڈونلڈ (Macdonald) (۴۳) پروفیسر گب (Gibb) (۴۴) منگمری واٹ (Montgomery Watt) (۴۵) شاخت (Schacht) اور پروفیسر زائس (Robson) (۴۶) وغیرہ مستشرقین نے احادیث کے موضوع ہونے، راویان حدیث مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) وغیرہ کے خود سے احادیث بیان کرنے سلسلہ اسناد کے خود ساختہ ہونے اور روایت کے دفاع کے لیے استعمال کرنے جیسے بے بنیاد اور گمراہ کن نظریات کو اپنی کتب میں پیش کیا۔ مستشرقین کے اعتراضات کے رد میں سر سید احمد خاں نے "خطبات احمدیہ" میں علامہ شبلی اور سید سلمان ندوی نے "سیرۃ النبی" سید سلمان ندوی نے "خطبات مدراس" میں اور علامہ اقبال نے "تشکیل جدید الہیات اسلام" میں اور دیگر شخصیات نے کام کیا۔ جبکہ ان افکار سے متاثر ہونے والوں نے مستشرقین کے نظریات باطلہ کا رد کرنے کے بجائے انکار حدیث کا ارتکاب کرتے ہوئے خود اپنے دین کو نشانہ و تنقید بنایا۔ برصغیر کے ان منکرین حدیث نے آیات قرآنیہ کی من مانی تاویلیں کیں (۴۷)۔ قیام پاکستان کے بعد اس گروہ



نے دستور پاکستان میں قرآن کے ساتھ سنت کی بالادستی کی مخالفت کی (۲۸)۔

انکارِ حدیث کا رد

منکرینِ حدیث کے افکارِ باطلہ کا رد اور دفاعِ حدیث کا کام برصغیر میں وسیع پیمانے پر کیا گیا۔ آغاز میں مختلف رسائل و جرائد نے اس ضمن میں اپنا کردار ادا کیا۔ ان میں البلاغ، بمبئی ماہنامہ فرقان، لکھنؤ ماہنامہ ارشاد، اعظم گڑھ ماہنامہ جامعہ ملیہ، دہلی ماہنامہ ندوہ، لکھنؤ ماہنامہ پیشوا، سہ روزہ الجمعیت، دہلی، نگار دہلی اور ماہنامہ ترجمان القرآن پٹھانکوٹ وغیرہ شامل ہیں۔ انکارِ حدیث کے رد میں برصغیر پاک و ہند کے طول و عرض سے ان گنت علمی شخصیات سامنے آئیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے مضامین عبداللہ چکڑالوی کی بے سروپا باتیں، فرقہ چکڑالویہ کا بطلان، مولوی چکڑالوی اور حدیثِ نبوی وغیرہ، محمد حسین بٹالوی کی کتاب حدیثِ نبوی اور نیچری عیسائی، محمد صادق سیالکوٹی کی تحریر جدا ہو دیں قرآن سے تو رہ جاتی ہے پرویزی، مفتی محمد شفیع کی کتاب انکارِ حدیث در حقیقت انکارِ قرآن کی منافقانہ صورت ہے۔ محمد اسماعیل حسینی کی کتاب عجمی سازش کا تجزیہ، حکیم نور الدین کا مضمون انکارِ حدیث کی خشتِ اول (چکڑالوی) اور عبدالرحمن کیلانی کی فکرِ آخرت اور طلوعِ اسلام و دیگر کثیر تحریرات میں انکارِ حدیث کا مدلل رد کیا گیا (۳۹)۔ ان میں ایک نام سید ابوالاعلیٰ مودودی کا بھی ہے جنہوں نے انکارِ حدیث کے رد کا آغاز ۱۹۲۵ء میں سہ روزہ ”الجمعیت“ سے کیا (۵۰)۔

اس دور کے اپنے ایک مضمون میں انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان حدیث کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلنے کی وجہ مسلمان علماء و واعظین کی بے احتیاطی قرار دی۔ جنہوں نے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق تبلیغ و تعلیم کے کام کو انجام نہ دیا۔ سید مودودی کے مطابق:

”اسلام اور اس کے اصول و قوانین، قرآن حکیم اور اس کی تعلیمات، سنت رسول اور اس کی ہدایات میں آج جتنے شبہات پیدا ہو رہے ہیں ان کا بیشتر حصہ اصل مآخذ سے نہیں بلکہ انہی غلط تحریروں اور تقریروں سے پیدا ہوا ہے قرآن حکیم کی تفسیر ہو یا سیرت رسول اکرم کا بیان یا تعلیمات اسلام کی تشریح، ہر چیز میں آپ دیکھیں گے کہ تقریر کا بیشتر حصہ ضعیف اور موضوع روایات پر مشتمل ہوتا ہے اور جو تھوڑی بہت صحیح روایتیں بیان کی بھی جاتی ہیں، ان کو پیش

کرنے کا انداز ایسا ہوتا ہے جس سے صاف اور سیدھی سی بات بھی ایک چیستان بن کر رہ جاتی ہے“ (۵۱)۔

حدیث کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہونے کی دوسری وجہ سید صاحبؒ کے نزدیک اس گروہ کا دنیاوی معاملات کو دین سے الگ کرنا مذہب کو عقل کے ترازو میں تولنا اور دین سے لاعلمی و جہالت کا ہونا ہے۔ جس کے لازمی نتائج کے طور پر یہ جدید تعلیم یافتہ گروہ قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بجائے من مانی تاویل و تشریح کرنے لگا حدیث کے بارے میں ان کے غلط طرزِ عمل کو سید صاحب نے یوں بیان کیا:

”اسی طرح کچھ دوسرے حضرات اٹھتے ہیں اور احادیث پر کلام شروع کر دیتے ہیں کوئی صاحب ہر اس حدیث کو بے تکلف، موضوع اور ضعیف قرار دے بیٹھتے ہیں جو ان کی سمجھ میں نہیں آتی حالانکہ کسی حدیث پر وضع یا ضعیف کا حکم لگانے کے لیے جن امور کی تحقیق ضروری ہے ان سے وہ واقف تک نہیں۔ کوئی دوسرے صاحب احادیث کے غلط سلط ترجمے پڑھ کر ان سے عجیب عجیب مسائل کا استنباط کرتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام کی سپرٹ اور اس کے بنیادی اصول تک کو نہیں سمجھا۔ کوئی اور صاحب نہایت بے فکری کے ساتھ فتویٰ صادر کر دیتے ہیں کہ اسلام کے نظام دینی سے سنت رسولؐ اور اکابر صحابہؓ کو یکسر خارج کر دیا جائے حالانکہ اگر وہ اس دین کے نظام پر تھوڑا سا بھی غور کرتے تو ان پر واضح ہو جاتا کہ داعی اسلام اور ان کے اولین تربیت یافتہ لوگوں کی سیرت اگر اسلام سے خارج کر دی جائے تو اسلام بحیثیت ایک مذہب اور بحیثیت ایک تہذیب کے قائم ہی نہیں رہ سکتا یہ سب اجتہاد بلا علم کے نتائج ہیں اور اگر اس کی روک تھام نہ ہوئی تو جو نقصان دین اور دنیا کے الگ ہونے سے مسلمانوں کو پہنچ چکا ہے اس سے ہزار گنا زیادہ شدید نقصان اس غیر معقول طریقہ سے دین میں دنیا کی بے جا مداخلت پہنچا دے گی“ (۵۲)۔

۱۹۳۴ء سے ترجمان القرآن میں حافظ اسلم جیراج پوری کی تفسیر ”تعلیماتِ قرآن“ کے اقتباسات شائع ہوئے جن سے ان کے انکار حدیث کے رجحان کا اندازہ ہوا سید مودودی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

”صاحب تعلیماتِ قرآن نے رسالت اور اس کے احکام کی تشریح کرتے ہوئے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ میرے نزدیک رسالت کے اس تصور سے موافقت نہیں رکھتے جو قرآن پیش کرتا ہے“ (۵۳)۔

”تعلیماتِ قرآن“ کے مولف نے لکھا:

”بحیثیت منصب رسالت رسولؐ کا فریضہ صرف پیغامِ الہی کی تبلیغ ہے اور بس ”ان علیک الا البلاغ“ الشوریٰ ۲۸ تیرے اوپر صرف تبلیغ ہے“ ﴿فان تولیتہم فانما علی رسولنا البلاغ المبین﴾ (التغابن ۶۴: ۱۲) ﴿فان علیک البلاغ وعلینا الحساب﴾ (الرعد ۱۳: ۴۰) (۵۴)۔

اس موقف کا رد کرتے ہوئے سید صاحب نے لکھا:

”یہاں مولف نے آیات کے سیاق و سباق اور فحوائے کلام کو نظر انداز کر کے رسول ﷺ کی حیثیت کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ گویا وہ محض نامہ بر یا نعوذ باللہ ڈاک کا ہر کارہ ہے“ (۵۵)۔

مذکورہ مضمون میں سید صاحب نے صاحب تعلیماتِ قرآن کی فہم منصب رسالت کے ضمن میں تین بڑی اغلاط کی نشاندہی کی:

- ۱۔ انہوں نے بعض آیات کا غلط مفہوم لے کر رسول کا کام صرف تبلیغ (یعنی نامہ بری) میں محدود کر دیا۔
  - ۲۔ انہوں نے رسول ﷺ کو مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لیے محض مبلغ قرار دے لیا اور یہ کہا کہ مبلغانہ حیثیت کے ماسوا آنحضرت ﷺ کی زندگی کے اور جتنے پہلو ہیں وہ سب آپ کی شخصی (پرائیویٹ) حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں۔
  - ۳۔ انہوں نے رسول ﷺ کی حیثیت امارت کو حیثیت رسالت سے الگ کر دیا۔
- عصر حاضر کے اس عقلیت پسند گروہ نے حدیث کو رد کرتے ہوئے تاویلاتِ قرآن کا آغاز کر دیا۔

سید مودودی نے مذکورہ صدر تین غلط نظریات کا رد کتاب و سنت کی روشنی میں کرتے ہوئے وضاحت کی:

”وہ لوگ جو اسلام قبول کر لیں اور امتِ مسلمہ میں داخل ہو جائیں، تو ان کے لیے رسول کی حیثیت محض پیغام پہنچا دینے والے کی نہیں ہے بلکہ رسول ان کے لیے معلم اور مربی بھی ہے۔ اسلامی زندگی کا نمونہ بھی ہے اور ایسا امیر بھی ہے جس کی اطاعت ہر زمانے میں بے چون و چرا کی جانی چاہئے۔“ (۵۶)

اس کی تائید میں سید صاحب نے درج ذیل آیات کا حوالہ دیا۔

﴿ويعلمهم الكتب والحكمة﴾ (۵۷)

”اور وہ تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“

﴿لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة﴾ (۵۸)

”درحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں پیروی کا بہترین نمونہ ہے۔“

﴿فان تنازعتم في شئ فردوه الى الله والرسول﴾ (۵۹)

”پس اگر تم کسی معاملے میں تنازعہ کا شکار ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔“

﴿ومن يطع الرسول فقد اطاع الله﴾ (۶۰)

”اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

رسول اللہ ﷺ کی حیثیت شخصی اور حیثیت نبوی کے بارے میں جو گمراہ نظریہ منکرین حدیث نے پیش کیا اس کا رد کرتے ہوئے سید مودودی نے اس عقیدے کی صحیح صورت اجاگر کی انہوں نے لکھا:

”قرآن میں آنحضرت ﷺ کی ایک ہی حیثیت بیان کی گئی ہے اور وہ رسول و

نبی ہونے کی حیثیت ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منصب رسالت

سے سرفراز کیا اس وقت سے لے کر حیات جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر

آن اور ہر حال میں خدا کے رسول ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کا ہر فعل اور ہر قول

رسول خدا ﷺ کی حیثیت سے تھا“ (۶۱)۔

یہاں آپ نے درج ذیل آیات قرآنیہ سے استدلال کیا:

﴿ما ضل صاحبکم وما غوی ..... ان هو الا وحی یوحی﴾ (۶۲)

اور یہ حدیث مبارکہ بیان کی:

(فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منه الا حقاً) (۶۳)

”اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے جو کچھ نکلتا ہے

حق ہی نکلتا ہے۔“

تیسری غلطی کے تحت منکرین حدیث کا یہ موقف تھا کہ بحیثیت رسول آپ ﷺ کی اطاعت قیامت تک فرض ہے کیونکہ قرآن ہمیشہ کے لیے ہے لیکن بحیثیت امیر آپ کی اطاعت بالمشافہ تھی۔ یعنی بحیثیت امیر آپ ﷺ کی حیثیت صرف عہد نبوی ﷺ تک محدود تھی اس کا رد سید مودودی نے یوں کیا کہ سورۃ انفال کی آیت ۲۰ میں الفاظ ”وانتم تسمعون“ کے مخاطب صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو اس وقت موجود تھے بلکہ قیامت تک جو لوگ ایمان کے ساتھ قرآن کو سنیں گے ان سب پر لازم ہے کہ محمد ﷺ کا جو حکم ان کو پہنچے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں (۶۴)۔

منکرین حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے فرائض امارت اس طرح ہنگامی ہیں جس طرح دوسرے امراء کے ہوا کرتے ہیں۔ اس کا جواب سید مودودی نے یہ دیا:

”حضور ﷺ نے لڑائیوں میں جو اخلاقی ضوابط برتتے تھے اور جن ضوابط کو

برتنے کی ہدایت فرمائی تھی وہ کسی عہد کے لیے مخصوص نہ تھے بلکہ انہوں نے

مسلمانوں کے لیے ایک دائمی قانون جنگ بنا دیا ہے“ (۶۵)۔

منکرین کے اس موقف کہ بحیثیت امیر آنحضرت ﷺ اور دیگر امراء میں کوئی فرق نہیں

کے جواب میں سید صاحب نے لکھا:

”یہ حق سے صریح تجاوز ہے۔ قرآن مجید میں اطاعتِ خدا، اطاعتِ رسول

اور اطاعتِ اولی الامر کے تین مراتب بیان کیے گئے ہیں۔ اطاعتِ خدا

سے مراد قرآن مجید کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعتِ رسول سے مراد

رسول مقبول ﷺ کے قول و عمل کی پیروی ہے اور اطاعتِ اولی الامر سے

مراد مسلمانوں کے امراء اور اربابِ حل و عقد کی اطاعت ہے (۶۶)۔

جمہور کے نزدیک حدیث وحی غیر متلو ہے مگر منکرین حدیث نے اس عقیدے کا انکار کیا مثال کے طور پر منکر حدیث غلام احمد پرویز نے صحیح بخاری کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث فرضیت نماز بموقع معراج پر ان الفاظ میں تنقید کی:

”اس روایت سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ کسی یہودی نے گھڑی ہے تاکہ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہو جائے..... لیکن اب یہ چیزیں زیادہ عرصہ نہیں رہ سکتیں اگر مسلمانوں نے انہیں اسی طرح اپنے ساتھ چمٹائے رکھا تو یہ چکی کے پاٹ کی طرح انہیں بھی اپنے ساتھ لے ڈوبیں گی..... بہر حال یہ ہے نمونہ اس ”وحی خفی“ کا جس کی رو سے ہمارے مولوی صاحبان کے مطابق وہ احکام متعین ہوا کرتے تھے جن کا ذکر انہیں وحی جلی (قرآن کریم) میں نہیں ملتا“ (۶۷)۔

سید مودودی نے وحی خفی کی وضاحت آیات قرآنیہ کی روشنی میں کی۔ آپ نے نبوت کی وہیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

”اس طرح جن لوگوں کو پیدا کیا جاتا ہے وہ عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتے بلکہ غیر معمولی قابلیتوں کے ساتھ وجود میں آتے ہیں..... ان کے علوم کسی نہیں ہوتے بلکہ جبلی وہی ہوتے ہیں حق اور باطل صحیح اور غلط کا امتیاز ان کی عین سرشت میں ودیعت کیا جاتا ہے“ (۶۸)۔

پھر سید صاحب درج ذیل آیات قرآنیہ کا حوالہ دیتے ہیں۔

﴿وانزل اللہ علیک الکتب والحکمة وعلمک ما لم تکن تعلم﴾ (۶۹)  
 ”اور اللہ نے آپ پر نازل کیا کتاب اور حکمت کو اور آپ کو سکھایا وہ کچھ جو آپ نہیں جانتے تھے“۔

﴿قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني﴾ (۷۰)  
 ”اے پیغمبر (ﷺ) کہہ دیجئے میری راہ یہ ہے کہ میں تم کو اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر بلاتا ہوں اور دلیل رکھ کر اور جو میری پیروی کرے“

﴿ان اتبع الا ما یوحی الی ط قل هل یتوی الاعمی  
والبصیر﴾ (۷۱)

”میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے کہہ دیجئے کیا  
بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں۔“

سید صاحب کے نزدیک مذکورہ آیات اور اس مضمون کے متعلق دیگر آیات قرآنیہ میں  
جس حکمت کا ذکر کیا گیا ہے وہ کتاب سے الگ ایک روشنی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے نفس میں پیدا  
کر دی جاتی ہے۔ اسے انبیاء کی صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ وہ اس روشنی سے حقائق کا عینی  
مشاہدہ کرتے ہیں اسی سے غلط اور صحیح میں امتیاز کرتے ہیں۔ اسی سے معاملات میں فیصلہ کرتے  
ہیں۔ علمائے اسلام نے اسی چیز کا نام وحی خفی رکھا ہے۔ یعنی وہ اندرونی ہدایت و بصیرت جو ہر وقت  
ان بزرگوں کو حاصل رہتی تھی اور جس سے وہ ہر موقع پر کام لیتے تھے (۷۲)۔

منکرین حدیث کا وحی غیر متلو پر ایمان نہ لانے کا سبب ان کے مطابق یہ تھا کہ اگر یہ فرض کر لیا  
جائے کہ حضور ﷺ جو کچھ کرتے تھے وحی کی رو سے کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کو اپنی طرف سے  
بھیجی ہوئی ایک قسم کی وحی پر (نعوذ باللہ) تسلی نہ ہوئی۔ اس لیے دوسری قسم کی وحی کا نزول شروع ہو گیا (۷۳)۔  
کم علمی اور جہالت کی بنا پر کیے گئے اس اظہار خیال کے جواب میں سید مودودی نے درج  
ذیل آیت قرآنیہ کا حوالہ دیا۔

﴿وما کان لبشر ان ینکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او

یرسل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء انه علی حکیم﴾ (۷۴)

آپ نے لکھا:

”آپ تو دورنگی وحی پر ہی حیران ہیں، مگر آنکھیں کھول کر آپ نے قرآن پڑھا

ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ کتاب ”سہ رنگی وحی“ کا ذکر کرتی ہے جن میں سے

صرف ایک ”رنگ“ کی وحی قرآن میں جمع کی گئی ہے“ (۷۵)

اس کے بعد سید صاحب نے سات مثالیں قرآن اور روایات صحیحہ سے دے کر یہ ثابت کیا

کہ حضور ﷺ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی (۷۶)۔

یوں منکرینِ حدیث نے حجیت حدیث کو تسلیم کرنے کا انکار کرتے ہوئے سرمایہء حدیث کو محض ایک تاریخی دستاویز کے طور پر متعارف کرانے کی کوشش کی۔  
حافظ اسلم جیراج پوری کے مطابق:

”جب قرآنی حقائق اللہ نے میرے دل پر کھولے اس وقت حدیث کی اصلی حیثیت بالکل واضح ہو گئی کہ وہ دینی تاریخ ہے خود اس کو دین سمجھنا صحیح نہیں“ (۷۷)۔

حدیث کے محض تاریخی دستاویز ہونے پر ایمان رکھتے ہوئے اس گروہ نے یہ نقطہ نظر اپنایا:  
”اصل یہ ہے کہ جو امور وحی کی رو سے بیان ہوئے ہیں قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ انہیں کبھی اللہ کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور کبھی رسول کی طرف (کیونکہ لوگوں تک وہ احکام رسول ہی کی وساطت سے پہنچے تھے) اور مراد دونوں جگہ خدا کی وحی یعنی (قرآن کریم) ہوتا ہے“ (۷۸)۔

آیت ﴿ما حرم اللہ ورسولہ﴾ کا مفہوم انہوں نے یہ کہا

”ہم اس وقت تفصیل میں نہیں جانا چاہتے کہ قرآن میں جہاں اللہ اور رسول ﷺ کے الفاظ اکٹھے آتے ہیں وہاں اس سے مراد کیا ہوتی ہے۔“ (۷۹)

سید مودودی نے منکرینِ حدیث کے اس نظریے کا سبب یہ بتایا کہ قرآن و حدیث نبوی ﷺ کے درمیان تعلق کو درست انداز میں نہ سمجھنے کی بنا پر منکرینِ حدیث نے حجیت حدیث سے انکار کیا۔  
آپ نے لکھا:

”کتاب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو اسی غرض سے بھیجا گیا تھا کہ آپ اس ماہر فن کی ضرورت کو پورا کریں آپ نے استاد کی حیثیت سے جو کچھ بتایا اور سکھایا ہے اس کو غیر از قرآن کہنا صحیح نہیں ہے“ (۸۰)۔

پھر آپ نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ قرآن تک رسائی کا ذریعہ بھی حدیث ہی ہے (۸۱)۔ قرآن منہی کے لیے حدیث ناگزیر ہے۔ اس پر ایمان لازم ہے۔ اس کی ایک مثال آپ نے یوں بیان کی:



”رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی تفصیلات نماز وغیرہ کو غیر از قرآن کہنا ہی سرے سے غلط ہے۔ اگر کوئی ماہر فن طبیب فن طب کے کسی قاعدے کو عملی تجربہ کر کے شاگردوں کو سمجھائے تو آپ اسے ”خارج از فن“ نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی پروفیسر اقلیدس کے کسی مسئلہ کی شکلیں کھینچ کر تشریح و تفصیل کے ساتھ سمجھائے تو آپ اسے غیر از اقلیدس نہیں کہہ سکتے“ (۸۲)۔

رسول اکرم ﷺ بحیثیت پیغمبر محض نامہ بر یا مبلغ کا درجہ رکھتے ہیں اس باطل نظریہ کا اظہار کرتے ہوئے منکرین حدیث نے رسول اکرم ﷺ کی شارح قرآن، شارح دین، معلم رہنما و قائد کی دائمی حیثیات کا یکسر انکار کر دیا۔

غلام احمد پرویز کے مطابق:

”رسول ﷺ کی ذات میں شخصیت اور تصوریت (Personality & Ideology) دونوں یک جا مزوج (ملی ہوئی) ہوتی ہیں۔ یوں سمجھو کہ نبوت شخصیت کی مظہر ہوتی ہے اور رسالت آئیڈیالوجی کی نقیب۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت (شخصیت) ختم ہوگئی اور رسالت (آئیڈیالوجی) باقی رہ گئی اس لیے کہ اب انقلابات کا مدار رسالت (Ideology) پر تھا نہ کہ شخصیتوں پر“ (۸۳)۔

چنانچہ ان کے نزدیک اب عہد نبوی کی حیثیت ویسے ہی ہے جیسے کہ کسی بھی دوسرے دنیاوی حاکم کے دور حکومت کی ہوتی ہے۔ بعد کے زمانوں میں حالات و واقعات کے مطابق جو بھی فیصلے کیے جائیں گے ان میں عہد نبوی کو قانونی حیثیت دینے کی ضرورت نہیں۔

اس باطل مفروضے کے رد میں سید مودودی نے آیات قرآنیہ نقل کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کیا: ”یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ نبوت ایک عرض ہے جو ایک خاص وقت میں نبی کے جوہر انسانیت پر عارض ہوتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہی انسانیت کاملہ کا جوہر ہے جو نبوت کی استعداد کے ساتھ پیدا کیا جاتا ہے اور فعلیت کی طرف ترقی کرنے کرتے آخر کار نبوت بنا دیا جاتا ہے۔ نبوت کا منصب ایسا نہیں ہے کہ ایک انسان تھا جو وائسرائے نے بنا دیا گیا حتیٰ کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو

وہ بھی اس کی طرح دائرے بنایا جاسکتا تھا بلکہ دراصل نبوت ایک پیدائشی چیز ہے اور نبی کی حیثیت ذاتی ہی اس کی حیثیت نبوی ہے“ (۸۴)۔

ایک اور مقام پر سید صاحب نے لکھا:

”اس الزام کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں رفع کر دیا ہے وہ محمد ﷺ سے فرماتا ہے ﴿وما ارسلناک الا رحمة للعالمین﴾ (انبیاء: ۱۰۷) ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا فیضان رسالت صرف اپنے زمانے تک کے لیے ہوتا تو آپ کو رحمة للعالمین نہیں کہا جاسکتا تھا..... پھر یہ جو فرمایا کہ ﴿وما ارسلناک الا کافة للناس بشیرا ونذیرا ولكن اکثر الناس لا یعلمون﴾ (السا: ۲۸) یہ ارشاد صاف اشارہ کر رہا ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت کے وقت سے لے کر قیامت تک جن بندگان خدا پر الناس کا اطلاق ہوتا ہے ان سب کے لیے آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں“ (۸۵)۔

منکرین حدیث نے رسول اکرم ﷺ کی اطاعت بعد کے ادوار کے لیے غیر لازم قرار دینے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ حدیث کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس ضمن میں انہوں نے قدیم اعتراض جو معتزلی منکرین کے بعد مستشرقین نے کیا نقل کیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور عہد نبوی میں ہی کتابت قرآن کا اہتمام کیا گیا۔ اس طرح احادیث کی حفاظت اللہ کی جانب سے نہیں کی گئی نہ ہی عہد نبوی میں اس کی کتابت کا اہتمام کیا گیا۔ لہذا ایسے غیر محفوظ ذخیرہ علم پر دین کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی ہے (۸۶)۔

اس اعتراض کا جواب سید مودودی نے اپنے مضمون ”حدیث اور قرآن“ میں دیا۔ انہوں نے اس مضمون میں محدثین عظام کی تدوین حدیث کے لیے کی گئی مساعی جمیلہ کا تذکرہ پر جوش انداز میں کیا ہے۔ تحقیق فی الحدیث میں محدثین کرام کے اس اسلوب کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ خبر واحد اور آئمہ کے مابین موجود قبولیت اقسام حدیث میں اختلافات کی نوعیت کو واضح کیا ہے اس کے بعد یہ موقف اختیار کیا:

”اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جن لوگوں نے فن حدیث کی تحقیق اور اس کے

باقاعدہ مطالعہ اور تحقیقات میں پورا ایک مہینہ بھی صرف نہیں کیا ہے وہ ان بزرگوں کے کارناموں پر تنقید کریں جنہوں نے پوری پوری عمریں اس فن کی خدمت میں بسر کر دی ہیں“ (۸۷)۔

احادیث کو موضوع ثابت کرنے کے لیے منکرین حدیث نے یہ موقف اختیار کیا کہ بعض احادیث جو بخاری شریف میں درج ہیں وہ ایسی شرم ناک ہیں کہ عقل انہیں اقوال نبوی ﷺ تسلیم نہیں کرتی اس اعتراض نے عام لوگوں کو اس بارے میں سوال کرنے پر مجبور کر دیا کہ کتب احادیث میں کتاب الطہارۃ، کتاب الغسل کے ابواب کیوں کر شامل کیے گئے۔ ایسے ہی ایک قاری نے ترجمان القرآن میں سید مودودیؒ سے کتاب الغسل کی ایک روایت کے بارے میں سوال کیا۔ سید صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

”لیکن وہ غور کریں تو ان کو معلوم ہو کہ درحقیقت ایک بہت بڑا ایثار تھا جو حضور ﷺ نے محض اپنی امت کی خاطر گوارا فرمایا۔ جس ذات پاک کی حیا کا یہ عالم تھا کہ اس کی شریک زندگی تک کو کبھی اسے برہنہ دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا، حتیٰ کہ جس نے کبھی تنہائی میں بھی برہنہ ہونے کو پسند نہ کیا اس نے محض اپنی امت کو صفائی اور شایستگی کی تعلیم دینے کے لیے اپنی بیویوں کو اجازت دے دی کہ اس کی پرائیویٹ زندگی کے مخفی سے مخفی واقعات تک کو سبک کر دیں“ (۸۸)۔

سید صاحب نے دفاع حدیث کے لیے قلمی کام کے علاوہ عملی اقدامات بھی کیے۔ سید مودودیؒ اور ان کی جماعت اسلامی نے قیام پاکستان کے بعد آئین پاکستان میں قرآن و سنت کی بالادستی کے لیے جدوجہد کی۔ غرض فتنہ انکار حدیث کے رد میں انجام دیے جانے والے سید مودودیؒ کے کام کے تین نمایاں پہلو ہیں۔

۱۔ اصطلاحات اسلام کی تشریح قرآن و سنت، ماخذین اول اور تاریخی روایات کی روشنی میں اس انداز سے کرنا کہ منکرین حدیث کے نظریات کا بطلان ہو جائے اور حق قاری کے دل میں بیٹھ جائے۔ مثلاً پردہ، حقوق الزوجین، اسلامی ریاست اور سنت کی آئینی حیثیت وغیرہ کتب میں جامعیت کے ساتھ اسلامی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

۲۔ منکرین حدیث کو ان کی روش سے باز رکھنے کے لیے اپنے مضامین کے ذریعے براہ راست ان کے گمراہ کن افکار کی نشاندہی کرنے کے بعد مدلل طریقے سے ان کا رد قرآن و سنت کی روشنی میں کیا۔

۳۔ خط و کتابت کے ذریعے منکرین حدیث کو براہ راست ان کی غلط روش سے باز رکھنے کی کوشش کی جس کی مثال ”سنت کی آئینی حیثیت“ ہے جو ایک منکر حدیث ڈاکٹر عبدالودود کے ساتھ سید صاحب کی خط و کتابت پر مبنی ہے۔

اس کتاب میں منکرین حدیث کے کردار کی خرابیاں بھی سامنے لائی گئی ہیں۔ اب تک اس کتاب کے تیرہ (۱۳) ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔ کل تعداد اشاعت سولہ ہزار آٹھ سو ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ اس خط و کتابت پر مشتمل ہے جو تشکیل آئین پاکستان کے دوران سید مودودی اور نمائندہ منکرین حدیث ڈاکٹر عبدالودود کے درمیان ”ملکی آئین میں ”سنت“ کو بطور ماخذ قانون شامل کیا جانا چاہئے یا نہیں؟“ کے موضوع پر ہوئی۔ کتاب کا دوسرا حصہ جناب جسٹس محمد شفیع ہائی کورٹ مغربی پاکستان کی جانب سے حدیث پر اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات پر مبنی ہے۔ ۲۱ جولائی ۱۹۶۰ء کو مقدمہ رشیدہ بیگم بنام شہاب دین کا فیصلہ سناتے ہوئے فاضل جج نے حدیث رسول ﷺ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ صریحاً انکار حدیث پر مبنی تھے۔ ”سنت کی آئینی حیثیت“ میں فاضل جج کے اعتراضات نقل کرنے کے بعد قرآن و حدیث اور تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کا جواب سید مودودی نے دیا ہے۔ کتاب کا موضوع ”انکار حدیث کا رد“ ہے۔ اس کی اشاعت کا مقصد منکرین حدیث کی موثر گائیوں کے اثرات سے امت مسلمہ کو بچانا ہے۔ لہذا سنت کا معنی و مفہوم، سنت کی تعریف، جمع و تدوین حدیث کی تاریخ اور سنت کی قانونی حیثیت کی وضاحت عام فہم اور سادہ الفاظ میں اس کتاب میں کر دی گئی ہے تاکہ قارئین اس کتاب کے مطالعہ کے بعد فتنہ انکار حدیث کی حقیقت سے باخبر ہو جائیں اور حدیث کی اعتقادی حیثیت کا ادراک کرتے ہوئے انکار حدیث کے ارتکاب سے باز رہیں۔ کتاب کی اشاعت کا ایک اور مقصد منکرین حدیث کے ان عزائم کو ناکام بنانا تھا جن کے تحت وہ پاکستان کے آئین میں ”سنت“ کو بحیثیت ماخذ قانون شمولیت کے حق میں نہ تھے۔ سید مودودی کی یہ کتاب ”سنت“ کی تعریف اور اسکے مختلف پہلوؤں کی وضاحت پر مشتمل ہے۔

منکرینِ حدیث کی خامیوں کی نشاندہی

ڈاکٹر عبدالودود کے ساتھ سید مودودیؒ کی مراسلت کی اشاعت کا بنیادی مقصد منکرینِ حدیث کے کردار کو عوام الناس کے سامنے بے نقاب کرنا تھا جو ہٹ دھرمی، کٹ جتی، باطل پر ڈٹے رہنا اور حق کو پا کر بھی اس سے انکار پر مبنی تھا۔ ڈاکٹر عبدالودود نے اپنے پہلے خط میں درج ذیل سوالات سید مودودیؒ سے کیے:

- ۱۔ جس طرح ”کتاب“ سے مراد قرآن مجید ہے اسی طرح سنت سے کیا مراد ہے؟
- ۲۔ قرآن کی طرح سنتِ رسول اللہ ﷺ کی مرتب شکل میں جامع و مانع کوئی کتاب ہے؟
- ۳۔ سنتِ رسول اللہ ﷺ کی کتاب کا متن تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ ہے جیسے قرآن مجید کا متن ہے؟

۴۔ اگر نہیں تو کیسے معلوم ہوگا کہ فلاں بات سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے یا نہیں؟ (۸۹)

مذکورہ چار سوالات سے شروع ہونے والی مراسلت جب اختتام پذیر ہوئی تو نتیجہ یہ تھا کہ ڈاکٹر عبدالودود کی کج بخشی سامنے آچکی تھی۔ سید مودودیؒ نے ان سوالات کے درج ذیل جوابات دیے:

۱۔ یہ قانون محمد ﷺ سے ہم کو دو شکلوں میں ملا ہے ایک قرآن جو لفظ بلفظ خداوندِ عالم کے احکام و ہدایات پر مشتمل ہے۔ دوسرے محمد ﷺ کا اسوۂ حسنہ یا آپ کی سنت جو قرآن کے منشا کی توضیح و تشریح کرتی ہے (۹۰)

۲۔ ایک معاشرے اور ریاست کا پورا نظام صرف ایک مدون کتاب آئین (code) ہی پر نہیں چلا کرتا بلکہ اس کتاب آئین کے ساتھ رواجات (Conventions) روایات (Traditions) نظائر (Precedents) عدالتی فیصلوں، انتظامی احکام، اخلاقی ہدایات وغیرہ کا ایک وسیع سلسلہ بھی ہوتا ہے جو کتاب آئین پر عملاً ایک نظام زندگی چلنے کا لازمی نتیجہ ہے..... یہ چیز دنیا میں کہیں بھی کسی ”ایک جامع و مانع کتاب“ کی شکل میں مرتب نہیں ہوتی، نہ ہو سکتی ہے (۹۱)۔

۳۔ تیسرے اور چوتھے سوال کا جواب دیتے ہوئے سید مودودی نے لکھا:

”سنت کی تحقیق میں اختلاف اس کو آئین کی بنیاد بنانے میں اسی طرح مانع نہیں

ہو سکتا جس طرح قرآن کی تعبیر میں اختلاف اسے آئین کی بنیاد قرار دینے میں مانع نہیں ہے“ (۹۲)۔

ڈاکٹر عبدالودود کے ابتدائی چار سوالات کے جوابات سید مودودی کی جانب سے مفصل دیے جانے کے باوجود ڈاکٹر صاحب کی طرف سے مسلسل احادیث پر اعتراضات کا سلسلہ آخری خط تک جاری رہا۔ انہوں نے حق کو تسلیم کرنے کے بجائے خود سید مودودی کے جوابات میں سے سوالات نکال نکال کر بحث کو طول دیا۔ چنانچہ مئی ۱۹۶۰ء سے جس مراسلت کا آغاز ہوا اور جس میں حجیت حدیث کے اثبات میں قرآن و حدیث سے بیش قیمت دلائل دے دیے گئے اس کے بعد نومبر ۱۹۶۰ء میں ارسال کیے گئے مراسلے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا:

”ایک سچے مسلمان کی طرح میں ہر وقت حق کے آگے جھکنے پر تیار ہوں لیکن جہاں حق موجود ہی نہ ہو بلکہ کسی بت کے آگے جھکنا مقصود ہو تو کم از کم میں ایسا نہیں کر سکتا“ (۹۳)۔

اس کے جواب میں سید مودودی نے منکرین حدیث کا اس مراسلت کا بنیادی مقصد قارئین کے سامنے یہ بیان کیا:

”آپ نے یہ مراسلت واقعی بات سمجھنے کے لیے کی ہوتی تو سیدھی بات سیدھی طرح آپ کی سمجھ میں آجاتی لیکن آپ کی تو سیکیم ہی کچھ اور تھی۔ آپ نے اپنے ابتدائی سوالات میرے پاس بھیجنے کے ساتھ ساتھ کچھ دوسرے علماء کے پاس بھی اس امید پر بھیجے تھے کہ ان سے مختلف جوابات حاصل ہوں گے اور پھر ان کا ایک مجموعہ شائع کر کے یہ پروپیگنڈا کیا جاسکے گا کہ علماء سنت سنت تو کرتے ہیں مگر دو عالم بھی سنت کے بارے میں ایک متفقہ رائے نہیں رکھتے“ (۹۴)۔

اس طرح اپنے تجربے کی بنا پر سید مودودی منکرین حدیث کا کردار یہ بتاتے ہیں:

”منکرین حدیث کے بے نظیر اوصاف میں سے ایک نمایاں وصف ہے کہ آپ ان کی ایک غلطی کو دس مرتبہ بھی مدلل طریقے سے غلط ثابت کر دیں، پھر بھی وہ اپنی بات دہراتے چلے جائیں گے اور آپ کی بات کا قطعاً کوئی نوٹس نہ لیں

گے“ (۹۵)۔

”سنت کی آئینی حیثیت“ میں منکرینِ حدیث کے ساتھ مراسلت کا بنیادی مقصد علم حدیث کی توضیح کرنا تھا۔ سید مودودی نے اس مراسلت کے دوران وحی متلو اور وحی غیر متلو کی تعریف جمع و تدوین حدیث کی تاریخ، جرح و تعدیل کی وضاحت اور آئمہ کی اس ضمن میں مساعی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اتباع سنت اور عصر حاضر میں سنت کی اہمیت اور ضرورت پر مدلل و مفصل انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ سید مودودی کی خدمات حدیث میں اس کتاب کی اہمیت ناقابل انکار ہے۔

سید صاحب نے دفاع حدیث کے ضمن میں کیے گئے اقدامات کے نتائج دور رس اور کامیاب برآمد ہوئے۔ عوام کی اکثریت اسلام سے آگاہی حاصل کرنے کی جستجو میں لگ گئی۔ آپ کے مضامین کے اغلاط سے پاک ہونے، دلائل سے پر ہونے، طرز استدلال کے پرکشش ہونے اور عام فہم ہونے کی وجہ سے مقبولیت کے بلند درجے کو پہنچتے ہیں جس کی وجہ سے نوجوان نسل اور طلباء کی بڑی تعداد ان سے استفادہ کرتی ہے۔ اپنے مضامین میں حدیث کے اصل مقام کو واضح کرنے کی شعوری کوشش میں سید صاحب کامیاب ہوئے اور برصغیر میں حدیث دین میں بطور ماخذ اور حجت کے باقی رہی۔

بقول خلیل الرحمن چشتی:

”منکرین حدیث ہر دور میں پائے گئے ہیں مولانا مودودی کے دور کے منکر حدیث اصل میں اشتراکیت سے مرعوب تھے۔ مولانا نے ان کی کھوکھلی عمارت کو منہدم کرنے کے لیے سب سے پہلے بنیاد پر ضرب لگائی اور خود قرآن سے ثابت کیا کہ محمد ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد ان کے اہم ترین اعتراض قرآن کی طرح سنت کتابی شکل میں محفوظ نہیں ہے کا بہت ہی تفصیل سے جواب دیا کہ سنت ایک لمحے کے لیے بھی امت مسلمہ سے غائب نہیں ہوئی۔ سنت کی آئینی حیثیت اور رسائل و مسائل میں اس موضوع پر مباحث کا بغور جائزہ لیجئے آپ پر یہ بات روشن ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ یہ کتنا عظیم کارنامہ ہے“ (۹۶)۔

آئین پاکستان میں سنت کی شمولیت

قیام پاکستان کے بعد سید مودودی نے دستور میں قرآن کے ساتھ سنت کی بالادستی کی شمولیت کی جدوجہد کی۔ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم محمد علی جناح نے اسمبلی میں اپنے صدارتی خطاب میں نومولود پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کی اولین ذمہ داری آئین کی تیاری بتائی (۹۷)۔ قائد اعظم کے اس خطاب نے عوامی حلقوں میں یہ سوال اٹھایا کہ پاکستان کا آئین کیسا ہوگا؟ اسلامی یا سیکولر جبکہ حکومتی سطح پر سیکولر قسم کی غیر مشروط جمہوریت اور مساوات پر مبنی معاشرے کے قیام کی سوچ پائی جاتی تھی جیسا کہ اس وقت بین الاقوامی فضا قائم تھی۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سید مودودی نے قیام پاکستان سے قبل ترجمان القرآن میں قیام پاکستان کے بعد کی جس امکانی صورتحال کا ذکر کیا ہے بگا ہے کیا تھا وہ سامنے آرہی تھی۔ مگر عوام کی جانب سے اسلامی دستور کے نفاذ کے مطالبہ پر ملک میں یہ بحث چل پڑی کہ پاکستان کا آئین کیسا ہونا چاہئے۔ اسلامی یا سیکولر؟ اس نازک وقت میں سید صاحب نے جنوری ۱۹۴۸ء سے لے کر مارچ ۱۹۴۹ء تک آئین پاکستان میں اسلام کو مرکزی نظام کی صورت میں نافذ کرنے کے لئے عملی اقدامات کی نشاندہی کی۔ ۶ جنوری ۱۹۴۸ء سے ۱۴ مارچ ۱۹۴۸ء تک ریڈیو پاکستان پر سید صاحب کی پانچ تقاریر نشر کی گئیں۔ ان کے موضوعات تھے ”اسلام کا اخلاقی نظام، اسلام کا سیاسی نظام، اسلام کا معاشرتی نظام، اسلام کا اقتصادی نظام اور اسلام کا روحانی نظام (۹۸)۔

۶ جنوری ۱۹۴۸ء اور ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو پنجاب یونیورسٹی کالج لاہور میں منعقدہ تقاریب میں ”اسلامی قانون اور پاکستان میں اس کے نفاذ کی عملی تدابیر“ کے موضوع پر دو تقاریر کیں جن میں پاکستان میں قانون اسلامی کے نفاذ کے لیے تدابیر اور طریقے تجویز کیے۔ یہ پہلا موقع تھا جب سید صاحب نے عوام کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ مجلس دستور ساز پاکستان کو چاہئے کہ ایک قرارداد کی صورت میں ان مقاصد کا اعلان کرے جن کے حصول کے لیے مسلمانان برصغیر نے ایک جداگانہ مملکت کے قیام کے لیے جدوجہد کی تھی۔

سید صاحب نے کہا مجلس دستور ساز پاکستان کو چاہئے کہ وہ یہ اعلان کرے:

۱۔ پاکستان میں حاکمیت خدا کی ہے اور ریاست اس کے نائب کی حیثیت سے ملک کا انتظام کرے گی۔

۲۔ ریاست کا اساسی قانون شریعتِ خداوندی ہے جو محمد ﷺ کے ذریعے سے ہمیں پہنچی ہے۔



۳۔ تمام پچھلے رائج قوانین جو شریعت سے متصادم ہوتے ہیں بتدریج بدل دیے جائیں گے اور آئندہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا جو شریعت سے متصادم ہوتا ہو۔

۴۔ ریاست اپنے اختیارات کے استعمال میں اسلامی حدود سے تجاوز کی مجاز نہ ہوگی (۹۹)۔  
۱۸ مئی ۱۹۴۸ء کو ریڈیو پاکستان پر نشر کیے گئے ایک مباحثہ میں سید صاحب نے وضاحت کے ساتھ دستور پاکستان میں ایسے اقدامات تجویز کیے جن کے بعد دستور اسلامی کہلا سکتا ہو۔ انہوں نے قانون اسلامی میں موجود اختلافات مٹانے کا طریقہ یہ تجویز کیا:

۱۔ پاکستان کو ایسی مذہبی ریاست جس میں اخلاق، مذہب، تہذیب، تمدن، معاشرت، قانون، سیاست اور معیشت اسلامی اصولوں پر قائم ہو بنانے کے لیے ایسے لوگوں کو تلاش کیا جائے جو دین و دنیا دونوں کے ماہر ہوں اور قرآن و حدیث کی تعلیمات اور سیاسیات و معاشیات وغیرہ کے مسائل پر یکساں نظر رکھتے ہوں۔

۲۔ باہمی اختلافات خواہ مذہبی ہوں یا دنیاوی ان کا حل جمہوری طریقے کے مطابق یہ ہے کہ ریاست کا نظام اس نقطہ نظر کے مطابق چلایا جائے جس کو اکثریت قبول کرتی ہو اور قلیل التعداد گروہوں کے نقطہ نظر کی زیادہ سے زیادہ اتنی رعایت کی جائے جس کی اصول میں گنجائش ہو۔

۳۔ اسلامی ریاست کی حیثیت سے پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لیے پاکستانی عوام میں صحیح اسلامی روح اور دین کی اصلی اقدار سے آگاہی پیدا کرنے کے لیے کام کیا جائے (۱۰۰)۔  
سید صاحب نے دستور اسلامی کے نفاذ کے لیے عوامی تحریک چلانے کا آغاز اپریل ۱۹۴۸ء میں کیا۔ اس کے بعد جماعت اسلامی کی طرف سے رائے عامہ کو دستور اسلامی کا مطالبہ کرنے کے لیے ہموار کیا جانے لگا (۱۰۱)۔

اس جدوجہد کے دوران سید صاحب اور ان کے دو ساتھیوں امین احسن اصلاحی اور میاں طفیل محمد کو اکتوبر ۱۹۴۸ء میں پنجاب پبلک سینیٹی ایکٹ کے تحت گرفتار بھی کیا گیا۔ تاہم اس جدوجہد کی کامیابی کے طور پر ۱۴ مارچ ۱۹۴۹ء کو مجلس دستور ساز نے ”قرارداد مقاصد“ منظور کر لی۔

۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۳ء تک کا دور تشکیل آئین کے لحاظ سے اہم تھا اس دوران اسلامی نظام کے

حامیوں اور لادین نظام کے حامیوں کے مابین کشمکش جاری رہی۔ لادین نظام کے نفاذ کے حامین میں حکومت، قادیانی اور منکر حدیث گروہ شامل تھے۔ جبکہ اسلامی نظام کے نفاذ کے حق میں عوام کی اکثریت مذہب پسند سیاسی جماعتیں اور علماء کرام شامل تھے۔ اس دور میں ان دو گروہوں کی کشمکش میں زیر بحث نکتہ یہ تھا کہ دستور میں حدیث کو بطور ماخذ دین شامل کیا جانا چاہئے یا نہیں؟

اول الذکر طبقہ دستور میں حدیث کی شمولیت کا مخالف تھا جبکہ موخر الذکر طبقہ یہ جانتا تھا کہ دین سے حدیث کی حجیت کو ختم کر دیا جائے تو دین کی من مانی تعبیریں کرنا ممکن ہو جائے گا اور مسلمانوں کی اجتماعیت اور مرکزیت ختم ہو جائے گی۔ اسلام کی رو سے ایسا نظام جو سنت کے بغیر عمل میں لایا جائے گا وہ غیر اسلامی نظام ہوگا۔ لہذا وہ اس بات پر سمجھوتہ کرنے پر تیار نہ تھے کہ دستور میں حدیث کو اس کا مناسب مقام نہ دیا جائے۔ سید مودودیؒ ان کے رفقاء اور ان کے ہم خیال علمائے کرام کے گروہ نے ملک میں قرآن و سنت پر مبنی دستور کے نفاذ کے لیے جو شب و روز محنت کی اس میں جمہوری طریقے اختیار کیے۔

۷ ستمبر ۱۹۵۰ء کو حکومت کی جانب سے پیش کردہ دستوری مسودہ سیکولر طرز کا تھا جس میں تعلیمات اسلامی بورڈ کی تجاویز شامل نہ کی گئیں جس پر سید صاحبؒ نے حسب ذیل تنقید کی:

”بنیادی اصولوں کی پوری رپورٹ پڑھ جائیے اس میں ایک لفظ بھی آپ کو ایسا نہ ملے گا جس کا مطلب یہ ہو کہ اللہ اور رسولؐ کے حکم کو اس ریاست میں آخری سند (Final Authority) کی حیثیت حاصل ہوگی اور پبلک اور حکومت کے درمیان ہر نزاع کا فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہوگا“ (۱۰۲)۔

آئین میں قرآن و سنت کی بالادستی کے نفاذ کے لیے اگلا عملی قدم اٹھانے کے لیے ۳۱ علمائے کرام جنوری ۱۹۵۱ء میں کراچی میں جمع ہوئے اور ۲۲ نکات اسلامی دستور کی تشکیل کے لیے اتفاق رائے سے منظور کیے جن کا دوسرا نکتہ یہ تھا کہ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا۔ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے گا اور نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جائے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔ اور ۲۲ نکات میں ایک ترمیم یہ کی گئی کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دے کر پنجاب سے مرکزی اسمبلی میں ان کے لیے ایک نشست مخصوص کر دی جائے (۱۰۳)۔

منکرین حدیث جو ملک میں ”قرآنی دستور“ لانے کے خواہاں تھے۔ انہوں نے ”قرآنی دستور پاکستان“ کے نام سے اپنی پسند کے دستور کی وضاحت کرتے ہوئے ”سنت“ کی دستور میں شمولیت کو خطرناک قرار دیا۔ ”قرآنی دستور پاکستان“ میں لکھا ہے:

”سنت (احادیث) کی رو سے جنگ کے قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنایا جائے گا یا مثلاً بنیادی حقوق کی رو سے ہر شخص کو تبدیلی مذہب کی اجازت ہوگی لیکن سنت (احادیث) کی رو سے جو مسلمان مذہب تبدیل کرے گا اسے موت کی سزا دی جائے گی..... یہ تو ابھی پہلا قدم ہے جب پورا قانون بنایا جائے گا تو اس وقت دیکھیے گا کہ قرارداد مقاصد میں ”سنت“ (احادیث) کو کانسٹی ٹیوشنل پوزیشن دینے والے کن کن امور میں مجبور ہو جائیں گے کہ وہ خلاف ”سنت“ قانون بنائیں (۱۰۴)۔

منکرین حدیث کا رسالہ ”طلوع اسلام“ کراچی اس دور میں سنت کے خلاف ان کی تحریک کا ترجمان تھا۔

دستور میں ”سنت“ کی شمولیت کی اس جدوجہد میں سید مودودی کی شخصیت ایک اور پہلو سے اس طرح سامنے آتی ہے کہ آپ حکومت قادیانی، منکرین حدیث، سیکولر ذہنیت رکھنے والے گروہ ہر ایک کی تنقید کا براہ راست نشانہ بنے۔ حکومت نے انہیں ان کی جماعت رسالہ ترجمان القرآن اور ان کے ہم خیال سہ روزہ کوثر اور روزنامہ تسنیم کو تنبیہ و تادیب کے سلوک کا حق دار سمجھا۔ سید صاحب اور ان کے رفقاء کو جیل جانا پڑا۔ سید صاحب پر بغاوت کا مقدمہ چلا اور انہیں پھانسی کی سزا سنائی گئی، قادیانیوں نے انہیں دھمکیاں دیں منکرین حدیث نے انہیں ملأ مدعی نبوت، حریص اقتدار وغیرہ کے الزامات دیے (۱۰۵)۔ اس سلوک کو سید صاحب نے صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ انہوں نے سنت کی تشریح کا کام جاری و ساری رکھا۔ تفہیم القرآن اور ترجمان القرآن کے اس دور کے مضامین میں قرآن و سنت کے مطابق تشریحات اسلام ملتی ہیں۔ سنت ایک ایسا منظم اور مربوط نظام ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کرتا ہے اس نظریے کے مطابق سید صاحب کے اس دور کے مضامین میں سیاست، معاشرت، معیشت، اخلاقیات وغیرہ ہر موضوع پر قرآن و سنت سے استدلال ملتا ہے۔ اس طرح انہوں نے عوامی

فکر میں سنت کو اجاگر کیا۔ سید صاحب کے نزدیک قرآن و سنت پر مبنی نظام مرکزی سطح پر قرآن و سنت پر مبنی اذہان کی پہنچ کے بغیر کامیابی سے نافذ نہ ہو سکتا تھا اس بنا پر ان کی جماعت، جماعت اسلامی نے عملی سیاست میں قدم رکھا۔

۱۹۵۲ء کی دستوری سفارشات جو ناظم الدین رپورٹ کے نام سے مشہور ہیں جنوری ۱۹۵۲ء میں اکابر علماء کی جانب سے اس میں ترمیمات تجویز کی گئیں۔ ۳۰ جنوری ۱۹۵۲ء کو لاہور کے جلسہ عام میں سید مودودی نے ان تجاویز کی وضاحت کی (۱۰۶)۔

مختصر یہ کہ ملک کی دستوری جدوجہد جو ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۷۳ء تک جاری رہی اس میں سنت کو بطور سند شامل کرنے کی کوشش کرنے والوں میں سید مودودی ایک مرکزی شخصیت کے طور پر نظر آتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر خالد علوی:

”حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان میں ریاست کی اسلامی شناخت کے سلسلے میں ساری جدوجہد صرف ایک شخص کے گرد گھومتی ہے اور وہ سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ذات ہے۔ جماعت اسلامی کے کارکن اس جدوجہد کا اہم حصہ تھے۔ علماء کرام اور مسلمان عوام اس مہم میں شریک تھے لیکن اس مہم کی فکری راہنمائی اور عملی منصوبہ بندی سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کی تھی۔ مقتدر طبقات اگرچہ ہمیشہ سیکولر رہے وہ سید مودودی سے ہمیشہ خائف رہے۔ اسلام کے سیاسی نظام، اسلامی ریاست، اسلامی حکومت اور اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں جو فکری خطوط سید مودودی نے مرتب کیے وہی اس جدوجہد کے رہنما اصول تھے۔ ۱۹۵۶ء کا دستور اور پھر ۱۹۶۲ء کا دستور سید مودودی کے تبصروں کی زد میں تھا۔ پاکستان کی دستوری تاریخ پر سید مودودی کے افکار کی حیثیت رہنما اصولوں کی رہی پاکستانی ریاست کی اسلامی شناخت کے سلسلے میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اگر سید مودودی نہ ہوتے تو اس ریاست کی دستوری حیثیت کچھ اور ہوتی“ (۱۰۷)

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی کوششوں میں سید مودودی اور ان کی جماعت کہاں تک

کامیاب ہوئی تجزیہ نگاروں نے اس بارے میں غور و فکر کے بعد درج ذیل نتیجہ اخذ کیا ہے۔ بقول فریڈرک گریس (Fredric Grace):

" What conclusion should be drawn, at the end of this brief study, from the experiment conducted by the Jamaat in the last fifty years or so? even before we conclude whether a 'peril', exists or not, one cardinal fact stands out that in countries with a Muslim majority, the Jamaat has taken on a national character to the extent at least to which these states have Islamized themselves. Beyond that however, can one talk of the existence of a green peril' as some assert? If there is no such 'peril' can we look forward to more promising times to come? Has the political practice of the Jammatt deflected the dogma into a more demoratic direction? How are we to evaluate, finally, its capacity for the mobilization of the Muslim diaspora in Europe"? (108)

اس مختصر مطالعہ کے بعد اس تجربہ سے جسے جماعت نے پچھلے پچاس یا کچھ برسوں میں حاصل کیا کیا نتیجہ اخذ کیا جانا چاہئے؟ اس سے پہلے کہ ہم نتیجہ نکالیں کہ آیا کسی خطرے کا وجود ہے یا نہیں۔ ایک اہم حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ ان ممالک میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے جماعت نے ایک حد تک ایک قومی کردار اختیار کر لیا ہے کم از کم اس حد تک جہاں پر ان ریاستوں نے اپنے آپ کو اسلامی بنا لیا ہے۔ اس سے آگے کیا کوئی 'سبز خطرے' کے وجود کے بارے میں بات کر سکتا ہے جیسا کہ کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہے تو کیا ہم بہتر اور روشن ادوار کے آنے کے منتظر ہو سکتے ہیں؟ کیا جماعت کے سیاسی عمل نے عقائد کو جمہوری سمت کی طرف موڑ دیا ہے۔ آخر کار ہمیں اس کی یورپ میں ہجرت کرنے والے مہمانوں میں رائے عامہ کی بیداری پیدا کرنے کی صلاحیت کا ایسے اندازہ لگانا ہے۔

اسی طرح ایک اور مبصر ڈاکٹر پوجا جوشی (Dr. Pooja Joshi) کے مطابق:

"After Pakistan's creation the Jamaat launched a massive movement for Pakistan's Islamization. It mounted press are on the ruling elite to mould Pakistan's is political system and its constitutional apparatus in accordance with the Islamic political doctrines as laid down in the Quran and the Sunnah. The founder of Pakistan, Quaid-i-Azam, M.A. Jinnah, faced stiff challenge from the conservative Jamaat leadership. Jinnah's suggestion of building Pakistan on secular lines was rejected by the Jamaat and the Ulama. Similarly, during Ayub and Bhutto eras, the Jamaat insisted upon Islamization measures and achieved considerable success" (109)

"پاکستان کی تخلیق کے بعد جماعت نے پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کے لیے ایک تقسیم الشان تحریک کا آغاز کیا۔ اس نے پاکستان کے سیاسی فہم اور آئینی مشینہ بی کو اسلامی سیاسی عقائد و نظریات کے مطابق ڈھالنے کے لیے جو کہ قرآن اور سنت میں ترتیب دیے گئے ہیں حکمران شرفاء پر دباؤ کو بڑھایا۔ پاکستان کے بانی قائد اعظم محمد علی جناح کو جماعت کی قدامت پسندانہ قیادت کی طرف سے سخت مہارزت کا سامنا کرنا پڑا۔ جماعت اور علماء کی طرف سے قائد اعظم کی پاکستان کو لادینی بنیادوں پر قائم کرنے کی تجویز کو مسترد کر دیا گیا۔ اسی طرح ایوب خان اور بھٹو کے ادوار میں جماعت نے اسلامی اقدامات پر اصرار کیا اور..... کافی حد تک کامیابی حاصل کی۔"

الغرض سید مودودی اور ان کے رفقاء نے حقیقتاً کفار اسلام کی جدوجہد میں اپنی عمریں صرف کیں۔ ان کی کوششوں سے قرآن و سنت کو کاس فہم زندگی کے طور پر تسلیم کر لیا گیا اور چہ حصول اقتدار میں وہ کامیاب نہ ہو سکے مگر یہ بات بھی قابل انکار ہے کہ حصول اقتدار کی اولین ترجیح کبھی نہ رہا۔ آپ نے دفاعِ حدیث کے میدان میں مستعدی سے وقت کے تقاضوں کو لانے میں توفیق رکھتے ہوئے مسلمانانِ پاکستان میں یہ احساس اجاگر کیا کہ یہ دراصل دفاعِ دین کی جدوجہد ہے۔ فی الوقت بین الاقوامی نقشے پر اسلامی دنیا کا سیاسی و سماجی جائزہ اس بات کی

عکاسی کرتا ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کی حیثیت دین اسلام کے دفاع کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔



## حوالے و حواشی

- ۱۔ سید مودودیؒ کی اولین تحریر سیرۃ النبی کے موضوع پر ملتی ہے: وثائق مودودیؒ، ۱۸، ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۸۶ء؛ سید مودودیؒ کے اولین دور کی نادر تحریروں کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو: سفیر اختر، ادب اور ادیب، ۱۰، ادارہ المعارف واہ کنٹ ۱۹۹۸ء؛ افتخار احمد، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ۲۴، المیزان پبلشرز فیصل آباد، ۲۰۰۱ء
۲. Harriet Martnean (1896). The Positive Philosophy, p. 522, London George Bell & Son.
۳. Rousseau, Jean Jacques (1996). Social Contract, Translated by G. D. H. Cole, Promethens Books, New York, USA.
- ۴۔ تنقیحات ۱۰۳، اسلامک پبلی کیشنز لاہور
- ۵۔ تفہیمات ۱/۱۷، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۱ء
- ۶۔ تنقیحات ۱۰۳
- ۷۔ تفہیمات ۱/۲۳۹، ۲۵۰
- ۸۔ ایضاً ۱/۲۵۵
- ۹۔ غلام احمد قادیانی ازالہ اوہام، ص ۳۰۴، احمدیہ انجمن اشاعت اشاعت اسلام لاہور، ۱۹۰۱ء طبع پنجم (حاشیہ): تریاق القلوب، ص ۱۵، مطبع ضیاء الاسلام قادیان دارالامان، ۱۹۰۲ء
- روحانی خزائن ۱۵/۵۹۶، ناظرۃ اشاعت ربوہ، س۔ ن
- ۱۰۔ روحانی خزائن ۱/۶۳۳ تا ۶۳۵، الشركة الاسلامیہ ربوہ، ۱۹۵۷ء

- ۱۱۔ روحانی خزائن ۶۶۳/۱
- ۱۲۔ آیت ختم نبوت کا مفہوم ۶۹، ماہنامہ ترجمان القرآن اگست ۱۹۹۵ء
- ۱۳۔ خاتم النبیین کے بعد دعویٰ نبوت ۵۱، ماہنامہ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۵۱ء
- ۱۴۔ مرزا غلام احمد قادیانی، حقیقتہ الوحی ۱۷۹، بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان ۱۹۳۳ء
- ۱۵۔ الفضل ۴، ۱۶ اپریل ۱۹۱۵ء
- ۱۶۔ میاں طفیل محمد، جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد ۶، ادارہ معارف اسلامی لاہور، نومبر ۲۰۰۱ء
- ۱۷۔ الفضل ۱۵، جولائی ۱۹۵۲ء
- ۱۸۔ اشارات ۲، ماہنامہ ترجمان القرآن اگست ۱۹۵۲ء
- ۱۹۔ قادیانی مسئلہ اور اس کے مذہبی سیاسی اور معاشرتی پہلو ۹۷، ۹۸، اسلامک پیبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۵ء
- ۲۰۔ قادیانی مسئلہ اور اس کے مذہبی سیاسی اور معاشرتی پہلو ۲۵
۲۱. Pooja Joshi (2003). Jamaat-i-Islami, The catalyst of Islamization in Pakistan, 58' Kalinga Publications.
- ۲۲۔ مقدمہ سید ابوالاعلیٰ مودودی ۴۶، ۴۵، جماعت اسلامی پاکستان کراچی ۱۹۵۳ء
- ۲۳۔ جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد ۲۵۲
- ۲۴۔ اللہ وسایا پارلیمنٹ میں قادیانی شکست ۳۱، علم و عرفان پبلشرز لاہور جولائی ۲۰۰۰ء
- ۲۵۔ مفکر اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی ۶۹، ماہنامہ الدعوة اسلام آباد دسمبر ۲۰۰۳ء
- ۲۶۔ بخاری، کتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب قتل من ابى قبول الفرائض وما نسبوا الى الردة ۵۷۷، رقم الحدیث ۶۹۲۳، موسوعة: الشافعی، الام ۲۰۵/۷، طبعة القاهرة ۱۳۲۵ھ
- ۲۷۔ الشهرستاني، الملل والنحل ۱۳۵/۱، طبعة الحلبي ۱۹۷۷ء، ابن حزم الفصل في الملل والنحل ۳/۱۶۸، طبعة مصر ۱۹۶۳م، عبد القاهر البغدادي الفرق بين الفرق ۵۳، ۱۹۷۷م، دار المعرفة بيروت ۲۰۰۱ء
- ۲۸۔ الملل والنحل ۱/۱۳۶: الفرق بين الفرق ۲۳
- ۲۹۔ السيوطي، جلال الدين، مفتاح الجنة في الاحتجاج بالسنة ۳، الجامعة الاسلامية، مدينة



الممورة ۱۹۷۹ء

- ۳۰۔ الام، ۲۵۰/۷: ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث، ۲۷۶
- ۳۱۔ محمد خضریٰ بک، تاریخ التشريع الاسلامی، ۱۳۵، ادار الکتب العلمیة، بیروت لبنان، ۱۹۸۵ء
- ۳۲۔ الام، ۲۵۶/۷
- ۳۳۔ السیوطی، مفتاح الجنة ۶
- ۳۴۔ مقالات سرسید، ۴۱، مرتب محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس شرقی ادب لاہور، ۱۹۶۲ء
- ۳۵۔ ایضاً
- ۳۶۔ مقام حدیث، ۹۷، ادارہ طلوع اسلام کراچی، ۱۹۵۳ء
- ۳۷۔ ایضاً، ۴۲، ادارہ طلوع اسلام، کراچی، ۱۹۵۳ء
- ۳۸۔ پرویز، سلیم کے نام، ۲۱۹
- ۳۹۔ پرویز، قرآنی فیصلے، ۱۶، ادارہ طلوع اسلام لاہور، مئی، ۱۹۶۳ء
- ۴۰۔ قرآنی دستور پاکستان، ۳۲، ادارہ طلوع اسلام کراچی، نومبر، ۱۹۵۲ء
۴۱. Goldziher and his Oriental Diary, 56, Trans, Pata; R; Detrit, Waynestete university press, 1987
۴۲. Islam, Muhammad and his Religion, 12 Balice Publishing, Indianapolis, 1979
۴۳. Development of Muslim Theology, 72, George and sons, London
۴۴. Muhammad at Madina, 338, Oxford University press, Karachi, 1981
۴۵. An introduction to Islamic Law, 34, Oxford University Press London, 1924
۴۶. Robson, The Isnad in Muslim Traditions, 15/18, Oxford University Press Karachi, 1981
- ۴۷۔ اسلامی نظام، ۱۰، ۱۱
- ۴۸۔ قرآنی دستور پاکستان، ۲۲۱، ۲۲۲
- ۴۹۔ انکار حدیث کے رد پر تحریر کردہ کتب کی جامع فہرست کے لیے ملاحظہ ہونے انکار حدیث، ۲۳۹، ماہنامہ محدث لاہور، اگست، ستمبر، ۲۰۰۲ء، اشاعت خاص

- ۵۰۔ صدائے رستاخیز ۲۵ ادارہ معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۳ء
- ۵۱۔ اشارات ۲۲ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۳۳ء
- ۵۲۔ اشارات، ۸، ۷۔ ۵۳۔ تفہیمات، ۲۶۰/۱
- ۵۴۔ ایضاً ۵۵۔ ایضاً
- ۵۶۔ ایضاً، ۱۵۹/۱ ۵۷۔ البقرة ۲: ۱۲۹
- ۵۸۔ الاحزاب ۳۳: ۲۱ ۵۹۔ النساء ۴: ۵۹
- ۶۰۔ النساء ۴: ۸۰ ۶۱۔ ایضاً، ۸، ۷
- ۶۲۔ النجم ۵۳: ۴-۵
- ۶۳۔ ابوداؤد، کتاب العلم، باب کتابة العلم، ۱۲۹۳، رقم الحدیث ۳۶۴۶، موسوعة
- ۶۴۔ تفہیمات ۲۶۰/۱ ۶۵۔ تفہیمات ۲۶۰/۱
- ۶۶۔ ایضاً ۶۷۔ ایضاً
- ۶۸۔ ایضاً، ۲۵۹/۱ ۶۹۔ النساء ۴: ۱۱۳
- ۷۰۔ یوسف ۱۲: ۱۰۸ ۷۱۔ الانعام ۵: ۵۰
- ۷۲۔ تفہیمات ۲۶۱/۱ ۷۳۔ ایضاً، ۲۶۶/۱
- ۷۴۔ الشوریٰ ۲۲: ۵۱ ۷۵۔ ایضاً، ۲۶۷، ۲۶۷/۱
- ۷۶۔ تفہیمات ۲۶۸/۱
- ۷۷۔ قرآنی فیصلے ۱۶۱ ادارہ طلوع اسلام لاہور مئی ۱۹۶۴ء
- ۷۸۔ تفہیمات ۲۹۴/۱ ۷۹۔ تفہیمات ۲۹۷/۱
- ۸۰۔ سنت کی آئینی حیثیت ۱۱۸ ۸۱۔ ایضاً ۱۱۹
- ۸۲۔ سنت کی آئینی حیثیت ۱۲۰
- ۸۳۔ مقالاتِ اسلم ۳۵، قومی کتب خانہ نیا محلہ راولپنڈی
- ۸۴۔ ایضاً ۸۵۔ قرآنی فیصلے، ۲۷۸/۱
- ۸۶۔ ایضاً، ۲۸۰/۱ ۸۷۔ ایضاً، ۳۳

- ۸۸۔ سنت کی آئینی حیثیت ۲۲ - ۸۹۔ ایضاً ۲۶
- ۹۰۔ ایضاً ۳۱ - ۹۱۔ سنت کی آئینی حیثیت ۲۱
- ۹۲۔ ایضاً ۴۷ - ۹۳۔ ایضاً ۱۲۶
- ۹۳۔ ایضاً ۱۳۱-۱۳۲ - ۹۵۔ ایضاً ۲۰۴
- ۹۶۔ تحریکِ احیائے دین کے قافلہ سالار ۲۷، ۲۷، ۲۷ ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور اکتوبر نومبر ۲۰۰۳ء
- ۹۷۔ Jinnah Speeches, 14, sang-e-Meel Publishers, Lahore, 1986
- ۹۸۔ سید مودودی ”اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات“ ۳۳۸، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۶ء
- ۹۹۔ جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد ۱۰
- ۱۰۰۔ پاکستان کو ایک مذہبی ریاست ہونا چاہئے ۱۱۲، ماہنامہ ترجمان القرآن، جون ۱۹۴۸ء
- ۱۰۱۔ روداد جماعت اسلامی ۶/۸، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی لاہور ۱۹۵۴ء
- ۱۰۲۔ ثروتِ صولت، مولانا مودودی کی تقاریر ۲
- ۱۰۳۔ جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد ۷۲
- ۱۰۴۔ قرآنی دستور پاکستان ۳۷، ۳۸
- ۱۰۵۔ مزاج شناس رسول ۶، ادارہ طلوع اسلام کراچی ۱۹۵۳ء: مثلہ معہ دین کے بنیادی گوشے کے متعلق ایک اہم بحث ۱۵، ماہنامہ طلوع اسلام کراچی اکتوبر ۱۹۵۰ء
- ۱۰۶۔ اسلامی ریاست ۲۸۱
- ۱۰۷۔ سید مودودی اور پاکستانی ریاست کی اسلامی شناخت ۱۱۵، ماہنامہ الدعوة اسلام آباد دسمبر ۲۰۰۳ء
- ۱۰۸۔ Political Islam in the Indian sub-continent, The Jamaat-i-Islami, 123, Monohar-A publication of the French Research Institutes in India. 2001.
- ۱۰۹۔ Jamaat-i-Islami, The Catalyst of Islamization in Pakistan, 49, Kalinga Publications, 2003.

## تالیفاتِ اساتذہ

### شعبہ علومِ اسلامیہ

- |                               |                                    |   |
|-------------------------------|------------------------------------|---|
| پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی | مثالی پیغمبر                       | * |
| پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی | فقہ حنفی اور اس کی خصوصیات         | * |
| پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی | Modern Trends in Tafsir Literature | * |
| پروفیسر ڈاکٹر شمر فاطمہ       | مشعلِ راہ                          | * |
| پروفیسر ڈاکٹر شمر فاطمہ       | اسلامی تہذیب و تمدن                | * |



## برصغیر کے مسیحی ادب میں علومِ حدیث تنقیدات کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ساجد اسد اللہ \*

عہد حاضر میں گلوبل ویلج قرار دی جانے والی اس نئی دنیا میں دعوتی و تقابلی حوالے سے جن دو مذاہب کے مطالعہ اور تحقیق پر سب سے زیادہ توجہ دی جا رہی ہے وہ اسلام اور عیسائیت ہیں۔ برصغیر میں مغل حکمران جلال الدین اکبر (۱۵۲۲ء-۱۶۰۵ء) کے دربار میں ۱۵۸۰ء اور ۱۵۹۱ء میں گوا سے آنے والے پادریوں کے وفد سے مسلم مسیحی کشاکش کی بنیاد پڑی۔ ان منادین نے دربار اکبری میں مسلم علماء سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت، اور قرآن مجید کی الہامی حیثیت پر مناظرے کیے (۱)۔ بعد ازاں اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے برصغیر پر قبضہ کے بعد مسلم مسیحی کشاکش کا سیاسی دور شروع ہو جاتا ہے، جس کے مذہبی کشاکشی پر براہ راست اثرات مرتب ہوئے۔ سیاست کے ساتھ ساتھ دعوتی و تبشیری میدان میں بھی دونوں مذاہب ایک دوسرے کے بڑے حریف ثابت ہوئے۔ یہاں کا مسیحی مسلم مناظراتی لٹریچر، جو کہ برصغیر کے کلامی ادب کا ایک معتد بہ حصہ بھی ہے، اس مذہبی کشاکش پر شاہد ہے۔

یہ بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ اسلام کے بارے میں برصغیر کے مسیحی رویہ اور مغربی انداز فکر میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ عمومی طور پر بھی نقد اسلام میں مسیحی منادین اور مستشرقین ایک ہی صف میں نظر آتے ہیں۔

برصغیر کے مسیحی لٹریچر کا عمومی مزاج بھی دراصل ان مستشرقین کی سوچ کا ہی پر تو ہے۔ یہاں کے مسیحی قلم کار اسلام، پیغمبر اسلام اور تعلیمات اسلام پر نقد و جرح ان سے مستعار لیتے نظر آتے ہیں۔

\* گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمن آباد، فیصل آباد

برصغیر کے مسیحی سکالرز کا ”نظریہ حدیث“ اور ”نقل حدیث“ کے پس منظر میں پائی جانے والی فکر اور سوچ کا مطالعہ درج ذیل نکات کے تحت پیش خدمت ہے۔

- ☆ تعریف حدیث
- ☆ مقام حدیث
- ☆ ضرورت حدیث
- ☆ حجیت حدیث
- ☆ ابتدائے حدیث
- ☆ ماخذ حدیث
- ☆ اصول حدیث
- ☆ تدوین حدیث
- ☆ کتب حدیث
- ☆ نقل حدیث
- ☆ خدمات حدیث
- ☆ ثمرات حدیث
- ☆ برصغیر میں اس مسیحی لٹریچر کے اثرات

## تعریف حدیث

برصغیر کے معروف مسیحی مناد ایل بی جونز کے نزدیک:

اس لفظ حدیث کے لفظی معنی ہیں بیان یا کلام کے، اصطلاح میں اس سے وہ قول یا فعل

مراد ہے جو نبی کا یا اصحاب کا ہو اور کسی سنت کی تائید یا ثبوت میں پیش کیا جائے۔ (۲)

مسلم نظریہ حدیث کی رو سے یہ تعریف ناقص ہے کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب قول، فعل، اور تقریر بھی شامل ہے۔ نیز حدیث کو سنت کا تائیدی ثبوت بتلایا گیا ہے جبکہ حدیث سنت کے مترادف ہے اور یہ اپنی مستقل حیثیت میں ماخذ اسلام ہے نہ کہ سنت کی تائیدی حیثیت کی حامل ثانوی چیز ہے۔

مدرسہ یونیورسٹی کے فیلو پادری ایڈورڈ سیل تعارف سنت میں گویا ہیں:

سنت تین طرح کی ہے ایک فعلی دوسری قولی تیسری تقریری جو کام محمد صاحب نے خود کیے

ہیں انھیں (انہیں) سنت فعلی کہتے ہیں اور جو آپ نے تو نہیں کیے ہیں مگر اوروں کو

اونکے (ان کے) کرنے کا حکم دیا ہو انھیں سنت قولی کہتے ہیں اور جو کام آپ کے سامنے ہوئے

اور آپ نے انھیں (انہیں) منع نہ کیا انھیں (انہیں) سنت تقریری کہتے ہیں۔ (۳)

یہ تعریف درست نہیں کیونکہ سنت فعلی آپ ﷺ کی کوئی ایسی سنت نہیں جو آپ ﷺ نے خود نہیں کیا

اور دوسروں کو کرنے کا حکم فرمایا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک کو بیان کرنے والی حدیث فعلی

ہوتی ہے۔ اب ہم محدثین کی تعریف سنت دیکھتے ہیں

السنن تنقسم ثلاثة اقسام قول من النبي صلى الله عليه وسلم و فعل  
منه عليه السلام او شىء راه و علمه فافر عليه (۴)  
سنن (سنت) تین طرح پر منقسم ہیں نبی کریم کا قول اور آپ کا فعل یا آپ نے کسی  
چیز کو دیکھ کر اسے برقرار رکھا۔

### مقام حدیث

پشاور میں اہم تبشیری خدمات دینے والے ”ڈکٹری آف اسلام“ کے مصنف Thomas  
Hughes Patrick کے بقول مسیحیت اور اسلام میں حدیث رسول ایک سا مقام نہیں رکھتیں بلکہ دونوں  
مذہب میں حدیث کے الگ الگ مفہوم کی بناء پر مقام حدیث بھی مختلف ہے۔

Muhammadan traditions are therefore supposed to be the  
uninspired record of inspired sayings, and consequently  
occupy a totally different position to what we understand by  
traditions in the Christian Church. (۵)

ایڈورڈ سیل نے احادیث کا مقام اور مرتبہ یوں بیان کیا ہے:  
احادیث کا مرتبہ جو کچھ بھی ہو لیکن مسلمانوں کے اعتقاد میں وہ سب الہامی ہیں اور نبی کا ہر  
فعل و قول اونکے نزدیک ایسا ہی لازم جانتے ہیں جیسے کہ مسیح کے نمونہ پر چلنے کو مسیحی۔ (۶)

### ضرورت حدیث

”لتبین للناس ما نزل الیہم“ (نحل، 44:16) کے تحت حدیث تفسیر قرآن کی ایک بڑی  
ضرورت ہے۔ قرآن فہمی میں حدیث کی اہمیت کی اس مسلم سوچ کو مسیحی ادب میں یوں نمایاں کیا گیا  
ہے۔ ایل بی جوز کہتے ہیں:

احادیث سے قرآن کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوتی ہے کہ اس کی تفسیر کرنے میں  
بہتری اور دقتوں کے علاوہ جو متضاد آیتیں ہیں ان کو سلجھانے کی یہ کوشش کرتی ہیں (۷)  
برصغیر کے مسیحی لٹریچر میں نمایاں ترین کتاب ”ینالغ الاسلام“ کے مصنف ڈبلیو سینٹ کلیئر ٹزڈل  
کے نزدیک:

حقیقت میں خاص الخاص فائدہ ان احادیث کا قرآن کے دقیق و مشکل مضامین

کو حل کرنا ہوا (۸)

جبکہ برصغیر کے مسلم مسیحی مناظراتی لٹریچر میں خاص سرگرمی دکھانے والے مترجم قرآن ای ایم ویری کے خیال میں:

قرآن کے بعد احادیث کا مرتبہ ہے اور احادیث دراصل اوسکا (اس کا) ضمیمہ ہیں۔ پس اون (ان) سے نہ صرف قرآن کے مطالب معلوم ہوتے ہیں بلکہ بجائے خود ایسی اصل ہے جس سے استخراج مسائل کیا جاتا ہے (۹)

اس کے برعکس ایڈورڈ سیل ایک جگہ لکھتے ہیں:

مذکورہ بالا بحث سے دو باتیں ثابت ہیں اول یہ قرآن ایک غیر مکمل کتاب ہے اور ضرور غیر قرآن کا محتاج ہے دوم یہ کہ احادیث کا مجموعہ اس قابل نہیں کہ قرآن کے اس نقص کو رفع کر سکیں (۱۰)

قرآن اور احادیث کے باہمی تعلق پر مسیحی سکالرز متفق الخیال نظر نہیں آتے ہیں۔ حدیث کے بارے ان کے افکار میں الجھاؤ پایا جاتا ہے۔

### حجیت حدیث

مسیحی ادب کے ایک نامور ہندی اہل قلم پادری غلام مسیح کی تحقیق نے مسلمانوں کے ہاں شریعت کا اساسی مصدر ٹھہرائے جانے والی حدیث نبوی کو اضافی قرار دیا ہے اور اسے بالکل بے اعتبار ٹھہرایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اگر اسلام کی بنیاد قرآن عربی ہی رہتا تو خیر تھی پر اہل قبلہ نے اسلام کی بنیاد میں حدیث شریف کو بھی بڑھایا ہے اہل اسلام کی اس بنیاد کے خام ہونے کا ذکر کرنا ضروری نہیں (۱۱)

بلکہ بات بڑھاتے ہوئے اگلے ہی صفحہ پر گورہر فشاں ہیں:

اہل قبلہ کے اسلام میں حدیث نامی بنیاد قرآن کے مقابل ہزار درجہ خام ہے (۱۲)

برصغیر کے مسیحی ادب میں ایک اہم نام پادری صفدر علی کا ہے وہ ”نیاز نامہ“ میں احادیث کے حوالے سے لب کشا ہیں:

قرآن کے مقابلہ میں حدیث کا اعتبار نہیں (۱۳)



کیونکہ ان کے خیال میں:

بے شک قرآن خدائے عالم الغیب و غیر متغیر و صادق کا کلام ہے اور نہ حدیث

اوسکے الہام سے ہے (۱۴)

مختصراً حجیت حدیث کے بارے برصغیر کا مسیحی نقطہ نظر یہ ہے کہ

☆ حدیث خام ہے

☆ حدیث قابل اعتبار نہیں

☆ حدیث وحی غیر متلو نہیں

مسیحی سکالرز کا حدیث کو خام، ناقابل اعتبار قرار دینا اور وحی غیر متلو تسلیم نہ کرنا دراصل نبی علیہ الصلوٰۃ کی نبوت و رسالت کو نہ سمجھنے کی بنیاد پر ہے جب ان کے نزدیک آپ ﷺ ہی نہیں تو پھر آپ ﷺ کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں، وحی قرار پا کر وحی غیر متلو کا درجہ پانا تو دور کی بات ہے۔

ابتدائے حدیث

ایک رائے یہ بھی سامنے لائی گئی کہ احادیث ایک خاص ضرورت اور ماحول کی پیداوار ہیں جو نظریہ ضرورت کے تحت دین کی اصل ٹھہرائی گئیں ہیں یہ احادیث ارتقائی مراحل کے بعد اپنی مستقل حیثیت اختیار کر گئیں۔ ”اہل مسجد“ کے مصنف کے مطابق:

کیونکہ قرآن کافی نہیں ہے تو اب دقت یہ تھی کہ پھر اس کی کمی کیونکر پوری کی جائے

اس مشکل کا حل جو کچھ انہوں نے کیا ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں محمد صاحب کی

وفات کے تھوڑے عرصہ بعد ایک غیر نوشتہ یعنی زبانی قانون جو سنت یا طریق نبوی

کہلایا قبول کیا گیا جس کی رو سے ”رسول اللہ کے عمدہ نمونے (سورۃ احزاب آیت

۲۶) کے ذریعے قرآن کی کمی پوری کی گئی بہر حال یہ ماننے کی وجہ موجود ہے کہ محمد

صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے آپ کو غلطی سے منزہ نہیں سمجھا (۱۵)

مصنف اپنی فکر کو مزید واضح کرتا ہے کہ:

اس طرح ایک نئی تعلیم وجود میں آئی کہ جس کے مطابق محمد صاحب کے اقوال و افعال

خدا کے وحی کے قابو میں تھے اس لیے وہ بھی واجب الاطاعت مانے گئے (۱۶)

مزید براں مصنف کے نزدیک:

اسلام کے ان ابتدائی اور اشتعال انگیز ایام کے مطالبات نے صرف سینکڑوں ہی نہیں بلکہ اس قسم کے ہزاروں اقوال و اعمال پیدا کر دیئے کہ جن کا اب تک پتہ بھی نہ تھا اور جن کا ہونا نبی کی طرف منسوب کر دیا گیا محمد صاحب کے متعلق ہر قسم کے بیانات خواہ سچ یا جھوٹ اس قدر رائج ہو گئے کہ انکی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی (۱۷)

ایک یہ رائے پیش کی گئی:

جس طریقہ سے احادیث کا آغاز ہوا ہم باسانی اس کا خیال کر سکتے ہیں محمد صاحب کی موت کے بعد ان کے صحابہ کے خیال اور گفتگو جنگی معرکوں کے موقعوں پر فرصت کے لمحوں میں خود بخود اپنے بڑے سردار کے اقوال اور افعال کے ذکر کی طرف مائل ہوتے تھے کہ جس نے ان کے لیے ممکن کر دیا کہ وہ ایک فتح مند قوم بن جائیں اور جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا محمد صاحب کی کامیابی پر انکی حیرت بڑھتی گئی یہاں تک کہ وہ ان میں ایک مافوق الفطرت طاقت کا ہونا خیال کرنے لگے یہ خیال قرین عقل معلوم پڑتا ہے کہ وہ تمام باتیں جو اس کثرت کے ساتھ احادیث میں جمع کی گئی ہیں ان کا آغاز اس قسم کے حالات سے ہوا ہوگا (۱۸)

حاصل کلام یہ کہ مسیحی سکالر کے نزدیک مسلمانوں نے نا کافی رہنمائی کی حامل کتاب قرآن مجید کی احادیث سے پوری کی ہے اور نظریہ ضرورت کے تحت انہیں تشریحی مقام دیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مکمل تعلیمات کی حامل کتاب ہے اور آنحضرتؐ کی بات تکمیل قرآن نہیں بلکہ ”لتبین للناس“ کے تحت تشریح و توضیح قرآن قرار پاتا ہے۔ باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ آپؐ اپنے آپ کو غلطی سے مبرا نہیں سمجھتے تھے یعنی جب آپؐ غلطی سے مبرا نہیں تو آپؐ ﷺ کا کلام (حدیث) بھی غلطی سے مبرا نہیں ہو سکتا۔ مسلم عقیدہ کے مطابق بحیثیت نبی آپؐ معصوم عن الخطاء تھے۔ پیغمبرانہ حیثیت سے آپؐ کے فرمودات میں قطعاً کوئی غلطی کا شائبہ تک نہیں ہے۔

ان سکالرز کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی محیر العقول کامیابیوں کے زبان زد عام ہونے کے رجحان نے مسلمانوں کو احادیث جمع کرنے پر ابھارا، قطعاً بے سرو پا بات ہے کیونکہ مسلمانوں کا جمع و تدوین

احادیث نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے اقوال و افعال کی شرعی حیثیت کی بنا پر تھانہ کہ یہ داستان گوئی کا کوئی باب تھا۔

### ماخذ حدیث

مسیحی لٹریچر میں ایک اہم بحث ماخذ حدیث نبوی ہے۔ خود ساختہ معیارات اور ناکافی یا اتفاقی مشابہت کی بناء پر حدیث کا تعلق دیگر اقوام کی قدیم روایات و اقوال کے ساتھ جوڑا جاتا ہے پھر بزعم خویش ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ سابقہ اقوام میں مروج روایات و تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ مسیحی سکالرز کی طرف سے ماخذ حدیث کے اس دعویٰ کا جائزہ لینے سے قبل ایک بات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ خود عیسائیت میں جب اصلاح اور مذہب بیزار قسم کی تحریکیں اٹھ رہی تھیں تو انتقاد عالیہ (H Criticism) کے حوالے سے مسلمہ مذہبی حقائق کو بھی اپنے عقلی معیار اور تاریخی اصولوں کے ذریعے پرکھنے کا رجحان بڑھا جس کے نتیجے میں محدود مشاہدے اور دستیاب ناکافی تاریخی مواد کی بناء پر عیسائیت کی مذہبی اساسیات کا سرے سے انکار کرتے ہوئے اسے فرضی کہانیاں اور ذہنی اختراع تک قرار دے دیا گیا۔ اس کی وضاحت ذیل کے اقتباس سے ہوتی ہے۔

۱۸۳۵ میں جرمنی کے ایک مذہبی عالم ڈاکٹر اسٹرس (Stress) نے اپنی کتاب سیرۃ المسیح (Life of Jesus) میں ثابت کیا کہ اناجیل میں جو سوانح یسوع کے درج ہیں وہ تمام تراصنام پرستوں کے مذہبی خرافات سے ماخوذ ہے۔ رابرٹسن ممبر پر یوی کونسل نے ثابت کیا کہ تاریخ میں یسوع ناصری کے نام کا کوئی شخص موجود ہی نہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اسلاف یہود میں یسوع نامی ایک غیر معروف دیوتا تھا جس سے بعد کو پراسرار ولادت، احیاء ثانیہ وغیرہ کے بہت سے لایعنی قصے منسوب کر دیئے گئے۔

تولین (Tulane) یونیورسٹی کے پروفیسر ڈبلیو بی اسمتھ نے بھی اپنی کتاب (Eccedeus) میں مسیح کی تاریخی حیثیت سے انکار کیا ہے۔ تقریباً یہی خیال جرمن پروفیسر ڈریوز (Drews) کا ہے اور فرانسیسی ڈاکٹر کوچو (Couchow) نے بھی اپنی کتاب معمائے مسیح (Enigma of Jesus) میں بھی ظاہر کیا ہے انہیں کے ہم خیال پراسپر الفارک (Prosper Alfarc) (وٹورلیس ماشیورو (Vittoris Machioro) وغیرہ دیگر علمائے مغرب بھی ہیں جو یسوع کی ہستی کو صرف ایک فرضی اور اضافی ہستی سمجھتے ہیں (۱۹)

اس پس منظر میں جب کوئی پر جوش مسیحی سکالر اپنے مذہب کی برتری میں قلم اٹھاتا ہے تو لازمی طور پر وہ دوسرے مذہب کی اساس کو بے اصل اور بے حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے یہی چیز ہمیں یہاں برصغیر کے مسیحی لٹریچر میں نظر آتی ہے۔ قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کو بھی دوسری اقوام کی مذہبی تعلیمات اور رائج فرضی قصوں سے ماخوذ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ پادری ڈبلیو سینٹ کلیئر ٹزڈل نے خاص اس موضوع پر ”ینالبع الاسلام“ قلم بند کی۔ اس میں وہ قرآن و حدیث کو (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن رسا دماغ کی اختراع گردانتا ہے جسے آپ نے اہل یہود، عیسائیوں، زرتشت اور ہندوؤں میں رائج تعلیمات و روایات سے ترتیب دیا۔

اگر تعلیمات و اخبار مندرجہ قرآن و حدیث کو ان تعلیموں اور خبروں سے ملائیں جن کا اس وقت یہود کے درمیان چرچا ہو رہا تھا تو روز روشن کی طرح یہ بات کھل جاتی ہے کہ ان دونوں کے درمیان بہت ہی پکا اور یقینی رشتہ ہے اور ان کی آپس کی عجیب و غریب مشابہت ہر قسم کے شک کو مٹا دیتی ہے (۲۰)

جبکہ دوسرے ہی لمحے قرآن و احادیث کو بدعتی عیسائیوں میں رائج موضوع کتب کی روایات سے مزین ٹھہرایا گیا ہے انہی کے الفاظ میں:

اور بہت سے باتیں ہیں جو قرآن و حدیث میں جہلاء عیسائیوں کی موضوعہ کتابوں اور اہل بدعت کی جھوٹی تصنیفات سے ماخوذ ہیں (۲۱)

علاوہ ازیں زرتشت اور اہل ہنود میں مروجہ دیومالائی قصے اور روایات کو بھی حدیث کا ماخذ شمار کیا گیا ہے (۲۲)

مصنف کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ نے اپنی عقل و تدبیر سے مختلف ذرائع سے حاصل کردہ مستعار افکار و تعلیمات کو حالات کے مطابق ڈھالتے ہوئے اپنے پیروکاروں کے لیے الہامی شریعت کے طور پر پیش کیا۔

وہ مجموعہ مطالب و تعلیمات جو قرآن و حدیث میں موجود ہے ایک دریا کی مانند ہے جس میں طرح طرح اور قسم قسم کا پانی ہر طرف جدا جدا سرچشموں سے جاری ہو کر آ ملا ہے لیکن وہ طرف جس میں ان پانیوں نے اس طرح کی صورت اختیار کر لی وہ عقل و

تدبر اور نفس حضرت محمد ﷺ ہے (۲۳)

اسی کے ساتھ ساتھ احادیث کے انجیل کا چربہ ہونے کا دعویٰ خاص طور پر دھرایا گیا۔ ان مسیحی مصنفین کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیمات انجیل کو احادیث کے ذریعے اپنے نام سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک آنحضرتؐ کے عیسائی علماء سے روابط تھے جن سے آپ ﷺ نے انجیل کی تعلیمات حاصل کیں۔ حقیقت میں دیکھیں تو یہ ایسا ہی بے سرو پا الزام ہے جیسے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر تشریف لائے تھے اور انہوں نے بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات کو انجیل میں پیش کیا ہے (۲۴)

’عربستان میں مسیحیت‘ نامی کتاب کے مصنف پادری سلطان محمد پال نے ص ۱۸۵ تا ص ۲۲۹ پر کلام انجیل اور ۷۰ احادیث مبارکہ کو تقابل کر کے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے (۲۵) ایک دوسرے مسیحی سکالر ڈاکٹر ایس اے حسن نے ”ہماری حدیث“ نامی کتابچہ میں بھی یہی اسلوب اپنایا ہے (۲۶)

## اصول حدیث

علم حدیث ایک ایسا فن ہے جس کی نظیر ہمیں مسیحی اور نہ کسی دوسرے مذہب میں ملتی ہے۔ محدثین نے احادیث کے مقام و مرتبہ اور شریعت میں احکام و مسائل کی بنیاد بننے کی بناء پر ان کے اخذ و قبول اور بیان و روایت میں انتہائی مثالی احتیاط سے کام لیا ہے راویان حدیث کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کے معیار مقرر کرتے ہوئے اسماء الرجال کا ایسا عظیم الشان فن ایجاد کیا کہ جس کے غیر بھی معترف ہیں۔ معروف اسکالر ڈاکٹر اسپرنگر کے بقول:

نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری ہے نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے (۲۷)

اسی طرح یہ بھی اقرار کیا گیا کہ:

دنیا کی تاریخ میں سوائے مسلمانوں کے کوئی قوم ایسا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس نے اپنے نبی کی تاریخ کو ایسا محفوظ کیا کہ اس کے لئے ایک لاکھ سے زائد لوگوں کے حالات قلم

بند کر دیئے مسلمانوں کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے (۲۸)  
لیکن اس حقیقت کے باوجود اسی علم حدیث کو بعض مسیحی سکالرز نے بے اعتبار اور ناکارہ قرار دینے  
کی بھرپور کوشش کی ہے۔ پادری عماد الدین کے بقول:

یہ فن (حدیث) ہی ناکارہ ہے جن قواعد اصولیہ اپنے سے انہوں نے بڑی محنت اور

دیانت کے ساتھ تحقیق کی ہے وہ قواعد ایسے نہیں ہیں کہ آدمی غلطی سے بچاویں (۲۹)

اور پادری اکبر مسیح کے بقول:-

جو لوگ فن حدیث کے امام ہیں انہیں کے درمیان غضب کا اختلاف ہے ایک

دوسرے کو جھٹلا رہا ہے۔ علم رجال بس ایک بھول بھلیاں ہے دار و مدار حسن ظن پر ہے

ثقفہ راوی کو مجروح کر دینا مجروح کو ثقہ بنا دینا بائیں ہاتھ کا کرتب ہے تمام جھوٹی

حدیثیں ثقہ اور پارسا لوگوں نے وضع کی ہوئی ہیں پس جو شخص تحقیق سے اس بحث

میں کام لے گا اس کو ماننا پڑے گا کہ ایمانی امور میں احادیث سے بڑھ کر کوئی شے بے

اعتبار نہیں (۳۰)

اسی طرح اہل مسجد کے مصنف کے خیال میں:

ان حقیقتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اسناد جو صحیح مانے جاتے ہیں فی نفسہ بہت کم مفید

ہیں علاوہ ازیں اسلام کے ابتدائی راویوں کو ہم یقینی طور پر معتبر نہیں جان سکتے (۳۱)

جبکہ پادری ایڈورڈ سیل صاحب کے نزدیک مسلم اصول تحقیق میں اصل خوبی نقد و جرح کی بجائے

صرف اچھی یادداشت ہے، وہ کہتے ہیں:

مسلمانوں کی الہیات میں نکتہ چینی کی تحقیق کوئی کمال نہیں بلکہ بڑا کمال اچھا حافظہ ہے (۳۲)

محدثین کے اعلیٰ درجہ کے روایتی و درایتی معیار و اصول اس وجہ سے بھی قابل اعتراض ہیں کہ:

ایسی احادیث کہ جن میں عمدہ اور دینی اقوال محمد صاحب کی نسبت منسوب کئے گئے

ہیں ان پر بھی اسی قسم کے اعتراضات وارد ہوتے ہیں مرحوم گولڈ زیہر جو ایک

مشہور فاضل ہو گزرے ہیں ان کا بیان ہے کہ ابتداء میں محمد صاحب کی زندگی کا ایسا

خاکہ کھینچنے کی طبیعت لوگوں میں پائی جاتی تھی جو مسیح کی شان سے کہ جس کا خاکہ

کلیسا نے کھینچا ہے، کسی طرح کم نہ ہو ہاں یہ ممکن ہے کہ اس قسم کی طبیعت ان میں نادانستہ کام کر رہی ہو اس لیے محمد صاحب کی صرف زندگی ہی نہیں بلکہ ان کے اقوال بھی اس معیار کے مطابق بنائے گئے ہونگے (۳۳)

یہ صورتحال اس وقت دلچسپ ہو جاتی ہے جب ہم کچھ دوسرے مسیحی سکالرز کو انہیں محدثین کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے ان کی تعریف میں رطب اللسان پاتے ہیں۔ برکت اللہ پادری صاحب یوں شہادت دیتے ہیں:

اہل اسلام نے نہایت احتیاط کے ساتھ احادیث کی تنقید کی ہے۔ اصول تنقید، علم جرح (راوی کو بے اعتبار ثابت کرنا) اور تعدیل (اس کو قابل اعتبار ثابت کرنا) علم اسم الرجال وغیرہ کو ترتیب دے کر نہایت جانفشانی کے ساتھ محنت شاقہ کر کے جھوٹی اور سچی روایات اور احادیث میں تمیز کرنے کی کوشش کی ہے (۳۴)

وہ مزید لکھتے ہیں:

اس میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ محدثین اپنے کام میں راست باز اور دیانت دار نہ تھے یہ بھی اچھی طرح قبول کیا جائے کہ جو روایتیں اس وقت راجح تھیں انہوں نے نیک نیتی سے انہیں تلاش کیا جن اسناد پر وہ قائم تھیں انہیں بڑی احتیاط سے تحقیق کی اور نہایت احتیاط و صحت سے انہیں قلمبند کیا انکے جمع کرنے والوں کے سبق ظن نے تو بے شک کسی روایت کے سلسلہ اسناد کے قبول یا رد کرنے میں اثر کیا ہو گا مگر ایسے گمان کی کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے خود روایتوں میں کسی طرح دست اندازی کی ہو (۳۵)

اسی طرح پادری عماد الدین رقم طراز ہیں:

میں انہیں (محدثین کو) ان کے کام میں ہرگز بے دیانت نہیں کہتا اور چور یا جعل ساز بھی نہیں بتاتا (۳۶)

مختصراً اس ضمن میں مسیحی نقطہ نظر کچھ اس طرح ہمارے سامنے آیا کہ:

☆ علم حدیث ایک ناکارہ فن ہے۔

☆ اصول حدیث کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد بھی احادیث سے بڑھ کر کوئی شے بے اعتبار نہیں۔

- ☆ سلسلہ اسناد کوئی مفید کام نہیں کہ انہیں معتبر مانا جائے۔
- ☆ اصول نقد و جرح کچھ بھی نہیں۔
- ☆ محدثین نے شعوری طور پر احادیث کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیحِ کلیسیا کے برابر کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے۔
- ☆ ان تمام کے برعکس محدثین کی کاوشوں کا اقرار بھی کیا گیا کہ وہ راست باز تھے، انہوں نے بڑی احتیاط سے تحقیق کر کے احادیث کو پرکھا اور اصول تنقید، علم جرح و تعدیل، علم اسماء الرجال کے ذریعے احادیث کو معتبر گردانا۔

### تدوین حدیث

مسیحی مصنفین کے ہاں اصول حدیث کے علاوہ جس بناء پر احادیث کو غیر مستند اور غیر ثقہ ٹھہرایا جاتا ہے وہ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حافظہ کے بل بوتے پر دوڑھائی سو سال بعد احادیث کا منضبط کیا جانا ہے۔ کتابت حدیث اور تدوین حدیث میں فرق روانہ رکھنے کی وجہ سے مستشرقین اور مشرقی مسیحی مصنفین کی طرف سے تدلیس پر مبنی یہ دعویٰ سامنے آیا۔ بعد میں برصغیر کے ناداں منکرین حدیث اپنی اپنی لے میں یہی سُرالاپنے لگے۔

ای ایم دیری صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو:

یہ تمام بیانات (احادیث) محمد صاحب کی وفات سے دو تین سو سال بعد تحریر ہوئے (۳۷) پادری سی جی فانڈر کہ برصغیر کی تاریخ مسیحیت ان کے تذکرہ کے بغیر ادھوری ہے، یوں فرماتے ہیں احادیث کی تالیف حضرت محمد سے اس قدر بعد میں ہوئی اور ان کے بیانات ایسے عجیب ہیں کہ کوئی عالم آنحضرت کے معجزات کے بارے میں ان پر بالکل اعتماد نہیں کر سکتا (۳۸)

جبکہ اہل مسجد کے مصنف یوں گویا ہے:

احادیث کا یہ بڑا ذخیرہ کہ جو شریعت کا ایک خاص جزو بن گیا تھا عرصہ دراز تک صرف لوگوں کے حافظہ پر منحصر تھا ان کو کتابت میں لا کر محفوظ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ یہ حفظ کر کے یاد کر لی جاتی تھیں اور پھر زبانی ایک دوسرے تک پہنچائی جاتی تھیں (۳۹)



اسی طرح پادری صفدر علی کے نزدیک:

اول تو احادیث کا اعتبار بہت دشوار ہے دو ڈیڑھ سو سال برس کے پیچھے لوگوں نے سنی سنائی باتیں سو میں سے پانچ اپنی دانست میں معتبر جان کر لکھی ہیں اور کچھ یقینی بات نہیں کہ جو ان لوگوں نے صحیح سمجھا وہی معتبر ہو (۲۰)

اور پادری عماد الدین کے بقول:

احادیث جو سو دو سو برس بعد آنحضرت کی لکھی گئی ہیں اور راوی اول اول انکے آنحضرت ہی کے ازواج و دیگر اقربا وغیرہ ہیں (۲۱)

اس باب میں تدوین حدیث کے بارے میں کسی نقطہ نظر کچھ یوں ہمارے سامنے آرہا ہے

☆ احادیث و وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک / دو یا تین سو سال بعد لکھی گئیں۔

☆ انہیں حافظہ کے بل بوتے پر لکھا گیا۔

☆ ان کے راوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز اقارب ہی تھے۔

احادیث کا حین حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم قلم بند ہونا ایک تاریخی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا

سکتا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب نے اپنے مقالہ میں ان باون صحابہ کرام کے نام گنوائے ہیں جو احادیث نبوی کو آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ضبط تحریر میں لا کر محفوظ کر گئے۔ (۲۲)

فکرانکار حدیث سے رجوع کرنے والے ڈاکٹر غلام جیلانی اپنی تصنیف ”تاریخ حدیث“ میں

تفہیم اسلام“ کے مصنف کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

حضور پر نور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات مبارکہ ہی میں تقریباً ۴۰ ہزار احادیث

ضبط (تحریر) ہو چکی تھیں (۲۳)

عہد رسالت سے لیکر تدوین حدیث تک کے ادوار میں کتابت حدیث کا تسلسل ایک ایسا امر واقعی

ہے جسے کوئی اہل علم جھٹلایا نہیں سکتا اس تسلسل کی ایک مثال ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے یوں بیان کی ہے

(۲۴) کہ امام بخاری (۲۵۶ھ) ایک روایت امام احمد بن حنبل (۲۴۰ھ) سے روایت کرتے ہیں اور وہ

اپنے استاد عبدالرزاق ابن ہمام (۲۱۱ھ) سے مروی ہیں جو اپنے استاد معمر بن راشد (۱۵۳ھ) سے اور وہ

آگے ہمام بن منبہ (۱۱۰ھ) سے روایت کرتے ہیں۔ ہمام بن منبہ، صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ (۵۸ھ)

سے بیان کرتے ہیں جو خود رسول اللہ سے سنتے ہیں۔ زبانی روایت کے ساتھ ساتھ اس سند میں مذکور ہر راوی کا تحریری طور پر مرتب کردہ مجموعہ احادیث ہمارے پاس محفوظ ہے۔ ان کے اسماء درج ذیل ہیں۔

امام بخاری الجامع الصحیح

امام احمد بن حنبل المسند

عبدالرزاق بن ہمام المصنف

معمر بن راشد الجامع

ہمام بن منبہ الصحیفہ

اب اگر راوی کے زبانی بیان کو اس کی مرتب کردہ کتاب حدیث میں موجود پا کر ان کا جائزہ لیا جائے تو حدیث کے بیان و کتابت میں کوئی فرق نہیں ملتا۔ اس سے ایک تو احادیث کا عہد رسالت سے تیسری صدی تک کا تحریری ثبوت ملتا ہے اور دوسری طرف ان کا ثقہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وہ ہستی کہ تاریخ نے جس کے قول و فعل کو محفوظ کر کے یوں پیش کیا ہے کہ لیلہا کنہا رہا کے مصداق آپ کی ذات کا کوئی گوشہ ہم سے اوجھل نہیں اس ہستی سے منسوب ادب حدیث میں دانستہ تشکیک و تذبذب پیدا کرنے کا محرک شاید وہ احساس ہو جو ایک مسیحی قلم کار حضرت عیسیٰ کی زندگی کے بارے میں نا کافی معلومات کی بنا کر رکھتا ہے۔ حیات مسیح پر نا کافی معلومات کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا یوں ریماکس دیتا ہے:

صاف (درست) بات یہ ہے کہ حیات مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کر دی جائے۔ اس کے لیے مواد یقیناً موجود نہیں اندازہ کیا گیا ہے کہ ان کی زندگی کے ان دنوں کی تعداد ۵۰ سے زیادہ نہیں جس کے متعلق ہمارے پاس ریکارڈ موجود ہے (۴۵)

کتب حدیث

جمہور محدثین کے نزدیک ادبیات حدیث میں الجامع الصحیح للبخاری سب سے فائق ہے۔ اہل علم کا اتفاق ہے:

اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری الجامع الصحیح للبخاری (۴۶)  
ہم یہاں صرف اسی کتاب حدیث کے بارے میں کچھ مسیحی آراء پیش کر رہے ہیں۔ اس کا مقام و مرتبہ

ایک مسیح قلمکار کے نزدیک ملاحظہ فرمائیں۔

کتب احادیث خواہ وہ بخاری کی اصح الکتب ہی کیوں نہ ہو بمصداق

۔ او خود گمراہ است کہ رہبری کند

اس قابل نہیں کہ ان پر ایمانیات کے بارے کی اعتماد کیا جاسکے (۴۷)

طرق اور روایت میں فرق نہ کرتے ہوئے پادری سی جی فانڈر کہتے ہیں:

غالباً سب سے معتبر اور قابل اعتبار صحیح بخاری کی احادیث ہیں پھر ان کے بعد مسلم اور

ترمذی کی۔ لیکن معزز ناظرین کو یہ دکھانے کی غرض سے کہ بخاری کے ایام میں کس

قدر کثیر التعداد غیر معتبر احادیث راجح تھیں اور ان ایام میں کس سرلیح الاعتقادی اور

لغویات کا رواج تھا..... بخاری بیان کرتا ہے کہ اس نے ایک لاکھ احادیث جمع

کیں جس کا صحیح ہونا اس نے ممکن سمجھا اور دو لاکھ غیر احادیث جمع کیں ان تین لاکھ

کے مجموعہ میں سے آخر کار اس نے فقط ۲۷۵ کو معتبر سمجھا اور جب مکرر بیانات کو

خارج کر دیا تو ۴۰۰۰ رہ گئیں یہ بھی سب کی سب معتبر اور قابل اعتماد نہیں ہیں (۴۸)

ایک رائے کے مطابق صحیح احادیث کو جمع کرنے کی ابتداء امام بخاری نے کی۔

یہ پہلا شخص ہے جس نے حدیثوں کو پہلے جمع کرنا شروع کیا اپنی الصحیح میں (۴۹)

امام بخاری کے تحقیقی اصول اور احتیاط پسندی کو غیر معیاری قرار دیتے ہوئے ایل بی جونز لکھتے ہیں

یہ صاف ظاہر ہے کہ بخاری اور دیگر محدثین کا کام محض احادیث کا جمع کرنا نہیں تھا بلکہ

انکی کوشش یہ تھی کہ جو حدیثیں اب تک جمع ہو چکی ہیں کسی معیار سے انکی جانچ کی

جائے۔ تاہم جب انکے معیار کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو یہ صفائی سے ظاہر ہو

جاتا ہے کہ ان کی کوششیں نہ صرف ناکافی بلکہ بے سود ہیں۔ اول تو اسلیے کہ کسی

حدیث کے متن کی جانچ میں انہوں نے تنقید معنوی سے کام نہیں لیا اگر ان کو اسناد کی

صحت کا اطمینان ہو جاتا تو پھر وہ باقی اور باتوں کو نہیں دیکھتے تھے۔ یہاں تک کہ پھر

اگر حدیث کا بیان بعید العقل یا ناممکن الوقوع محال ہوتا تو بھی اس کی صحت پر شک نہ

کرتے تھے صحیح معنوں میں ان کا طریق تنقید بالکل صوری یا خارجی تھا انہوں نے

صرف اسناد ہی کی اصلیت کے پرکھنے پر اکتفا کیا لیکن یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اسناد کی جانچ بھی پورے طور پر نہیں کی (۵۰)

رواۃ کی جانچ پڑتال کے حوالے سے یہی مصنف امام بخاری پر معترض ہیں:

اسلام کے ابتدائی ایام کے عجیب اشخاص یعنی صحابہ کرام اور تابعین کی زندگی کی نکتہ چینی کرنا نہیں (امام بخاری کو) سخت ناگوار تھی ان کی پاسداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ اور تابعین کل عملی مقاصد کے لیے نکتہ چینی سے مستثنیٰ رہے (۵۱)

حالانکہ مصنف مذکور خود ہی صحابہ کا حدیث کے بارے میں یہ روئے بھی بیان کرتے ہیں:

احادیث کے رواج دینے میں محمد صاحب کے صحابہ نے بڑی احتیاط کی ضرورت محسوس کی تھی“ (۵۲)

مسیحی سکا لرز کی ان آراء میں سلبی طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ

- بشمول بخاری کتب حدیث کلی قابل اعتماد نہیں

- امام بخاری کی احتیاط کے باوجود، لاکھوں احادیث سے ان کی منتخب کردہ احادیث معتبر نہیں

- امام بخاری و دیگر محدثین نے مکمل تحقیقی اصول نہیں اپنائے

- امام بخاری نے صحابہ کو دیگر رواۃ کے ساتھ جرح و تعدیل کے معیار پر نہیں پرکھا

### مسیحی لٹریچر میں نقل حدیث

برصغیر کے مسیحی لٹریچر میں تعارف اسلام، نقد و جرح، تبصرہ اور دلیل دعویٰ کے تحت احادیث نبوی بکثرت پائی جاتی ہیں کیوں کہ قرآن کے بعد اسلام کی دوسری اصل سنت و حدیث ہی ہے۔ مسیحی لٹریچر میں نقل حدیث کے بارے میں عام رویہ اپنے دعویٰ کی تائید و دلیل میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استناد و استشہاد کرنا ہے۔ برصغیر کے مسیحی ادب کا کوئی دور اس روش سے خالی نہیں۔ پادری سی جی فانڈر، پادری عماد الدین سے لے کر کے عہد حاضر تک کے ان مسیحی مصنفین کے ہاں ہمیں یہ اسلوب نظر آتا ہے۔ اس میں اسلام اور تعلیمات اسلام پر نقد و جرح کرتے ہوئے تشکیک و تذبذب پیدا کرنے کا عنصر خاص طور پر مد نظر رکھا گیا ہے تاکہ صیانت اسلام کے حوالے سے لوگوں کے اذہاں پر اگندگی کا شکار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ کو ہدف بنا کر بناء اسلام منہدم کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کوشش

میں حالات و واقعات اور سیاق و سباق سے تحریف کرتے ہوئے مختلف پیرائے میں احادیث پیش کی گئی ہیں۔ نقل حدیث کا یہ انداز اسلامی ادب میں حدیث نبوی کے تذکرہ سے میل نہیں کھاتا۔ اس بحث کو سمیٹتے ہوئے بنظر غائر جائزہ لیں تو نقل حدیث کے بارے ان مسیحی مصنفین کے رویہ کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

☆ قرآن مجید پر مختلف پہلوؤں سے نقد کرتے ہوئے خصوصاً غیر ثقہ، شاذ اور اسرائیلی تفسیری روایات کا بیان کرنا

☆ مسلم ادب تفسیر میں مسلمہ و مقبول تفسیری آراء کی بجائے اپنی تائید میں کم تر درجے کی روایات سے استشہاد کرنا

☆ اختلاف قرآت میں شاذ یا مردود قرآت کی روایت سے استدلال کرنا

☆ جمع تدوین قرآن میں بظاہر متعارض اور غیر ثقہ روایات پیش کرنا

☆ معجزات کے بارے احادیث کو عقلی معیار پر پرکھ کر نقد کرنا

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی من گھڑت تاریخی روایات کو احادیث کی شکل میں پیش کر کے ایسی تصویر کشی کرنا جس سے آپ کی ذات مبارکہ کا منفی تاثر ابھرتا ہو

☆ تاریخی روایات کو جو کہ محدثین کے معیار سے کم تر ہوں حدیث کی حیثیت سے پیش کرنا

☆ مشہور العام کو حدیث کے نام سے پیش کرنا

### خدمات حدیث

برصغیر میں مسیحی سکالرز کی طرف سے حدیث کے بارے انتقادی رویہ کے ساتھ ساتھ چند ایک مفید کاوشیں بھی نظر آتی ہیں جنہیں ہم ان کی خدمات حدیث کہہ سکتے ہیں۔ چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ معروف جرمن اسکالر ڈاکٹر اسپرنگر جو کہ کلکتہ میں کام کرتے رہے انہوں نے امام ابن حجر کی معروف تصنیف الاصابۃ فی تسمیۃ الصحابة ایڈٹ کر کے رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کی جانب سے شائع کروائی۔

☆ نیز ۱۸۰۹ء میں کیپٹن اے میتھوس نے کلکتہ سے مشکوٰۃ المصابیح کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔

☆ اسی طرح وان کریر نے کلکتہ سے ہی محمد بن عمرو اقدی کی المغازی طبع کروائی۔

## ثمرات حدیث

انسانی تمدن کی ترقی و ارتقاء میں مسلم تہذیب کا کردار ایک قابل فخر درخشاں باب ہے۔ دنیا کی معنوی و مادی ترقی میں اسلام کے کردار کا ایک مسیحی سکا لراپے مخصوص رنگ میں یوں اقراری ہے: تواریخ سے صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ اسلام نے جس قوم کو فتح کیا اسے پوری بربادی اور تباہی کا مورد الزام بتایا تو بھی دنیا کی روحانی اور ذہنی ترقی کے لیے اسلام خدا کے ہاتھ میں ایک بڑا وسیلہ بنا (۵۳)۔

اسی کتاب میں اسلام کے اساسی و بنیادی ماخذ حدیث کو مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹ گردانا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

دنیا میں ایسی کوئی قوم نہیں جو اس قدر حدیث کی محکوم اور پابند ہو جب تک (اس) وہم

کی قید ٹوٹ نہ جاوے ہرگز ترقی اور روشن ضمیری کی امید نہیں ہو سکتی (۵۴)

حالانکہ مسلمانوں کے دور عروج میں مسلمانوں کا حدیث پر ایمان انتہائی مستحکم اور پختہ تھا اس بارے میں وہ کسی بھی شک و شبہ کا ذرہ برابر بھی شکار نہ تھے۔ حدیث پر ایمان اور اس کے مطابق عملی زندگی ان کی ترقی میں قطعاً رکاوٹ نہ بنی بلکہ یہی احادیث نبوی انہیں ترقی کی راہ پر گامزن رکھنے میں مہمیز ثابت ہوئیں۔ ایک دوسرے مسیحی سکا لراپے ایم ویری کے نزدیک

جب تک اسلامی علماء احادیث و روایات اور اجماع کے بس میں ہیں تب تک اسلامی

ممالک میں عقل و ضمیر بیکاری اور غلامی کی حالت میں ہیں اور رہیں گے (۵۵)

حالانکہ یہ حقیقت ثابت ہے کہ مسلم تہذیب نے تمام تر اساس قرآن سے اور جلاء حدیث نبوی سے ہی پائی ہے۔ انسانی زندگی کے تہذیبی ارتقاء کے سفر میں احادیث کے ذریعے جو معیار مسلمانوں کو میسر آیا وہ کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ یہاں منکرین حدیث کی طرف سے بھی یہی راگ الاپا جا رہا ہے کہ احادیث امت کے زوال کا سبب بنی ہیں (۵۶)

### برصغیر میں مسیحی لٹریچر کے اثرات

اوراق سابقہ میں پیش کئے جانے والے نظریہ حدیث پر مبنی مسیحی لٹریچر نے برصغیر میں وسیع پیمانے پر رنگ دکھایا جس سے بعض لوگ معمولی حد تک متاثر ہوئے اور احادیث نبوی کے بارے میں کہیں کہیں

شک و شبہ کی بات کرنے لگے پھر اس سے بڑھ کر یہاں متاثرین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جسے منکرین حدیث کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ میدان جنگ میں مغلوب قوم ذہنی شکست و خوردگی کا شکار ہو جاتی ہے اور غالب قوم کی طرف سے ہر نظریاتی یلغار کو عین عقل سمجھ کر قبول کرتی دکھائی دیتی ہے۔ برصغیر میں مسلم حکمرانی کی آٹھ سو سالہ تاریخ میں ہمیں یہاں انکار حدیث کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ یہاں انکار حدیث کی فکر انگریز اقتدار کے بعد ہی سامنے آئی جو اس دعویٰ کا بین ثبوت ہے کہ اس کی تخم ریزی کا یہی دور ہے۔ انگریز برصغیر میں اپنے تسلط کے ساتھ ساتھ دو اور چیزوں کے بھی خواہاں تھے

۱- فرنگی تہذیب و تمدن کا فروغ

۲- مذہب عیسائیت کا پرچار

برصغیر میں انگریزی تسلط کے ساتھ ہی عیسائیت کے پرچار کے لیے مسیحی مشنریوں کی ایک ٹڈی دل فوج کمر بستہ ہو کر میدان میں اتری۔ اپنے مقابل مذاہب میں یہاں ان کے حقیقی حریف مسلمان ہی تھے چنانچہ انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات کے بارے مختلف شکوک و شبہات اور بے بنیاد اعتراضات بڑی شد و مد سے پیش کرنا شروع کیے۔ اس سلسلہ میں حدیث نبوی کے حوالے سے ان کے ہاتھ میں سب سے اہم ہتھیار مستشرقین کے افکار و نظریات تھے۔ اس کا نتیجہ دو صورتوں میں نکلا۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے من و عن مسیحی افکار کو قبول کر کے دین اسلام کو خیر باد کہہ دیا۔ جس میں پادری عماد الدین، پادری سلطان محمد پال، پادری احمد شاہ، پادری صفدر علی اور پادری برکت اللہ کے نام نمایاں ہیں۔ دوسرا گروہ وہ تھا جس نے اسلام کے دفاع کے نام پر انہی افکار کو اسلامی رنگ دے کر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا۔ خضریٰ بک لکھتے ہیں:

اس دور کے وہ علماء جنہوں نے اپنے علم کا زیادہ معیار مطالعہ پر رکھ کر براہ راست مستشرقین کو پڑھا ہے ان کی تحریروں میں (شعوری یا لاشعوری) ایک مرعوبیت کا احساس پایا جاتا ہے۔ جس کو ان جگہوں پر باسانی پڑھا جاسکتا ہے۔ جہاں انہوں نے اسلام پر کسی مغربی اعتراض کا جواب دیا ہے..... لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اعتراض کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو اور منہ میں تیز زبان بھی اور جواب

دینے والے کا ذہن ان دونوں سے مرعوب بھی ہو تو قدرتی طور پر جواب جاب نہیں رہتا ایک معذرت بن جاتا ہے (۵۷)

اغیار کے اعتراضات سے انہیں اپنے عقائد و نظریات کی عمارت متزلزل نظر آنے لگی تو معذرت سے آگے معاملہ پسپائی کی شکل اختیار کر گیا۔ حدیث نبوی کا انکار بھی اسی پسپائی کا شاخسانہ ہے۔ ایک رائے کے مطابق یہ پسپائی ذہنی کم ہمتی کا نتیجہ نہ تھی بلکہ ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا۔ ڈاکٹر محمد عابد لکھتے ہیں: انگریزوں نے مسلمانوں کو دینی اعتبار سے کمزور کرنے کیلئے مختلف سازشیں شروع کر دیں مثلاً مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں ہی میں ایسے رجال تیار کئے گئے جنہوں نے مختلف دینی احکام سے انحراف کر کے دین میں نئے نئے فتنے پیدا کئے ان فتنوں میں انکار ختم نبوت اور انکار حدیث کے فتنے نہایت نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوئے (۵۸)

اس دعویٰ کی تائید ہمیں برصغیر میں منکرین حدیث کی معروف شخصیت عبداللہ چکڑالوی پر انگریزوں سے امداد لینے کے اس الزام سے ہوتی ہے۔

انگریزی سیاست دانوں نے عیسائی پادریوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے چند مسلمان علماء کو پھانسا..... اب انہوں نے خود حدیث کو غیر معتبر ٹھہرانے کے لیے چند مسلمان منافقین کو خرید لیا ان کے سرخیل عبداللہ چکڑالوی تھے۔ ان کو عیسائیوں نے اس خدمت کے لیے چنا اور انہوں نے اعلانیہ حدیث کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کیا انگریز پادریوں نے اس کو چھٹیاں لکھیں مالی مدد کے وعدے کیے اور ان سے کہا کہ آپ ایک نہایت اچھا کام کر رہے ہیں (۵۹)

بہر حال برصغیر کے اس مسیحی دور کا ایک بڑا اثر فتنہ انکار حدیث کی شکل میں نمودار ہوا اور مستشرقین کی بولی اپنی اپنی زبان میں پیش کی جانے لگی۔ ایک مٹی برحقیقت تبصرہ پیش خدمت ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی تسلط نے جب حکومتی رنگ اختیار کیا تو مسلمانان برصغیر نے جنگ آزادی کے میدان میں آخری مذہبی حرکات کا مظاہرہ کیا لیکن ناکام رہے میدان جنگ کی شکست نے ذہنی مرعوبیت کی راہ دکھائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مستشرقین



نے اپنے خاص مقاصد کی خاطر جو علمی تحریک شروع کی تھیں ان کے پس منظر، پیش منظر کا تنقیدی جائزہ لیے بغیر بعض افراد (منکرین حدیث) نے انہیں قبول کر لیا اور پھر ان کے اگلے ہوئے نوالے نئی فکر، نئی تحقیق، نئی علمی کاوش اور قومی خدمت کے نام سے پیش کرنے شروع کر دیے انہیں میں سے شاخت اور گولڈزیہر وغیرہ کے یہ فکری شاخسانے تھے جن کو ایسے ذہنی مریضوں نے اپنی فکری پرواز اور علمی اڑان کے لیے سہارا بنا لیا حالانکہ یہ ذہنی مرعوبیت کے شاہکار ہونے کے علاوہ کوئی نئی علمی فکری کاوش نہ تھی (۶۰)

جس طرح کسی شرکی تہہ میں کوئی خیر پنہاں ہو سکتی ہے اسی طرح مسیحی فکری یلغار نے مسلمانوں میں اپنے عقائد پر متصلبانہ ایمان اور دفاع حدیث کا جذبہ متحرک کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ تمسک بالحدیث اور ترویج و اشاعت حدیث کی شرح پہلی سے کئی گنا بڑھ گئی جس پر برصغیر کا اصول حدیث، تاریخ حدیث، حجیت حدیث، تراجم و حواشی اور شروحات حدیث کا وسیع ذخیرہ بین ثبوت کے طور پر موجود ہے۔ اس کا ایک اور اضافی فائدہ یہ بھی ہوا کہ برصغیر کے مسلمانوں میں ادیان کے تقابلی مطالعہ کا رجحان بڑھا اور یورپ کے درآمدی تحقیقی معیارات سے بھی استفادہ کی سوچ پروان چڑھی۔ اس تمام تر کا مثبت نتیجہ یہ بھی ہے کہ ایک معیاری لٹریچر کا ذخیرہ سامنے آیا۔



## حوالے و حواشی

- ۱۔ برکت اللہ پادری، مغلیہ سلطنت اور مسیحیت (پنجاب ریجنس بک سوسائٹی، لاہور ۱۹۷۰ء) ص ۱۸۱
- ۲۔ جونز، ایل بیون، اہل مسجد، مترجم: جے عبدالسبحان (پنجاب ریجنس بک سوسائٹی، لاہور، طبع دوم، ۱۹۵۲ء) ص ۷۷
- ۳۔ ایڈورڈ سیل، پادری، عقائد اسلامیہ، مترجم: شفقت اللہ حمیدی (امریکن مشن پریس،

لکھنؤ، ۱۸۸۳ء ص ۱۳

- ۲- ابن حزم، علی بن حزم الاندلسی، الاحکام فی اصول الاحکام (فیصل آباد، ۱۴۰۲ھ) ج ۲، ص ۶
- ۵- Hughes, Thomas Patrick, Dictionary of Islam, Premier Book House Lahore, 1964, pp. 639
- ۶- عقائد اسلامیہ، ص ۱۹ - اہل مسجد، ص ۷۹
- ۸- کلیئر ٹزڈل، ڈبلیو سینٹ، ینابیع الاسلام، مترجم: پادری اکبر مسیح (پنجاب ریجنس بک سوسائٹی، لاہور، طبع دوم، ۱۹۵۳) ص ۱۶
- ۹- ویری، ای ایم، پادری، دین اسلام (امریکن ٹریکٹ سوسائٹی، لدھیانہ، طبع اول، ۱۹۰۵) ص ۱۹
- ۱۰- عقائد اسلامیہ، ص ۹۰
- ۱۱- غلام مسیح، پادری، تحقیق الاسلام پہلا حصہ مسی حقیقت الاسلام (پنجابی پریس لاہور، ۱۹۲۲) ص ۱
- ۱۲- ایضاً، ص ۲
- ۱۳- صفدر علی، پادری، نیاز نامہ (امریکن مشن پریس، لکھنؤ، طبع ثانی، ۱۸۷۸) ص ۱۲۶
- ۱۴- ایضاً، ص ۲۱۸ - اہل مسجد، ص ۷۶
- ۱۶- ایضاً، ص ۷۷ - ایضاً، ص ۸۰
- ۱۸- ایضاً، ص ۷۹
- ۱۹- فتح پوری، نیاز، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ (آواز اشاعت گھر، لاہور، س. ن) ص ۴۷
- ۲۰- ینابیع الاسلام، ص ۲۲ - ایضاً، ص ۱۴۱
- ۲۲- ایضاً، صفحہ ۱۵۱ تا ۱۸۰ فصل پنجم میں درج ذیل عنوان کے تحت یہ دعویٰ کیا گیا ہے ”اس دعویٰ کی تحقیق میں کہ آیا قرآن و حدیث میں بعض ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو زردشتیوں اور ہنود کی پرانی کتابوں میں ملتے ہیں“۔ اس رویہ پر کیا رد عمل ہو سکتا ہے ملاحظہ ہو
- ”جدید علم تاریخ نے ثابت کر دیا ہے کہ عہد نامہ جدید یعنی مجموعہ اناجیل میں ایک بھی

- پاکیزہ خیال یا تعلیم ایسی نہیں ہے جو اقوال افلاطون (Plots) یا حکماء رواقین (Epicurians) کی تعلیمات میں موجود نہ ہوں“
- (مذہب عالم کا تقابلی جائزہ، ص. ۷۲ نیز عقائد نصرانیہ کا تاریخی رشتہ فنیقیہ، بابل، فلسطین، مصر، ایران، اور یونان کے قدیم ادب اور فرضی حکایتوں سے جوڑ کر انہیں ان کا ماخذ بتلایا ہے۔)
- ۲۳۔ ایضاً، ص. ۱۹۸
- ۲۴۔ قادیانی، غلام احمد، مرزا، مسیح ہندوستان میں، قادیان ۱۸۸۹ء؛ چشمہ مسیحی (ربوہ، ۱۹۶۰) ص. ۸
- ۲۵۔ پال، سلطان محمد، پادری، عربستان میں مسیحیت (پنجاب ریجنس بک سوسائٹی، لاہور، طبع اول ۱۹۴۵ء)
- ۲۶۔ ایس اے حسن، ڈاکٹر، ہماری حدیث (حصہ دوم) (آصف بک ڈپو، لاہور، بار اول، ۱۹۵۲ء)
- ۲۷۔ بحوالہ: شبلی نعمانی، سیرت النبی (مکتبہ مدنیہ، لاہور، ۱۴۰۸ھ) ج. ۲، ص. ۳۹
- ۲۸۔ ہفت روزہ ”اعتصام“ لاہور، حجیت حدیث نمبر، ۷ فروری ۱۹۵۶ء، ص. ۶۵، (فتنہ انکار حدیث کا عقلی اور تاریخی تجزیہ از محمد علی قصوری)
- ۲۹۔ عماد الدین، تاریخ محمدی، بحوالہ: کانپوری، محمد علی، دافع التلبیسات (نامی پریس، کانپور، ۱۳۰۲ھ) ص. ۷۱
- ۳۰۔ اکبر مسیح، پادری، تاویل القرآن (پنجاب ریجنس بک سوسائٹی، لاہور، بار سوم، ۱۹۵۲) ص. ۴
- ۳۱۔ اہل مسجد، ص. ۸۹
- ۳۲۔ عقائد اسلامیہ، ص. ۴۸
- ۳۳۔ اہل مسجد، ص. ۹۰
- ۳۴۔ برکت اللہ، پادری، توضیح البیان فی اصول القرآن (پنجاب ریجنس بک سوسائٹی، لاہور، س. ن.) ص. ۸۷
- ۳۵۔ میور، ولیم، لائف آف محمد، بحوالہ: دافع التلبیسات، ص. ۷۱

- ۳۶۔ عماد الدین، تاریخ محمدی، بحوالہ: دافع التلبیسات، ص. ۷۱
- ۳۷۔ دین اسلام، ص. ۱۷
- ۳۸۔ فائزر، سی جی، پادری، میزان الحق (پنجاب ریجیسٹر بک سوسائٹی، لاہور، بار دوم، ۱۹۶۲) ص. ۲۱۷
- ۳۹۔ اہل مسجد، ص. ۸۲۔ نیاز نامہ، ص. ۸۷۔ ۴۰۔
- ۴۱۔ عماد الدین، پادری، تحقیق الایمان (مطبع آفتاب پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۸۶۶) ص. ۲۳
- ۴۲۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے:
- M.M.Azami, Studies in Early Hadith Literature (American Trust Publications, Indiana 1978)
- عظمیٰ محمد مصطفیٰ، دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ (المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۲)
- ۴۳۔ مسعود احمد تفہیم اسلام، جماعت المسلمین، (مطبع نداد، اشاعت ثالث، ۱۹۸۷) ص. ۵۷۸
- ۴۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور (اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۱۴۰۱ھ) ص. ۵۳-۵۴
- ۴۵۔ Encyclopaedia Birttanina, (1958), vol.13, pp.16-17
- ۴۶۔ علوی، خالد، حفاظت حدیث (المکتبۃ العلمیۃ، لاہور، ۱۹۷۱) ص. ۳۰۰
- ۴۷۔ توضیح البیان، ص. ۸۸۔ ۴۸۔ میزان الحق، ص. ۴۰۷
- ۴۹۔ ہماری حدیث، ص. ۳۔ ۵۰۔ اہل مسجد، ص. ۸۷
- ۵۱۔ ایضاً، ص. ۸۸۔ ۵۲۔ ایضاً، ص. ۸۲
- ۵۳۔ عقائد اسلامیہ، ص. ۴۹۔ ۵۴۔ ایضاً، ص. ۲۵۶
- ۵۵۔ دین اسلام، ص. ۲۲۴
- ۵۶۔ ثبوت کے لیے ملاحظہ ہو: پرویز، غلام احمد، اسباب زوال امت (ادارہ طلوع اسلام،

(لاہور، س. ن.)

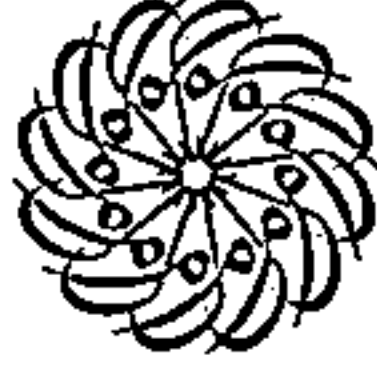
- ۵۷۔ خضریٰ بک، محمد، تاریخ فقہ (اردو)، مترجم: مولانا تقی عثمانی، حبیب اللہ ہاشمی  
(دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۶۷ء) ص. ۸
- ۵۸۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور، اشاعت خاص، فتنہ انکار حدیث، جلد ۳۴، شمارہ ۸، ۹، اگست،  
ستمبر ۲۰۰۲ء) ص. ۱۲۸ (برصغیر میں فتنہ انکار حدیث از ڈاکٹر محمد عبداللہ عابد)
- ۵۹۔ ہفت روزہ ”اعتصام“ لاہور، حجیت حدیث نمبر، جلد ۷، شمارہ ۲۸-۲۹، ۲۵ تا ۲۷، رجب  
۱۳۷۵ھ/۱۷ تا ۲۲ فروری ۱۹۵۶ء، ص. ۶۵
- ۶۰۔ ہفت روزہ ”اہل حدیث“ لاہور، خدمات اہل حدیث نمبر، جلد ۲۸، شمارہ ۳۹، ۷، جمادی الاخریٰ  
۱۳۱۸ھ/۱۰ تا ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۷ء، ص. ۲۱۳ (اہل حدیث کی خدمات حدیث اور منکرین حدیث  
از ڈاکٹر خالد ظفر اللہ)

## تالیفاتِ اساتذہ

### شعبہ علومِ اسلامیہ

- |                           |                               |   |
|---------------------------|-------------------------------|---|
| ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر | اصول حدیث                     | ✽ |
| ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر | مصباح الحدیث                  | ✽ |
| پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی   | رسولِ رحمت                    | ✽ |
| پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی   | حضور سے ہمارے تعلق کی بنیادیں | ✽ |
| پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی   | پینچمبرانہ منہاجِ دعوت        | ✽ |









## انکارِ حدیث.....حق یا باطل؟

[ایک منکر حدیث کے شبہات کے جوابات]

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری\*

سیرت نبوی ﷺ پر عالمی ایوارڈ یافتہ کتاب الرحیق المختوم کے مصنف مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ علمی و دینی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ 1975ء میں وسط ہند کے اضلاع بالاگھاٹ اور سیونی سے انکار حدیث کے فتنے نے جب سر اٹھایا تو مولانا نے اس کی سد باب کے لئے نہ صرف وہاں پہنچ کر علمی بحث مباحثہ میں حصہ لیا بلکہ بعد میں حدیث نبوی پر اٹھائے جانے والے ان اعتراضات کے عالمانہ جوابات بھی لکھے۔ انہی دنوں ہندوستان کے صوبہ بہار کے شہر مدھوپور سے ایک صاحب نے بھی احادیث رسول پر بنیادی نوعیت کے اعتراضات وارد کئے، مثلاً احادیث کا علم بعض انسانوں کی کاوشوں کا حاصل ہے، ہمارے لئے قرآن کریم ہی کافی ہے، محدثین میں سے اکثر عجمی تھے، چنانچہ یہ جمع احادیث کی جدوجہد دراصل اسلام کے خلاف ایرانی سازش کا شاخسانہ ہے۔ قرآن کریم میں ظن اور سنی سنائی بات پر یقین لانے سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے، جبکہ ان احادیث میں تو مقدس بستیوں کے بارے میں خلاف عقل اور توہین آمیز باتیں بھی موجود ہیں۔ یہ اعتراضات اکثر و بیشتر وہی ہیں جو حدیث سے بے اعتنائی کرنے والے مغربی زدہ افراد پیش کرتے رہتے ہیں۔ ان اعتراضات کے لوگوں میں بکثرت پھیل جانے کی بنا پر مولانا مبارکپوری کے محققانہ جوابات کو ارمغانِ علمی کی اس جلد میں جو علم حدیث سے متعلق ہے، افادہ عام کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

کیا قرآن میں سب کچھ ہے اور حدیث کی ضرورت نہیں؟

انکارِ حدیث کے لئے سب سے اہم اور بنیادی نکتہ یہ تلاش کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر مسئلہ کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے، اس لئے حدیث کی ضرورت نہیں۔ اس کے ثبوت میں قرآن مجید کے متعلق تبیاناً لکل شیء اور تفصیلاً لکل شیء والی آیات پیش کی جاتی ہیں۔ جن کا مطلب توڑ مروڑ کر اور غلط ملط بیان کر کے یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ قرآن میں ہر مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔

① منکرین حدیث اب ہمارا سوال سنیں؛ قرآن میں مردہ، خون، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام قرار دیا گیا ہے اور بھیمة الأنعام حلال کیا گیا ہے۔ بھیمة الأنعام کی تفسیر قرآن میں ان جانوروں سے کی گئی ہے: اونٹنی، اونٹ، گائے، بیل، بکری، بکرا، بھیڑ اور مینڈھا۔ لغت میں بھی بھیمة الأنعام کی فہرست میں یہی جانور بتائے گئے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کے علاوہ دنیا کے بقیہ جانور حلال ہیں یا حرام؟ مثلاً کتا، بلی، گیدڑ، بھیڑیا، چیتا، شیر، تیندوا، بندر، ریچھ، ہرن، چیتل، سانہر، بارہ سنگھا، بھینسا، خرگوش، کوا، چیل، باز، شکرہ، کبوتر، مینا، فاختہ وغیرہ وغیرہ؛ یہ سارے جانور حلال ہیں یا حرام؟ یا ان میں سے کچھ حلال ہیں اور کچھ حرام؟ آپ جو جواب بھی دیں، اس کا ثبوت قرآن سے پیش کریں۔ آپ کی عقلی تک بندیاں نہیں مانی جائیں گی، یعنی آپ چونکہ دعویٰ دار ہیں کہ ہر مسئلہ قرآن میں موجود ہے اس لئے ان جانوروں میں سے جس کو حلال مانیں، اس کے حلال ہونے کا ثبوت قرآن سے دیں اور جس کو حرام مانیں، اس کے حرام ہونے کا ثبوت قرآن سے دیں اور اگر آپ قرآن سے نہ دے سکیں (اور یقیناً نہیں دے سکیں گے) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن میں ہر مسئلہ بیان نہیں کیا گیا ہے اور حدیث کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان جانوروں کے حلال و حرام ہونے کا قاعدہ حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے جس سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سا جانور حلال ہے اور کون سا حرام.....!

② دوسرا سوال یہ ہے کہ قرآن میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز کی حالت میں کھڑے ہونے، رکوع کرنے اور سجدہ کرنے کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نماز میں پہلے کھڑے ہوں یا پہلے رکوع کریں یا پہلے سجدہ کریں؟ پھر کھڑے ہوں تو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں یا لٹکا کر؟ ایک پاؤں پر کھڑے ہوں یا دونوں پر؟

لغت میں 'رکوع' کا معنی ہے جھکنا، سوال یہ ہے کہ آگے جھکیں، یادائیں جھکیں یا بائیں جھکیں؟ پھر جھکنے کی مقدار کیا ہو؟ ذرا سا سر نیچا کریں یا کمر کے برابر نیچا کریں یا اس سے بھی زیادہ نیچا کریں؟ پھر رکوع کی حالت میں ہاتھ کہاں ہوں؟ گھٹنوں پر ٹیکیں؟ یادوں رانوں کے بیچ میں رکھ کر بازوؤں کو ران پر ٹیکیں؟ یا ڈنڈے کی طرح لٹکنے دیں؟

اسی طرح سجدہ کیسے کریں؟ یعنی زمین پر سر کا کون سا حصہ ٹیکیں، پیشانی کا ٹھیک پچھلا حصہ یا دایاں کنارہ یا بائیں کنارہ؟ سجدہ کی حالت میں ہاتھ کہاں رکھیں؟ رانوں میں گھسالیں؟ یا زمین پر ٹیکیں؟ اور اگر زمین پر ٹیکیں تو صرف ہتھیلی زمین پر ٹیکیں یا پوری کہنی زمین پر ٹیکیں؟ سجدہ ایک کریں یا دو کریں؟ ان سوالات کا آپ جو بھی جواب دیں، اس کا ثبوت قرآن سے دیں۔ ان مسائل کے بارے میں آپ کی عقلی تک بندیاں نہیں مانی جائیں گی اور اگر قرآن سے ان سوالات کا جواب نہ دے سکیں (اور یقیناً نہیں دے سکتے) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کے حکم پر بھی عمل نہیں ہو سکتا۔

③ تیسرا سوال یہ ہے کہ قرآن میں زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ دینے والوں کو سخت عذاب کی دھمکی بھی دی گئی ہے۔ جس جس قسم کے لوگوں پر زکوٰۃ خرچ کرنی ہے، انہیں بھی بتا دیا گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کب کب وصول کی جائے؟ یعنی زکوٰۃ روز روز دی جائے؟ یا سال بھر میں ایک مرتبہ دی جائے؟ یا پانچ سال یا دس سال یا بیس سال میں ایک مرتبہ دی جائے؟ یا عمر بھر میں ایک مرتبہ دی جائے؟ پھر یہ زکوٰۃ کس حساب سے دی جائے اور کتنی کتنی دی جائے؟ یعنی غلہ کتنا ہو تو اس میں زکوٰۃ دی جائے؟ اور کتنے غلہ پر کتنی زکوٰۃ دی جائے؟ سونا چاندی کتنی ہو تو زکوٰۃ دی جائے؟ اور کس حساب سے دی جائے؟

یہ سارے مسئلے قرآن سے ثابت کیجئے۔ اگر آپ قرآن میں یہ مسائل نہ دکھلا سکیں (اور ہرگز نہیں دکھلا سکتے) تو ثابت ہوگا کہ حدیث کو ماننے بغیر قرآن کے حکم پر بھی عمل ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان سارے مسائل کا بیان حدیث ہی میں آیا ہے۔

④ چوتھا سوال: قرآن میں حکم ہے کہ مسلمان جنگ میں کفار کا جو مال غنیمت حاصل کریں، اس کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کے نام پر الگ نکال دیا جائے جو یتیموں، مسکینوں اور حاجت مندوں وغیرہ میں بانٹ دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ باقی چار حصے کیا کئے جائیں؟ تمام مجاہدین پر

برابر برابر بانٹ دیئے جائیں یا فرق کیا جائے؟ کیونکہ بعض لوگ اپنا ہتھیار، گھوڑا، تیر، کمان، نیزہ، بھالا، زرہ، خود، سواری کا جانور اور کھانے کا سامان خود لے کر جاتے تھے اور بعض کو اسلامی حکومت کی طرف سے یہ سامان فراہم کیا جاتا تھا۔

اسی طرح بعض لوگ بڑی بہادری اور بے جگری سے لڑتے تھے، بعض دبکے رہتے تھے، کچھ اگلی صف میں رہتے تھے، جن پر براہِ راست دشمن کا وار ہوتا تھا۔ کچھ پیچھے رہتے تھے جو خطرہ سے دور رہتے تھے۔ اب اگر ان سب کو برابر دیں تو کیوں دیں؟ اور اس کا ثبوت قرآن میں کہاں ہے؟ اور اگر فرق کریں تو کس حساب سے فرق کریں؟ قرآن سے اس کا حساب بتائیے۔ اور اگر کمانڈر کی رائے پر چھوڑ دیں تو قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ کمانڈر کی رائے پر چھوڑ دیں؟ اس کی دلیل دیجئے۔ اگر قرآن میں ان مسئلوں کا کوئی حل نہیں ہے تو کیسے کہا جاتا ہے کہ قرآن میں سارے مسئلے بیان کر دیئے گئے ہیں.....!!

⑤ پانچواں سوال: قرآن میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔ اب سوال یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کاٹیں یا ایک ہاتھ؟ اور اگر ایک ہاتھ کاٹیں تو داہنا کاٹیں یا بائیں؟ پھر اسے کاٹیں تو کہاں سے کاٹیں؟ بغل سے یا کہنی سے یا کلائی سے؟ یا ان کے پیچ میں کسی جگہ سے؟ آپ جو جواب بھی دیں، اس کا ثبوت قرآن سے دیں اور اگر قرآن سے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تو کیسے کہتے ہیں کہ قرآن میں ہر مسئلہ بیان کر دیا گیا ہے۔

⑥ چھٹا سوال: قرآن میں یہ ارشاد ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ سوال یہ ہے کہ جمعہ کے دن کب پکارا جائے؟ کس نماز کے لئے پکارا جائے؟ کن الفاظ کے ساتھ پکارا جائے؟ جس نماز کے لئے پکارا جائے، وہ نماز کیسے پڑھی جائے؟ ان ساری باتوں کا ثبوت قرآن سے دیجئے۔ ورنہ تسلیم کیجئے کہ قرآن میں ہر مسئلہ بیان نہیں کیا گیا ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ قرآن میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جو باتیں ہم نے پوچھی ہیں، ان باتوں میں اور اسی طرح زندگی کے بہت سارے مسئلے میں تنہا قرآن سے کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کیا تھا۔ یہ طریقہ صرف حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لئے جب تک حدیث کو نہ مانیں، خود قرآن پر بھی عمل نہیں کر سکتے۔ فی الحال یہی سوال پیش کر کے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

## انکارِ حدیث کے اصولی دلائل

اس ایک اصولی دلیل کا حال جان لینے کے بعد آئیے اب مدھوپوری محقق صاحب کی زبانی چند اور اصولی دلیلیں سنئے۔ اس کے بعد ہمارا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ موصوف نے خود ہی سوال قائم کیا ہے اور خود ہی جواب بھی دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

سوال: دین میں مصطلح 'حدیث' کا کیا مقام ہے؟ جواب: کچھ نہیں، کیونکہ.....

(ا) دین حق ہے اور اس کی بنا علم و یقین پر ہے۔ جس کی شہادت خود اللہ اور اس کے سچے فرشتے دیتے ہیں:

لَكِنَّ اللّٰهَ يَشْهَدُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُوْنَ  
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا (النساء: ۱۶۶)

(ب) دین عملاً محمد رسول اللہ ﷺ والذین معہ کے ذریعہ بطریق احسن مکمل ہو چکا:  
الْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمْ  
الْاِسْلَامَ دِيْنَا (المائدة: ۳)

(ج) دین لوحِ قرآن پر لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً بدرجہ اکمل محفوظ ہو گیا ہے:

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيْدٌ فِىْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (البروج: ۲۱، ۲۲)

برعکس اس کے ہماری حدیثیں سب کی سب یکسر ظنی، غیر یقینی اور روایت بالمعنی ہیں۔ دین سے اس کا کیا تعلق؟: إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (النجم: ۲۸) یعنی حق کے مقابلے میں 'ظن' کا کوئی مقام نہیں ہے: اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوٰى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدٰى (النجم: ۲۳) یعنی "یہ لوگ محض 'ظن' کے پیچھے دوڑتے ہیں، دراصل وہ اپنی من مانی کرتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کو ہدایت پہنچ چکی ہے۔" اور ایک مقام پر تو خاص کر مؤمنوں کو خطاب کر کے زیادہ ظن و گمان سے کوسوں دور رہنے کا حکم صادر کر دیا گیا ہے۔ بلکہ یہاں تک متنبہ کر دیا گیا ہے کہ بعض قیاس آرائیاں 'صریح' گناہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات: ۱۲)

وفاتِ نبوی کے سینکڑوں سال بعد بعض ایرانیوں نے ادھر ادھر کی محض سنی سنائی اٹکل پچو باتوں

(جنہیں اقوالِ رسولؐ و اصحابِ رسولؐ سے منسوب کیا جاتا تھا) کا ذخیرہ جمع کر کے انہیں متفرق و متضاد روایتوں کو صحیح حدیث کا نام دے دیا اور بعد والوں نے بعض دینی اور سیاسی مصالح کی بنا پر اس کو (بزعم خویش) جزو دین سمجھ لیا، اور اس طرح تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا۔ اس سے قبل یہی روایتیں جب تک زید، عمرو و بکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کرتی رہیں، ان کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، لیکن قیدِ کتابت میں آنے اور ان پر صحیح، کالیبل چپکانے کے بعد انہیں 'فلاں نے فلاں سے کہا' اور 'فلاں نے فلاں سے سنا'.....

روایتوں کو بد قسمتی سے دین کی اصل و اساس سمجھ لیا گیا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ مجموعہ ہائے روایات زیادہ سے زیادہ ایک طرح کے نیم تاریخی مواد کی حیثیت رکھتے ہیں اور بس۔ نیم تاریخی ہم نے اس لئے کہا کہ اولاً یہ فنِ تاریخ کے معیار پر پورے نہیں اترتے، اور دوسرے یہ کہ ان کتب احادیث کی اکثر روایات قصہ گوئیوں، واعظوں اور داستان سراؤں کی خود ساختہ روایات اور من گھڑت کہانیاں ہیں۔ نیز ان جھوٹی روایات اور فرضی واقعات کا عوام میں خوب خوب پرچار کرنے کے ذمہ دار بھی یہی واعظ و قصاص کا گروہ رہا ہے۔

ہماری حدیث کا ایک دوسرا تاریک پہلو بھی ہے جو پہلے سے زیادہ افسوس ناک ہے۔ اور جسے 'اسلامی تاریخ' کا 'المیہ' کہنا چاہئے۔ مثلاً حدیث کے مجموعوں میں ایسی روایتیں بھی بکثرت ملتی ہیں جو الزام تراشی، دروغ بانی اور فحش نگاری کا مرتع ہیں۔ اس پر ستم ظریفی یہ کہ ان مخرب اخلاق اور حیا سوز حدیثوں کو منسوب کیا جاتا ہے قرآن کی برگزیدہ شخصیتوں کی طرف (جیسے خود آنحضرت ﷺ، آپ کی ازواجِ مطہرات، خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ اور اصحابِ رسول علی الخصوص حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ)۔ یا پھر سب و شتم کے تیر چلائے جاتے ہیں تو اگلی آسمانی کتابوں کی مثالی ہستیوں پر جیسے حضرت ابراہیمؑ، یوسفؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، اور مریمؑ وغیرہم۔ غرض صحفِ اولیٰ کی منتخب شخصیتیں ہوں یا صحیفہ آخر کی پسندیدہ ہستیاں، کسی کی بھی عزت و آبرو اور ایمانِ حدیث کی مشق ستم کا نشانہ بننے سے نہ بچ سکی: وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ (المرسلات: ۱۹)

واضح رہے کہ یہ روایتیں مسلمہ کذاب یا ملامتین واعظ کا شنی جیسے مشہور دروغ گوئیوں کی نہیں ہیں

بلکہ عام مسلمانوں کے 'مایہ ناز' اور 'فخر روزگار' اماموں کے 'ثقتہ' راویوں کی ہیں جو آج تقریباً ہزار سال سے ان کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہیں جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ اور 'مثلہ معہ' سمجھی جاتی رہی ہیں..... وائے گرد و پس امروز بود فروائے!

ان 'تحقیقاتِ عالیہ' اور 'فرموداتِ طیبہ' کے بعد مدھو پوری 'محقق' صاحب ایک 'ٹھوس حقیقت' کا عنوان لگا کر مزید ارشاد فرماتے ہیں:

”ہم مکلف ہیں ایمان لانے کے اللہ اور اس کے رسول پر۔ اور اللہ و رسول پر ایمان لانے کے معنی ہیں اللہ کو حق جاننا اور محمد (رسول اللہ) پر نازل شدہ کتاب (قرآن) کو ماننا۔ بخلاف اس کے محض سنی سنائی باتیں جو صد ہا سال تک ہر کہ و مہ کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کرتی رہی ہوں اور بالآخر انہیں محدثین نے بالکل غیر ذمہ دارانہ ذرائع سے معلوم کر کے اپنے بیاض میں نقل کیا ہو، ایسی غیر مستند اور غیر یقینی روایتوں کو اس صادق و مصدوق کی طرف منسوب کر کے انہیں 'سنت' کا نام دینا اور ان پر ایمان لانے کے لئے مسلمانوں کو مجبور کرنا سراسر بے انصافی اور انتہائی زیادتی ہے۔

مرؤجہ انجیل کا نسخہ جسے خود حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے قلم بند کیا تھا (جو سفر و حضر ہر حال میں آپ کے رفیق و ہم جلیس رہ چکے تھے) اگر محض اس لئے قابل اعتنا نہیں سمجھا جاسکتا کہ یہ کام حضرت مسیح کی موجودگی میں نہیں بلکہ واقعہ رفع کے چالیس سال بعد انجام پایا تھا تو یہ روایتیں جنہیں نہ خود حضور نے قلم بند کروایا نہ ہی آپ کے اصحاب میں سے کسی نے اس کی ضرورت سمجھی۔ بلکہ حضور کے سینکڑوں سال بعد بعض عجمیوں نے زید، عمرو و بکر سے پوچھ کر لکھ لیا ہو، انہیں منزل من اللہ ماننے اور جزو دین قرار دینے کے لئے وجہ جواز کیا ہو سکتی ہے؟ اور یہ تدوین و ترتیب کے دوران تقویٰ و طہارت کا اہتمام یعنی ایک ایک روایت کو قلم بند کرنے سے پہلے تازہ غسل و وضو اور دو رکعت نفل ادا کرنے کا شاخسانہ نفسیاتی اعتبار سے ذہنوں میں روایتوں کی تقدیس و تکریم کا جذبہ خواہ کتنا ہی پیدا کرے لیکن نفس روایات کا جہاں تک تعلق ہے، یہ حقیقت ہے کہ اگر انہیں آب زمزم سے بھی غسل و وضو کر کے لکھا گیا ہوتا تو بھی اس عمل سے ان کی صحت و سقم میں کوئی فرق نہیں آتا۔“

قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کا یقین کرنے کے لئے ہمیں رسول کی رسالت پر ایمان لانا ہوگا، بغیر آپ پر ایمان لائے قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ہمارا ایمان لانا کسی درجہ میں معتبر نہ ہوگا۔ بعینہ اسی طرح روایتوں کو حدیث رسول ماننے کے لئے ایک ایک روایت کے راوی پر ایمان لانا ہمارے لئے ناگزیر ہوگا بلکہ ہر روایت کے ہر سلسلہ اسناد میں جتنے راوی ہوں گے ہر ایک پر بلا استثنا ایمان لانا ہوگا۔ کیا ہمیں اللہ و رسول کی طرف سے ان ان گنت اصحابِ اسماء الرجال پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے۔ (نوالہ .....)

جواب

مدھو پوری 'محقق' صاحب کا 'سرمایہ تحقیقات' ختم ہوا۔ اب آئیے اس پر ہمارا تبصرہ اور جائزہ ملاحظہ فرمائیے۔ ہم نے اس کے جواب میں انہیں لکھا تھا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ دین میں حدیث کا کوئی مقام نہیں اور اس دعویٰ کی آپ نے اپنے خیال میں دو دلیلیں لکھی ہیں۔ دوسری دلیل پر تو ہم آگے گفتگو کریں گے۔ پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کی بنا علم و یقین پر ہے، احادیث ظنی ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے وہ آیات نقل کی ہیں جن میں ظن کی مذمت کی گئی ہے۔ اور ظن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ کی یہ حرکت دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ حضرات نہ تو قرآن کو مانتے ہیں اور نہ اس کو سمجھنے کا سلیقہ ہی رکھتے ہیں!!

شریعت میں ظن اور ظنیات کی حیثیت

جناب عالی! قرآن مجید میں صرف ظن کی مذمت ہی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ اسے اختیار کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اسے مدار نجات بھی قرار دیا گیا ہے۔ سنئے، فرمایا گیا ہے:

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِنَفْسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا  
إِفْكٌ مُّبِينٌ (النور: ۱۲)

”جب تم لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام کے واقعہ کو سنا تو مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں نے اپنے نفسوں کے ساتھ اچھا ظن کیوں نہ قائم کیا؟ اور کیوں نہ کہا کہ یہ کھلی ہوئی جھوٹی تہمت ہے۔“

غور فرمائیے! اس میں صرف 'ظن' کو اختیار ہی کرنے کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد پر ایک



معاملہ کے بارے میں فیصلہ کن رائے قائم کرنے کا بھی مطالبہ ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا:  
 وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ  
 يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبَّهُمْ وَإِنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاغِبُونَ (البقرة: ۴۵، ۴۶)  
 ”صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو اور بے شک یہ بھاری ہے مگر ان ڈرنے والوں پر جو  
 یہ ”ظن“ رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور یہ کہ وہ اسی کی طرف پلٹ کر  
 جائیں گے۔“

گویا قیامت کے وقوع اور اللہ سے ملاقات کا ”ظن“ رکھنا ایمان کی علامت ہے۔ ایک اور مقام  
 پر ارشاد ہے:

أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ، لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (الطافین: ۴، ۵)  
 ”کیا وہ لوگ ظن نہیں رکھتے کہ وہ ایک بڑے دن کے لئے اٹھائے جائیں گے؟“  
 گویا بعث کا ظن نہ رکھنا عدم ایمان کی علامت ہے اور ڈنڈی مارنے جیسی برائیوں کا سبب ہے۔  
 ایک اور جگہ ارشاد ہے:

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَذَا مَا أقرءُ وَإِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلْقٍ  
 حِسَابِيَّةٍ..... الخ (الحاقة: ۱۹، ۲۲)  
 ”قیامت کے دن جس شخص کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی، وہ کہے گا: آؤ  
 میری کتاب پڑھو۔ میں ظن رکھتا تھا کہ میں اپنے حساب سے ملوں گا۔ پھر وہ پسندیدہ زندگی یعنی  
 بلند و بالا جنت میں ہوگا۔“

لیجئے جناب! یہاں ایک ”ظنی“ عقیدے پر جنت مل رہی ہے اور آپ ظن اور ظنیاات کو جہنم میں  
 دھکیلنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ظن کی بنیاد پر توبہ و استغفار کیا تو ان کے اس عمل کو  
 مدح و تعریف کے سیاق میں ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّهٗ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (ص: ۲۳)  
 ”داؤد نے یہ ظن کیا کہ ہم نے اسے آزمائش میں ڈال دیا ہے پس انہوں نے اپنے رب سے  
 مغفرت مانگی اور رکوع کرتے ہوئے گر پڑے اور اللہ کی طرف جھک گئے۔“

آپ ظنی چیز کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں سمجھتے اور قرآن ظن پر دین کے ایک حکم کا دار و مدار رکھتا ہے، ارشاد ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ  
یعنی ”مطلقہ ثلاثہ کا دوسرا شوہر اگر طلاق دے دے تو (پہلے شوہر اور اس کی مطلقہ) ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ آپس میں تراجع کر لیں (یعنی پھر بذریعہ نکاح اکٹھے ہو جائیں) اگر یہ ظن کریں کہ وہ دونوں اللہ کے حدود قائم کر سکیں گے۔“ (البقرہ: ۲۳۰)

غزوہ تبوک میں جو تین مومنین خالصین بلا عذر شریک نہ ہوئے تھے، ان کی توبہ بھی جس مرحلے کے بعد قبول کی گئی، اس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ  
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ  
عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبہ: ۱۱۸)

”اور اللہ نے ان تین افراد کی توبہ بھی قبول کی جنہیں پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی اور ان کی جان پر بن آئی اور انہوں نے یہ ظن قائم کر لیا کہ اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ پھر اللہ نے ان پر رجوع کیا تا کہ وہ توبہ کریں۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔“

لیجئے جناب! کتنی صاف بات ہے کہ جب ان پیچھے رہ جانے والوں نے حالات کی سختی کا مزہ چکھ لیا اور یہ ظن قائم کر لیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں تو اللہ نے ان کی توجہ قبول کر لی۔ یعنی انہیں اللہ کی رحمت و مغفرت ان کے اسی ظن کے نتیجے میں حاصل ہوئی۔

یہ تو یہ؛ اسلام نے اسلامی عدالت کے تمام فیصلوں کی بنیاد صرف دو عادل گواہوں پر رکھی ہے، اس سے صرف زنا کا کیس مستثنیٰ ہے۔ لیکن ان دو عادل گواہوں کی عدالت و ثقاہت کس درجہ کی ہوگی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر وہ نماز کے بعد اللہ کی قسم اور اپنے اخلاص کا واسطہ دے کر گواہی دے رہے ہوں، تب بھی قرآن نے ان کے بارے میں اس احتمال کو قبول کیا ہے کہ وہ جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لے سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورہ مائدہ: ۱۰۶ تا ۱۰۸

بلکہ گواہی کے سلسلے میں مزید ایک قانونی شق یہ رکھی ہے کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو

عورتوں کی گواہی کافی ہوگی (البقرہ: ۲۸۳)..... اور خود ہی یہ بھی بتلا دیا ہے کہ عورتوں کی تعداد ایک کے بجائے دو اس لئے رکھی جا رہی ہے کہ "أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى (البقرہ: ۲۸۲)" "اگر ایک عورت معاملہ کو بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔" یعنی ایسی گواہی بھی قبول کی جائے گی جو خود گواہی دینے والے کو یاد نہیں ہے۔ بلکہ گواہی دینے والا انسان دوسرے کی یاد دہانی کی بنیاد پر گواہی دے رہا ہے۔

کہئے جناب عالی! اس قسم کی گواہی 'یقینیات' کے کس درجہ سے تعلق رکھتی ہے؟ اور یہ ڈھیل تو رہی نظام عدالت کے سلسلے میں، باقی رہیں خبریں تو ان کے سلسلے میں اس سے بھی زیادہ وسعت اور گنجائش رکھی گئی ہے۔ حکم دیا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا (الحجرات: ۶)  
 "اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آدمی کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو..... الخ"

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب تقویٰ اور صالح آدمی خبر لائے تو تحقیق بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔

جناب محترم! جب قرآن میں نہ صرف ظن کی تعریف کی گئی ہو بلکہ اس پر دین کے بعض احکامات کا دارومدار رکھا گیا ہو، اسی پر پورے نظام عدالت کی بنیاد رکھی گئی ہو، اسی ظن کی بنیاد پر فیصلہ کن رائے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہو، اسی ظن کے تحت توبہ و استغفار کرنے والوں کی بخشش کی گئی ہو حتیٰ کہ اسے آخرت میں نجات کا سبب قرار دیا گیا ہو تو آپ کو یہ بات کہاں تک زیب دیتی ہے کہ آپ احادیث پر 'ظنی' ہونے کی پھبتی چست کریں۔ آپ دوسروں کو تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن سے محروم قرار دیتے ہیں، دراصل حالے کہ اس محرومی کے شکار درحقیقت آپ خود ہیں۔ محترم کہنا پڑتا ہے کہ ایسا ز قدر خود بشناس

شاید آپ اس موقع پر لغت کھول کر بیٹھ جائیں اور چیخنا چلانا شروع کر دیں کہ دیکھو یہ شخص 'ظن' کے مختلف معانی کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈ گڈ کر رہا ہے۔ اس لئے میں آپ کی اس چیخ پکار سے پہلے ہی یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ کارِ خیر میں نہیں، آپ انجام دے رہے ہیں۔ آخر اس سے بڑھ کر دھاندلی

اور زبردستی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ قرآن کی ان تمام آیات اور اسلام کے اس سارے نظام کو پس پشت ڈال دیں جن میں 'ظن' کو دین اسلام کا جزو لاینفک قرار دیا گیا ہے اور قرآن کی دو تین آیتوں کو پیش کر کے لفظ 'ظن' کے مفہوم کو غلط رنگ دیتے ہوئے یہ فیصلہ ٹھونک دیں کہ 'ظن' کے لئے دین میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے ذخیرہ احادیث جو یکسر ظنی اور غیر یقینی ہے، اس کا دین میں کوئی مقام نہیں۔ بتائیے! ہم نے جو آیات پیش کی ہیں، ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے اس فیصلے پر اس کے سوا کیا کہا جائے کہ

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند      در جہل مرکب ابدالہ ہر بماند

دین کے مکمل ہونے کا مطلب

حدیث کے بے حیثیت اور بے مقام ہونے کے سلسلے میں آپ کی دوسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دین عملاً محمد رسول اللہ والذین معہ کے ذریعہ مکمل ہو چکا ہے۔ اور قولاً لوح قرآن میں محفوظ ہو گیا ہے۔

غالباً آپ کے اس فنکارانہ استدلال کا منشا یہ ہے کہ اگر آپ سے یہ سوال کر دیا جائے کہ محمد رسول اللہ والذین معہ کے ذریعہ عملاً جو دین مکمل ہو چکا ہے، اس کی تفصیلات کہاں دستیاب ہوں گی تو آپ جھٹ کہہ دیں گے کہ قرآن میں۔ ممکن ہے آپ نہ کہیں لیکن آپ کے دوسرے ہم خیال حضرات یہی کہتے ہیں۔ اس لئے میں آپ کی توجہ اپنے ان سوالات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اسی مضمون کے شروع میں درج ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ

- قرآن میں جن جانوروں کو حرام اور جن کو حلال قرار دیا گیا ہے، انکے علاوہ بقیہ جانور حلال ہیں یا حرام؟
  - نماز کے متعلق قرآن میں جو چند چیزیں مذکور ہیں، ان کے علاوہ نماز کے بقیہ حصوں کی ترکیب کیا ہے؟
  - زکوٰۃ کم از کم کتنے مال پر فرض ہے؟ کتنے فیصد فرض ہے؟ اور کب کب فرض ہے؟
  - مال غنیمت کی تقسیم مجاہدین پر کس تناسب سے کی جائے؟
  - چور کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں یا ایک؟
  - جمعہ کی نماز کے لئے کب اور کن الفاظ میں پکارا جائے؟ اور وہ نماز کیسے پڑھی جائے؟
- ان سوالات کو ایک بار غور سے پڑھ لیجئے اور بتائیے کہ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ والذین معہ

کامل کیا تھا؟ اور اس عمل کی تفصیلات کہاں سے ملیں گی؟ اگر قرآن میں ملیں گی تو کس سورہ، کس پارے، کس رکوع اور کن آیات میں؟ اور اگر قرآن میں یہ تفصیلات نہیں ہیں۔ اور یقیناً نہیں ہیں تو قرآن کے بعد وہ کون سی کتابیں ہیں جو آپ کے معیار پر صحیح ہیں اور ان میں یہ تفصیلات بھی درج ہیں؟  
قرآن تو بڑے زور شور سے کہتا ہے کہ جو اللہ سے امید رکھتا ہے اور آخرت میں کامیاب ہونا چاہتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے نمونے پر چلے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (الاحزاب: ۲۱)

اور یہاں یہ حال ہے کہ جو مسائل پیش آتے ہیں، ان میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ملتا ہی نہیں۔ اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو آپ اسے ایرانی سازش کے تحت گھڑا گھڑایا افسانہ قرار دیتے ہیں جن پر تقدس کا خول چڑھا کر لوگوں کو بیوقوف بنایا گیا ہے، ورنہ دین میں ان کی کوئی حیثیت اور کوئی مقام نہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی چاہنے والے بے چارے کریں تو کیا کریں؟ ع خداوند! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں.....؟

اس سلسلے میں سوالات اس کثرت سے ہیں کہ انہیں درج کرتے ہوئے آپ کے ملول خاطر کا اندیشہ ہے، اس لئے اتنے پراکتفا کرتا ہوں

اند کے باتو بگفتہ و بدل تر سیدم کہ آزرده دل نہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میری ان گذارشات سے یہ حقیقت دو ٹوک طور پر واضح گاف ہو جاتی ہے کہ یہ ساری دشواریاں اور پیچیدگیاں اس لئے پیش آرہی ہیں کہ سورہ مائدہ کی آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ..... الخ اور سورہ بروج کی آیت بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ..... الخ کا مفہوم سمجھنے میں آپ کے تدبر فی القرآن اور تفقہ فی الدین کا طائر پندار حقائق کی دنیا سے بہت دور پرواز کر گیا ہے۔

روایت بالمعنی

اب آئیے! آپ کے چند اور فرموداتِ عالیہ پر گفتگو ہو جائے، آپ نے حدیثوں کی بابت لکھا ہے کہ ”یہ سب کی سب یکسر ظنی، غیر یقینی اور روایت بالمعنی ہیں۔“ یہ معلوم ہی ہے کہ ’غیر یقینی‘ کا لفظ ’ظنی‘ کی تفسیر ہے اور ظن کے سلسلے میں میں اپنی گذارشات پیش کر چکا ہوں۔ رہا ’روایت بالمعنی‘ کا معاملہ تو سن

لیجئے کہ روایت بالمعنی اگر کوئی جرم ہے تو اس جرم کا سب سے بڑا مجرم (نعوذ باللہ) خود قرآن ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ، ہود اور ان کی قوم کا مکالمہ، صالح اور قوم ثمود کا مکالمہ، ابراہیم اور لوط علیہما السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ، حضرت شعیب اور اہل مدین و اصحاب الایکھ کا مکالمہ، حضرت موسیٰ کافرعون سے، بلکہ جادوگروں سے اور بنی اسرائیل سے مکالمہ، اور حضرت عیسیٰ کے مواعظ و مکالمے، کیا یہ سب انہی الفاظ اور عبارتوں میں تھے، جن الفاظ اور عبارتوں کے ساتھ قرآن میں درج ہیں؟ کیا آپ اس تاریخی حقیقت کا انکار کر سکتے ہیں کہ ان پیغمبروں اور ان کی قوموں کی زبان عربی نہیں تھی.....!!؟

قرآن میں ایک ہی بات کہیں کچھ الفاظ و عبارت میں ادا کی گئی ہے تو کہیں دوسرے الفاظ و عبارت میں۔ کہیں مختصر ہے کہیں مطول، بلکہ کہیں ایک جز مذکور ہے تو کہیں دوسرا جز۔ پس اگر ایک بات کے بیان کرنے میں الفاظ و عبارت، اجمال و تفصیل اور اجزاء گفتگو کے ذکر و عدم ذکر کا اختلاف اور روایت بالمعنی کوئی عیب ہے تو سب سے پہلے قرآن مجید کو اس عیب سے (نعوذ باللہ) پاک کیجئے۔ اور اگر نہیں تو پھر حدیث کے روایت بالمعنی ہونے پر آپ کو اعتراض کیا ہے؟ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ قرآن تو روایت بالمعنی سے بھرا ہوا ہے، پھر بھی یقینی کا یقینی اور احادیث کے متعلق جوں ہی آپ کے کان میں یہ آواز پہنچے کہ اس میں کچھ احادیث روایت بالمعنی بھی ہیں، بس آپ شور مچانے لگیں کہ ہٹاؤ ان احادیث کو، یہ روایت بالمعنی کی گئی ہیں۔ ان کا کیا اعتبار، اور دین سے ان کا کیا تعلق.....؟

ایرانی سازش کا بدبودار افسانہ

قرآنی آیات کو آپ نے اپنی مزعومہ خرافات کے گرد طواف کرنے کے بعد اس بڑے بول کا اظہار کیا جسے منکرین حدیث کے گرگانِ باران دیدہ اپنے سرد و گرم چشیدہ یہودی صلیبی مستشرق اساتذہ کی تقلید میں بولتے آئے ہیں اور جس کے متعلق ہر صاحب بصیرت بے کھٹک کہہ سکتا ہے کہ

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُولُونَ اِلَّا كَذِبًا (الکہف: ۵)

”بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکل رہا ہے، وہ سراپا جھوٹ بک رہے ہیں۔“

ان کے اس بول کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث کا ذخیرہ درحقیقت ایرانیوں کی سازش اور قصہ گوئیوں، واعظوں اور داستان سراؤں کی من گھڑت حکایات کا مجموعہ ہے۔

آپ کے اس دعویٰ کا پردہ فاش کرنے سے پہلے میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ اس عجمی سازش اور داستان سراؤں کی گھڑنت کا پتہ آپ نے کس طرح لگایا؟ آپ کے ذرائع معلومات کیا ہیں؟ اور آپ کے پاس اس پر شور دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟ کیونکہ دعویٰ بلا دلیل قبول خرد نہیں!

آپ لوگوں پر حیرت ہوتی ہے کہ دعویٰ تو کرتے ہیں اس قدر زور و شور سے، اور ایسے اونچے آہنگ کے ساتھ اور دلیل کے نام پر ایک حرف نہیں۔ کیا اسی کا نام تدبر فی القرآن ہے؟ اور اسی کو تفقہ فی الدین کہتے ہیں.....؟

آپ فرماتے ہیں کہ ”وفاتِ نبوی کے سینکڑوں برس بعد بعض ایرانیوں نے ادھر ادھر کی سنی سنائی اٹکل پچو باتوں کو جمع کر کے انہیں صحیح حدیث کا نام دے دیا۔“ ملخصاً

میں کہتا ہوں کہ آئیے، سب سے پہلے یہی دیکھ لیں کہ ان مجموعہ ہائے احادیث کو جمع کرنے والے ایرانی ہیں بھی یا نہیں؟ سن وار ترتیب کے لحاظ سے دور اول کے روادِ حدیث میں سرفہرست ابن شہاب زہری، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کے نام نامی آتے ہیں۔ یہ سب کے سب، سب سے معزز عربی خاندان قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور آخر الذکر تو اسلامی تاریخ کے پانچویں خلیفہ راشد کی حیثیت سے معلوم و معروف ہیں۔

اسی طرح دور اول کے مدوّنین حدیث میں سرفہرست امام مالک ہیں۔ پھر امام شافعی اور ان کے بعد امام احمد بن حنبل، ان تینوں ائمہ کے مجموعہ ہائے احادیث پوری امت میں متداول اور مقبول ہیں۔ یہ تینوں خالص عربی النسل ہیں۔ امام مالک قبیلہ ذی اُصح سے، امام شافعی قریش کی سب سے معزز شاخ بنو ہاشم سے، اور امام احمد قبیلہ شیبان سے۔

یہ بنو شیبان وہی ہیں جن کی شمشیر خارا اشگاف نے خورشیدِ اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے ہی خسرو پرویز کی ایرانی فوج کو ذی فاز کی جنگ میں عبرتناک شکست دی تھی۔ اور جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے دور میں ایرانی سازش کے تحت برپا کئے گئے ہنگامہ ارتداد کے دوران نہ صرف ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا بلکہ مشرقی عرب سے اس فتنے کو کچلنے میں فیصلہ کن رول ادا کر کے عربی اسلامی خلافت کو نمایاں استحکام عطا کیا تھا۔ اور پھر جس کے شہپر و شہباز ثنی بن حارثہ شیبانی کی شمشیر خارا اشگاف نے کاروانِ حجاز کے لئے فتحِ ایران کا دروازہ کھول دیا تھا۔

آخر آپ بتلا سکتے ہیں کہ یہ کیسی ایرانی سازش تھی جس کی باگ دوڑ عربوں کے ہاتھ میں تھی؟ جس کا سرپرست عربی خلیفہ تھا اور جس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ایسی ایسی نمایاں ترین عربی شخصیتوں نے اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ جن میں سے بعض بعض افراد کے قبیلوں کی ایران دشمنی چار دانگ عالم میں معروف تھی؟ کیا کوئی انسان جس کا دماغی توازن صحیح ہو، ایک لمحہ کے لئے بھی ایسے بدبودار افسانہ کو ماننے کے لئے تیار ہو سکتا ہے؟

دورِ اول کے بعد آئیے دورِ ثانی کے جامعینِ حدیث پر نگاہ ڈالیں۔ ان میں سرفہرست امام بخاری ہیں جن کا مسکن 'بخارا' تھا۔ بخارا ایران میں نہیں بلکہ ماوراء النہر (ترکستان) میں واقع ہے۔ دوسرے اور تیسرے بزرگ امام مسلم اور امام نسائی ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تعلق نیشاپور کے علاقے سے تھا اور نیشاپور ایران کا نہیں بلکہ خراسان کا جز تھا۔ اگر اس پر ایران کا اقتدار رہا بھی ہے تو اجنبی اقتدار کی حیثیت سے۔ چوتھے اور پانچویں بزرگ امام ابوداؤد اور امام ترمذی تھے۔ اول الذکر کا تعلق سجستان (خراسان) سے، ثانی الذکر کا تعلق ترمذ (ماوراء النہر، ترکستان) سے رہا ہے۔ چھٹے بزرگ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک طبقہ ابن ماجہ کی سنن کو صحاح ستہ میں شمار کر کے انہیں استناد کا یہ مقام دیتا ہے، دوسرا طبقہ سنن دارمی یا مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شمار کرتا ہے۔ امام ابن ماجہ یقیناً ایرانی ہیں لیکن ان کی تصنیف سب سے نیچے درجے کی ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر محدثین اسے لائق استناد ماننے کو تیار نہیں۔ آخر الذکر دونوں حضرات عربی ہیں۔ امام مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی بھی عربی ہیں۔

کیا محدثین عجمی تھے؟

یہ حقیقت اچھی طرح یاد رہے کہ جن محدثین نے احادیث کو کتابی شکل میں جمع کیا ہے، ان سب کو یا ان کی اکثریت کو عجمی قرار دینا محض فریب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج حدیث کی جو کتابیں امت میں رائج، مقبول اور متداول ہیں، چند ایک کے سوا، سب کے مصنفین [مؤلفین] عرب تھے۔ ہم ذیل میں اس طرح کے عرب محدثین کی فہرست دے رہے ہیں تاکہ واقعی حقیقت دو ٹوک طور پر واضح گاف ہو جائے:

عرب محدثین	قبیلہ
امام مالک	ذی اصح
۱۷۹ھ	



قریش	۵۲۰۴	۲۔ امام شافعیؒ
قریش	۵۲۱۹	۳۔ امام حمیدیؒ
بنو تمیم	۵۲۳۸	۴۔ امام اسحاق بن راہویہؒ
بنو شیبان	۵۲۴۱	۵۔ امام احمد بن حنبلؒ
بنو تمیم	۵۲۵۵	۶۔ امام دارمیؒ
بنو قشیر	۵۲۶۱	۷۔ امام مسلمؒ
بنو آزد	۵۲۷۵	۸۔ امام ابوداؤدؒ
بنو سلیم	۵۲۷۹	۹۔ امام ترمذیؒ
بنو تمیم	۵۲۸۲	۱۰۔ حارث بن ابی اسامہؒ
بنو آزد	۵۲۹۲	۱۱۔ امام ابوبکر بزارؒ
.....	۵۳۰۳	۱۲۔ امام نسائیؒ
بنو تمیم	۵۳۰۷	۱۳۔ امام ابویعلیٰؒ
بنو آزد	۵۳۲۱	۱۴۔ امام ابو جعفر طحاویؒ
بنو تمیم	۵۳۵۴	۱۵۔ امام ابن حبانؒ
لخم	۵۳۶۰	۱۶۔ امام طبرانیؒ
.....	۵۳۸۵	۱۷۔ امام دارقطنیؒ
بنو ضبہ	۵۴۰۵	۱۸۔ امام حاکمؒ

اس فہرست سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن محدثین کی کتابیں رائج اور مقبول ہیں ان میں ۱۸ عرب اور صرف ۴ عجمی ہیں۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی رفیق دارالمصنفین، اعظم گڑھ نے پہلی صدی ہجری میں پیدا ہونے والے محدثین سے لے کر آٹھویں صدی کے آخر تک وفات پانے والے مشہور اور صاحب تصنیف محدثین کا تفصیلی ذکر تذکرۃ الحمدین نامی کتاب کی دو جلدوں میں کیا ہے۔ ان محدثین کی کل تعداد ستر ہوتی ہے۔ جن میں سے صرف ۱۲ محدثین کے متعلق یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ عجمی تھے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کو عجمی یا ایرانی سازش قرار دینے میں کتنا وزن ہے اور یہ نعرہ کس قدر

پر فریب ہے۔

اسی کے ساتھ اگر یہ بات بھی مد نظر رہے کہ کتبِ احادیث کے لکھنے والوں میں پیشرو اور سرفہرست عرب محدثین ہیں۔ عجمی محدثین ان کے بعد ہیں۔ پھر ان عجمی محدثین نے اپنی کتابوں میں جو حدیثیں جمع کی ہیں، وہ وہی حدیثیں ہیں جنہیں ان کے پیشرو اور ہم عصر عربوں نے اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے تو مذکورہ بالا حقیقت مزید اچھی طرح بے نقاب ہو جاتی ہے۔

اب آپ بتائیے کہ آخر عربوں کے خلاف یہ کیسی سازش تھی جس کے دورِ اول کے تمام بڑے بڑے لیڈر عربی تھے اور عربوں کے بعد ترکستانی اور خراسانی تھے جو نسلاً عربی تھے۔ اور اگر عربی نہ بھی تسلیم کریں تو پھر ایرانیوں سے کدور قابت رکھتے تھے اور انہوں نے سازش کا سارا مواد اپنے پیشرو عرب لیڈروں سے حاصل کیا تھا۔ اگر بد قسمتی سے اس دور کے 'سازشی ٹولے' میں ایک آدھ ایرانی نے شریک ہو کر ان کی کفش برداری اور خوشہ چینی کی بھی تو اس کو کوئی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ یا تو اس کی تصنیف کو درجہ استناد ہی نہیں دیا گیا۔ یا دیا بھی گیا تو سب سے نچلے درجہ کا.....؟

یہ بھی بتلا دیجئے کہ آخر یہ کیسی 'ایرانی سازش' تھی کہ 'سازشی ٹولے' اور ان کے سیاسی آقاؤں کے درمیان برابر ٹھنی رہتی تھی؟ کسی کو شہر بدر کیا جا رہا ہے، کسی پر شہر کے دروازے بند کئے جا رہے ہیں، کسی کو حوالہ زنداں کیا جا رہا ہے، کسی پر کوڑے برس رہے ہیں، کسی کی زخمی پیٹھ پر زہریلے پھائے لگائے جا رہے ہیں، کسی پاؤں میں بیڑیاں پہنائی جا رہی ہیں، کسی کے کندھے اُکھڑا کر گدھے پر بٹھایا جا رہا ہے اور شہر میں گشت کرایا جا رہا ہے اور کسی کے ساتھ کچھ اور ہو رہا ہے!!

پھر 'سازشی ٹولہ' بھی کیسا ہے کہ اپنے آقاؤں سے ذرا دبتا نہیں؟ ان کے مقابل میں اکڑا ہوا ہے۔ ان کے بچوں کے لئے سپیشل کلاس لگانے پر آمادہ نہیں۔ عام درس میں نمایاں اور مخصوص جگہ دینے کو تیار نہیں۔ ان کے ہدایا اور تحائف کو پوری بے نیازی کے ساتھ ٹھکرا دیتا ہے اور ان کے دربار میں بھول کر بھی حاضر نہیں ہوتا۔ اگر کبھی حاضری کے لئے مجبور بھی کیا جاتا ہے تو وہ کھری کھری سناتا ہے کہ بلائیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ کیا یہی 'لچھن' ہوتے ہیں سازشیوں کے.....؟

آخر یہ کیسا نادان 'سازشی ٹولہ' تھا کہ جن سیاسی مصالح کے حصول کے لئے اس نے اتنی خطرناک سازش رچائی تھی، انہی سیاسی مصالح کے خلاف برسرِ پیکار رہا اور اس رستے میں جو جو مصیبتیں جھیلنی پڑیں

نہایت ہی استقلال کے ساتھ جھیلتا رہا۔

اس ایرانی سازش کا ایک اور پہلو بھی خاص دلچسپ ہے۔ اس سازشی ٹولے کی جمع کی ہوئی کتب احادیث میں ایسی احادیث بھی ہیں جن میں قبیلوں، قوموں اور ملکوں کے فضائل و مناقب یا خرابیاں اور کمزوریاں بھی بیان کی گئیں ہیں۔ اس قسم کی احادیث میں حجاز کو دین کی پناہ گاہ کہا گیا ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)۔ یمن کو ایمان و حکمت کا مرکز قرار دیا گیا ہے (ایضاً)..... شام کو اسلام کی چوٹی کی شخصیتوں کا مرکز، اللہ کی منتخب کی ہوئی زمین اور اسلام کا مستحکم قلعہ کہا گیا ہے اور اس کے لئے دعائیں کی گئی ہیں۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد)

آپ کو معلوم ہے کہ مشرق کو عموماً اور ایرانیوں کے مرکز اقتدار (عراق) کو خصوصاً، احادیث میں کیا مقام عطا ہوا ہے؟ اسے فتنہ و فساد کا مرکز اور اُجڑوں اور اکھڑوں کا مسکن قرار دیا گیا ہے۔ اس پر قدرتی آفات اور تباہیوں کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی ہے اور اسے ابلیس کی قضائے حاجت کا مقام بتلایا گیا ہے۔ (بخاری، طبرانی وغیرہ)۔ اگر ایک آدھ حدیث میں اہل ایران سے متعلق کوئی فضیلت آ بھی گئی ہے تو صرف چند افراد کے لئے رجال من ہولاء

بتائیے! آخر یہ کیسے بدھو قسم کے سازشی لوگ تھے کہ سارے فضائل و کمالات تو عطا کر دیے اپنے عرب دشمنوں کو؟ اور ساری پستی اور خرابی منتخب کر لی، اپنے لئے اور اپنے آقاؤں کے لئے؟ کیا سازش اسی طرح کی جاتی ہے؟ اور کیا ایسی ہی الٹی سیدھی تدبیروں سے سیاسی بالادستی حاصل ہوتی ہے؟

بریں عقل و دانش بباہد گریست

آئیے آپ کو ایک اور حقیقت کی طرف متوجہ کروں۔ جسے مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم، گوجرانوالہ نے لکھا ہے، لکھتے ہیں:

”پھر آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ اسلامی حکومت سرزمین حجاز سے شروع ہو کر اقطارِ عالم تک لاکھوں مربع میل زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ آپ یہ سوچیں آپ کو صلح سے کوئی ملک ملا۔ خود سرزمین حجاز میں قد قدم پر لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مکہ پر فوج کشی کی ضرورت ہوئی۔ نجد لڑائی سے ملا۔ شام، عراق، حبش، یمن کے بعض علاقوں پر لڑنا پڑا۔ سمندر کے ساحلی علاقوں پر جنگیں ہوئیں۔

آنحضرت ﷺ کو اپنی زندگی میں کم و بیش بیاسی جنگیں لڑنا پڑیں۔ پھر یہ جنگوں کا سلسلہ خلیفہ ثالث کی حکومت کے درمیانی ایام تک جاری رہا۔ پھر خلیفہ ثالث کے آخری دور سے شروع ہو کر حضرت علیؓ کا پورا زمانہ قریب قریب باہمی آویزش کی نذر رہا۔ ۴۱ھ کے بعد جوں ہی ملک میں امن قائم ہوا، خلفائے بنی اُمیہ نے شخصی کمزوریوں کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ہندوستان، اندلس، بربر، الجزائر، تمام علاقے جنگ ہی سے اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے۔

پھر آپ کے قلم اور دماغ نے سازش کا نزلہ صرف فارس پر کیوں گرایا؟ محض ملک گیری اور فتوحات کی بنا پر بغاوتیں، سازشیں تصنیف کی جاسکتی ہیں تو حجازی سازش، ہندوستانی سازش، بربری اور اندلسی سازش کیوں نہیں بنائی گئی؟ کیا شام کے یہودی معصوم، عراق اور روم کے مشرک اور عیسائی فارسیوں سے زیادہ پاک باز تھے؟ ان کی حکومتیں مسلمانوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ نہیں اُتریں؟ مصر میں اسلامی فتوحات سے قبطنی اور مصری قوموں کا وقار پامال نہیں ہوا۔ پھر آپ مصری سازش کے متعلق کیوں نہیں سوچتے؟

اگر عقل کا دیوالیہ نہیں دے دیا گیا تو اپنی فتوحات کی پوری تاریخ پر غور فرمائیے۔ چین کے سوا شاید ہی کوئی ملک ہے جہاں مسلمانوں کے خون نے زمین کو لالہ زار نہ کیا ہو۔ مغربی سمندر کے سوا حل پر آپ کی فوجیں برسوں لنگر انداز رہیں۔ ان لوگوں پر آپ کو سازش کا شبہ کیوں نہیں؟ آپ اُلٹا خود ہی ان کی سازش کا شکار ہو گئے.....!!

غزالی، ابن مکرّم، ابن عربی، ابن العربی، شاطبی، ابن حزم، یحییٰ بن یحییٰ مصمودی وغیرہم، قرطبہ اور اندلس کے علما کو سازشی نہیں کہا جاتا۔ اگر خراسان، بخارا، قزوین، ترند، نساء کے علما پر حدیث سازی کی تہمت اس لئے لگائی گئی ہے کہ ان بزرگوں نے سنت کے پرانے تذکروں، صحابہ اور تابعین کی بیاضوں اور سلف اُمت کے مسودات سے تدوین حدیث کے لئے راہیں ہموار کیں تو علمائے اندلس نے بھی سنت کی کچھ کم خدمت نہیں کی کہ شروح حدیث، فقہ الحدیث اور علوم سنت کی خدمت میں ان

بزرگوں نے لاکھوں صفحات لکھ ڈالے۔ ان خدمات کو کیوں سازش نہیں کہا گیا۔ منکرین سنت کے پورے خاندان میں کوئی عقلمند نہیں جو ان حقائق پر سنجیدگی سے غور کرے، کیا علومِ دینی اور فنونِ نبوت کی ساری داستان میں آپ کو صرف علمائے فارس ہی مجرم نظر آئے!!

من كان هذا القدر مبلغ علمه فليستتر بالصمت والكتمان“

(حدیث کی تشریحی اہمیت از مولانا محمد اسماعیل سلفی، ص ۶۹ تا ۷۱)

آئیے اس ایرانی سازش کے متعلق مولانا موصوف کے بعض اور تبصرے ملاحظہ فرماتے چلئے۔  
مولانا موصوف لکھتے ہیں:

”آج سے تقریباً ایک صدی پہلے حکومت نہ انتخابی تھی؛ نہ جمہوری نمائندگی کی سندان کو حاصل تھی۔ نہ وہ حکومتیں عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی تھیں بلکہ اس وقت کی حکومتیں شخصی ہوتی تھیں یا زیادہ سے زیادہ کوئی قوم حاکم ہو جاتی، باقی لوگ محکوم ہوتے تھے۔ اقتدار میں عوام کی جوابدہی قطعاً ملحوظ نہیں رکھی جاتی تھی۔ نہ حکومت کسی آئین کی پابند ہوتی تھی۔ بادشاہ کی رائے اور بادشاہ کا قلم پورا آئین ہوتا تھا۔ یا وہ لوگ جو بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملا کر حکومت کے منظور نظر ہو جائیں۔ ایسی حکومتوں کے ساتھ ہمدردی ذاتی ضرورتوں کی وجہ سے ہوتی تھی۔ یا بادشاہ کے ذاتی اخلاق اور کریکٹر کی وجہ سے۔ اگر کوئی انقلاب ہو جائے تو انقلاب سے ملک متاثر تو ہوتا تھا لیکن اس کی وجہ بادشاہ یا اس کے خاندان کے ساتھ ہمدردی نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ تاثر آنے والی حکومتوں کے مقاصد کی وجہ سے ہوتا۔

فارسی حکومت شخصی تھی۔ یزدگرد کی موت پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ یزدگرد کا خاندان یقیناً اس انقلاب میں پامال ہوا ہوگا۔ لیکن تاریخ اس وقت کسی ایسی سازش کا پتہ نہیں دیتی جو اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کے طور پر کی گئی ہو۔ نوشیرواں کے بعد ویسے بھی کسریٰ کی حکومت رو بہ انحطاط تھی، ان کے کردار میں عدل و انصاف کے بجائے استبداد روز بروز بڑھ رہا تھا۔ عوام کو حکومت کے ساتھ کوئی دلچسپی اور محبت نہیں تھی۔ پھر سازش کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مذہباً فارسی حکومت آتش پرست تھی۔ اسلام نے توحید کے عقیدہ کی سادگی سے یہودیت اور

عیسائیت تک کو متاثر کیا۔ بت پرستی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکی، آتش پرستی کی وہاں کیا مجال تھی۔ اسلام کی تعلیمات اس مسئلہ میں نہایت مدلل اور واضح تھیں، ان میں کوئی چیز ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اسلام کا موقف عقیدہ توحید کے معاملے میں کھلی کتاب تھا۔ وہ دوسروں کے شبہات اور اعتراضات بڑی کشادہ دلی سے سنتا تھا۔ مخالفین کے شبہات کی تردید اور اصلاح میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ نہ ہی اپنے نظریہ کو کسی پر جبراً ٹھونستا تھا، پھر اس کے خلاف کیوں سازش کی جائے..... کون کرے؟ اور کس طرح کرے؟

فارسی حکومت کا چراغ خلیفہ ثانی کی حکومت میں گل ہوا۔ یزدگرد کو خود اس کی رعایا نے قتل کیا اور اس کے خاتمہ میں مسلم عسا کر کی مدد کی۔ پھر سازش کی ضرورت کیسے ہوئی؟ فارس کی فتح کے بعد ہزاروں فارسی اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ جزیہ دیتے رہے، انہیں کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔ ان کے معبد (آتش کدے) مدتوں قائم رہے۔ جو لوگ ان سے اسلام کی طرف راغب ہوئے انہیں اسلام نے پوری ہمدردی کے ساتھ اپنی آغوش میں عزت کی جگہ دی۔

جہاں مذہب یوں آزاد ہوا اور سیاست اس طرح بے اثر، ملک کے عوام مسلمانوں کی فتوحات پر خوشیاں مناتے ہوں، جب وہ جنگی مصالح کی بنا پر کسی مقام سے پیچھے ہٹنا پسند کریں تو اس علاقہ میں صف ماتم بچھ جائے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ادارہ طلوع اسلام اور جناب اسلم جیراچپوری نے سازش کے جراثیم کو کون سی عینک سے دیکھ لیا!!

تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عدل گستری اور انصاف پسندی کی وجہ سے فارسی بالکل مطمئن ہو گئے تھے۔ فاتحین کی علم دوستی کے اثرات سے فارس کے تمام ذہین لوگ سیاست چھوڑ کر فوراً علم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس راہ میں انہوں نے آخرت کی سر بلندیوں کے علاوہ علمی دنیا میں بہت بڑا نام پیدا کیا، اور حکومت کے خلاف سازش کا ان کی زبان پر کبھی نام تک نہیں آیا۔ یہ سازش کا پورا کیس مولانا جیراچپوری کے کا شانہ اور ادارہ طلوع اسلام کے دفتر میں تیار ہوا ہے۔ واقعات کی روشنی میں اسے ثابت کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

سازش کی یہ عجیب قسم ہے کہ سازشیوں نے فاتحین کا مذہب قبول کیا۔ پھر ان کے علوم کی اس قدر خدمت کی کہ فاتحین اپنے علوم کی حفاظت سے بے فکر اور کلی طور پر مطمئن ہو گئے۔ پھر فاتحین

نے ان میں سے اکثر علوم اور علما کی سرپرستی کی۔ (مقدمہ ابن خلدون: ۵۸)

معلوم ہے کہ اموی خلفاء کے وقت شاہی درباروں میں عجمیوں کو وہ اقتدار حاصل نہ تھا جو عباسی درباروں میں برا مکہ کو حاصل ہوا۔ لیکن اُن کا دامن دین کی خدمات سے بالکل خالی تھا۔ قرآن و سنت اور دینی علوم تو بڑی بات ہے، برا مکہ سے تو عربی زبان کی بھی کوئی خدمت نہ ہو سکی۔

ہارون الرشید نے امام مالکؒ اور ان کے درس کی سرپرستی کی کوشش کی، لیکن امام مالک نے اسے بے اعتنائی سے مسترد کر دیا، روپیہ دینے کی کوشش کی تو پورے استغنا سے واپس کر دیا۔

سازش کا آخریہ مقصد ہو سکتا تھا کہ شاہی دربار تک رسائی ہو، مال و دولت اور حکومت میں حصہ ملے، اب دربار خود در دولت پر حاضر ہوتا ہے، اپنی ساری بلندیاں چھوڑ کر پورے انکسار، انتہائی احترام سے خزانوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ تھیلیاں باادب پیش ہوتی ہیں، اور سازشی ہیں کہ نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

بادشاہ عرض کرتے ہیں تشریف لے چلے، آنکھیں فرشِ راہ ہوں گی، فارسی سازش کے سرغنہ یا فن حدیث کے سالارِ قافلہ فرماتے ہیں: "والمدينة خیر لہم لو كانوا یعلمون" مطلب یہ کہ اس بڑے دربار سے علیحدگی میرے لئے ناممکن ہے۔

پھر سازشیوں کا یہ پورا گروہ مختلف عجمی ممالک سے ہزاروں میل سفر طے کر کے مدینہ منورہ پہنچ کر امام کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے پیش ہوتا ہے اور کوئی سوچتا نہیں کہ شیخ عرب ہے، یہ عجمی النسل کہیں پوری سازش کا راز فاش نہ کر دے۔

عرب استاد کے عجمی شاگرد مدتوں استفادہ کرتے ہیں اور انہیں علوم کا درس ہوتا ہے۔ ساتھی ساتھی پر جرح کرتا ہے۔ ایک دوسرے کی کمزوریوں کے کھلے بندوں تذکرے ہوتے ہیں۔ عرب محدثین عجمی علما پر تنقید کرتے ہیں، عجمی اہل عرب کے نقائص کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لیکن اس سازش کا سراغ جس کے اختراع کا سہرا 'طلوع اسلام' کے دفتر پر ہے، نہ کسی عرب کو لگا، نہ کسی عجمی کو۔ نہ استاد نے اسے محسوس کیا نہ شاگرد نے نہ ساتھی نے!!

پھر تعجب یہ ہے کہ فارس کی فتح پہلی صدی کے اوائل میں ہوئی اور اس سازش کا منصوبہ تیسری صدی میں بنایا گیا۔ تقریباً پورے دو سو سال فارسی بے وقوف آرام کی نیند سوتے رہے۔ یعنی

جب شکست کا درد اور کوفت تازہ تھی، اس وقت تو فارسیوں کو کوئی احساس نہ ہوا۔ لیکن تین سو سال کے بعد درد کی بے قراریاں انگڑیاں لینے لگیں اور فارسی سازشیوں نے بخاری، مسلم اور کتب صحاح کی صورت اختیار کر لی۔ فیما للعقول و اربابہا

پھر اتنی بڑی سازش جس نے اسلامی اور تعلیمی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، دنیا کے مسلم اور غیر مسلم مورخوں کی آنکھیں بے کار ہو گئیں، قلم ٹوٹ گئے اور زبانیں گنگ؟..... ان کی ضخیم کتابیں اس عظیم الشان سازش کے تذکرے سے یکسر خالی ہیں۔ یہ راز سب سے پہلے یورپ کے ملحد مکتشفین پ رکھلا اور اس کے بعد دفتر طلوع اسلام کے در یوزہ گروں نے کچھ ہڈیاں مستعار لے لیں۔ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ“

(حدیث کی تشریحی اہمیت: ص ۴۲ تا ۴۹)

ہماری ان گذارشات سے واضح ہو گیا کہ ایرانی سازش کا جو شاخسانہ آپ کے رہنماؤں نے چھوڑا ہے وہ کوئی 'ٹھوس حقیقت' نہیں بلکہ ایک 'بدبودار افسانہ' ہے۔ جس نے اسلام کے دانا دشمن یہودی مستشرق گولڈزیہر اور اس کے رفقا کی کوکھ سے جنم لیا ہے اور حافظ اسلم، مسٹر پرویز اور پاکستان کے کچھ بے علم یا محدود العلم کلرکوں کی گود میں پل کر جوان ہوا ہے۔ اور اب آپ جیسے 'محقق' حضرات اسے عام مسلمانوں کے حلق میں ٹھونسنے کے لئے اپنے 'سرمایہ تحقیقات' کی حیثیت سے اس کی نمائش کرتے پھر رہے ہیں۔

خیر جناب! 'سازشی ٹولے' نے پہلی صدی میں اپنی 'سازش' کا آغاز کیا اور تیسری صدی کے اخیر تک مکمل کر لیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اب ہزار برس بعد یعنی اب سے کوئی اسی برس پہلے آپ حضرات کے ہوش و حواس نے انگڑائی لی اور یہودی و صلیبی مستشرقین کی خرد بین لگا کر آپ حضرات نے یہ انکشاف کیا کہ یہ امت تو اپنے آغاز سے اب تک 'ایرانی سازش' کا شکار ہے۔ یہ انکشاف بڑی دیر سے ہو سکا۔ اب یہ آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکا ہے۔ اس کی حیثیت مشت بعد از جنگ کی ہے۔ اس لئے اسے شیخ سعدی کے مشورہ کے مطابق آپ اپنے ہی کلمے پر مار لیجئے۔ اتنی دیر کے بعد ایسے فوجداری مقدمات کی تفتیش نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی دانشمند اس موضوع پر سوچنے کی کوشش کر سکتا ہے!!



## روایتوں کے متفرق اور متضاد ہونے کی حقیقت

آپ نے روایتوں کو متفرق اور متضاد لکھا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلم آپ سے یہ سوال کر بیٹھے کہ آپ کا قرآن ابتداءً متفرق تھا یا مجتمع؟ اور اگر مجتمع تھا تو کس لوح پر، وہ لوح کہاں ہے؟ اسے کس نے دیکھا ہے؟ اور اس بات کی شہادت کیا ہے کہ انہوں نے دیکھا ہے؟ پھر یہ شاہدین قابل اعتبار تھے بھی یا نہیں؟ انہوں نے اپنی شہادت کن کن لوگوں کے سامنے ادا کی؟ پھر ان لوگوں کی حیثیت کیا تھی؟ وہلم جبراً، اگر آپ کے سامنے ایسے سوالات پیش کر دیئے جائیں تو آپ کیا جواب دیں گے؟ حدیث تو خیر فلاں نے فلاں سے اور فلاں نے فلاں سے کے واسطے سے حضور ﷺ تک پہنچ بھی جاتی ہے۔ مگر آپ لوح قرآن کے لئے تو اتنا بھی ثبوت فراہم نہیں کر سکتے۔

باقی رہا تضاد کا معاملہ تو یہ محض ایک ہوا ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ صحیح احادیث میں کوئی تضاد نہیں۔ ظاہر بنی کے لحاظ سے اگر آپ حضرات نے کچھ مثالیں فراہم کر لی ہیں تو ایسی مثالیں قرآن کے نہ ماننے والوں نے خود قرآن سے فراہم کی ہیں تو کیا آپ تسلیم کر لیں گے کہ (نعوذ باللہ) قرآن میں بھی تضاد ہے؟ پھر آپ حضرات اپنی 'تدبر فی القرآن' کی مخصوص صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآنی آیات کا جیسا کچھ مفہوم سمجھتے ہیں، ان کے لحاظ سے تو قرآن مجید تضاد سے بھرنا نظر آئے گا۔ مثال دیکھنی ہو تو پچھلے اوراق پلٹ لیجئے (اور اگلے صفحات میں بھی ملاحظہ فرمائیے گا) ظن کی بحث میں آپ کی پیش کردہ جن قرآنی آیات پر ہم نے بحث کی ہے، وہ سب کی سب آپ کے بتلائے ہوئے مفہوم کے اعتبار سے خود قرآن ہی کی دوسری آیات سے ٹکرا رہی ہیں۔

## روایات کی کتابت میں تاخیر

آپ کو اس کا بھی ادعا ہے کہ روایتیں کتابت میں آنے سے پہلے زید، عمرو، بکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کر رہی تھیں، اور قید کتابت میں آنے کے بعد اس پر 'صحیح' کا لیبل چسپاں کر دیا گیا۔ ان کی حیثیت نیم تاریخی مواد کی ہے..... وغیرہ

مجھے آپ لوگوں کی جرأت پر حیرت ہے۔ جن حوالوں کی بنیاد پر آپ قید کتابت کی تاریخ متعین کرتے یا کر سکتے ہیں، انہی حوالوں کی رو سے یہ بات بالکل صاف اور قطعی طور پر عیاں ہے کہ احادیث کے قید کتابت میں آنے سے پہلے صرف دو طبقے پائے جاتے ہیں: ایک صحابہ کرام کا طبقہ اور دوسرا تابعین

عظام کا۔ پہلا طبقہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے 'والذین معہ' سے تعبیر کیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جن کی عملی معیت کو شامل کر کے آپ دین کو مکمل مان رہے ہیں اور دوسرا طبقہ ان کے تربیت یافتگان کا ہے جسے قرآن نے 'وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ' (التوبہ: ۱۰۰) سے تعبیر کیا ہے۔ کیا قرآن کے یہ دونوں مقدس طبقے آپ کی نگاہ میں ایسے ہی ایرے غیرے، نھو خیرے قسم کے ہیں کہ آپ انہیں زید عمرو بکر جیسی اہانت آمیز تعبیر کا نشانہ بنائیں، اور اقوال و افعال رسول کے متعلق ان کی روایت اور بیان کو ایک کافر کی بے سند تاریخی روایت کے برابر بھی نہ سمجھیں؟ تفویہ تو اے چرخ گرداں تفویہ!

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جن کتابوں اور حوالوں کی بنیاد پر آپ حضرات نے یہ شگوفہ چھوڑا ہے کہ جن حدیثوں پر 'صحیح' کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے، وہ حدیثیں قید کتابت میں آنے سے پہلے زید، عمرو، بکر کی زبانوں پر بے روک ٹوک گشت کرتی تھیں اور قصہ گو یوں، داستان سراؤں اور واعظوں کی گھڑی ہوئی ہیں ان کتابوں اور حوالوں سے آپ حضرات اپنا دعویٰ قطعاً ثابت نہیں کر سکتے۔ ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا

ان کتابوں اور حوالوں سے جو کچھ سمجھا جاسکتا ہے، وہ یہی ہے کہ اُسوۂ رسول، صحابہ کرام کے درمیان عملاً بھی محفوظ تھا اور قولاً بھی۔ اور اس کے بعد والے طبقوں تک منتقل ہوا۔ پھر تدوین حدیث کے زمانے میں کچھ لوگوں نے اپنے مختلف النوع اغراض کے لئے حدیثیں گھڑیں اور کوشش کی کہ اپنی گھڑی ہوئی احادیث کو اُسوۂ رسول یعنی صحیح احادیث کے ساتھ گڈڈ کر کے اپنے دیرینہ مقاصد کو حاصل کر لیں۔ مگر وہ اس میں بری طرح ناکام ہوئے۔ شیعوں نے اہل بیت کے سیاسی تفوق کے لئے حدیثیں گھڑیں۔ اباحیت پسندوں نے اپنی راہ ہموار کرنے کے لئے اور عقلیت پسندوں نے اپنی عقلیت کو وجہ جواز فراہم کرنے کے لئے۔ گھڑنے والوں نے اپنی جعلی احادیث کی ترویج کا طریقہ یہ سوچا کہ کچھ مشہور اصحاب حدیث کی صحیح اور قوی سندوں سے ان جعلی احادیث کو روایت کریں تاکہ کسی کو ان کی صحت میں شک نہ ہو۔ لیکن جوں ہی یہ روایتیں اہل علم کے سامنے آئیں، گھڑنے والے پکڑے گئے۔ کیونکہ کسی بھی بڑے محدث کے ہزاروں شاگرد ہوا کرتے تھے۔ اب ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص اس محدث سے ایسی حدیث روایت کرے جو ان ہزاروں شاگردوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہ ہو اور وہ اس پر بھی اس کا اعتبار کر لیں۔ ایسے راوی پر فوراً جرح شروع ہوتی تھی۔ پچیسویں تنقیحات ایسی تھیں کہ کسی جعل ساز کے لئے

نکل بھاگنے کی کوئی راہ باقی نہ بچتی۔ تھوڑی سی زد و خورد کے بعد اسے ہتھیار ڈال دینے پڑتے اور اپنی جلسازی کا اقرار کر لینا پڑتا۔

محدثین نے حدیث کی صحت پر کھنے کے لئے ایسے سخت اصول و ضوابط بنائے اور ایسا کڑا معیار مقرر کیا کہ دنیا آج تک اس کی نظیر نہ لاسکی۔ کوئی دس لاکھ افراد کی زندگیاں کھنگال کر رکھ دیں۔ پھر جملہ افراد کو اس کسوٹی پر پرکھ کر کھرا کھوٹا الگ کر دکھایا۔

تدوینِ حدیث کے تیسرے اور چوتھے دور میں ان جعلی احادیث کا ذخیرہ بھی تالیفی شکل میں باقاعدہ علیحدہ کر دیا گیا، تاکہ راہِ حق کے راہرو کے لئے کسی بھی مرحلہ میں مشکل پیش نہ آسکے!!  
یہ ہے کہ واقعہ کی اصل صورت جو ان کتابوں اور حوالوں سے مستفاد ہوتی ہے جن کی بنیاد پر آپ حضرات نے ایرانی سازش کا بدبودار افسانہ تیار کیا ہے۔ اگر آپ کا ایمان بالقرآن آپ کو صدق و دیانت کی اجازت دیتا ہے تو واقعہ کو اس کی حقیقی صورت میں پیش کیجئے اور قبول کیجئے، ورنہ اپنے دعویٰ کی دلیل لائیے.....!!

آپ کے استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے کہ کسی گھر میں چور گھس جائے تو آپ گھر والے ہی کو چور کہنے لگیں اور جب آپ سے ثبوت مانگا جائے تو آپ فرمائیں کہ ثبوت یہ ہے کہ اس کے گھر میں چور گھسے تھے، یا کوئی پولیس پارٹی ڈاکوؤں کو گرفتار کر لائے تو آپ پولیس پارٹی ہی کو ڈاکو کہیں اور ثبوت یہ پیش کریں کہ انہوں نے ڈاکوؤں کو گرفتار کیا ہے۔

جناب والا! محدثین نے جعل سازوں سے کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے اور نہ اپنے ذخیرے میں ان کی روایات کو درآئے دیا ہے؛ بلکہ ان کی جعل سازی پکڑ کر لوگوں کو بتلایا ہے کہ فلاں نے فلاں سے روایتیں گھڑی ہیں۔ اس فرض شناسی پر خود محدثین اور ان کی روایتیں آخر مورد الزام کیسے ٹھہر گئیں۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بواجبی ست

آپ نے ذرا آگے چل کر اسی سلسلے میں اناجیل اربعہ کی استنادی حیثیت کی کمزوری بھی بطور شہادت پیش کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ذہن پر یہ ضابطہ کا بوس بن کر مسلط ہو چکا ہے کہ کوئی بھی واقعہ اسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب کہ وہ علی الفور قید کتابت میں آچکا ہو۔ صرف چند برسوں کی تاخیر بھی اسے مشکوک بلکہ ناقابل قبول بنا دینے کے لئے کافی ہے، اگرچہ درمیان کے ناقلین

اور رواۃ کتنے ہی زیادہ مستند اور قابلِ اعتماد کیوں نہ ہوں، بلکہ خود واقعہ کے عینی شاہد ہی نے اسے کیوں نہ قلم بند کیا ہو۔

میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ کا یہ ضابطہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر قرآن مجید کی استنادی حیثیت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ قرآن مجید میں گذشتہ اقوام (قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ مدین و اصحابِ الایکہ، قومِ ابراہیم، قومِ لوط، قومِ سبا وغیرہ وغیرہ) کے واقعات ان کے وقوع کے ہزار ہا ہزار برس کے بعد قلم بند کئے گئے ہیں۔ پھر آپ کے مذکورہ بالا اصول کی رو سے انہیں کیونکر مستند تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ ایک دشمنِ اسلام بالکل آپ ہی کے لب و لہجہ اور اندازِ گفتگو میں کہہ سکتا ہے کہ یہ سارے واقعات عربِ قصہ گو اور داستانِ سرا اپنی شبانہ محفلوں، قومی میلوں اور بازاری اجتماعات میں دارا و سکندر اور رستم و اسفندیار کے قصوں کی طرح گرمیِ محفل کے لئے بیان کیا کرتے تھے۔ یہ محض عرب کی دیومالائی کہانیوں کا حصہ تھے، ان کی کوئی حیثیت و اہمیت نہ تھی۔ بلکہ یہ زید، عمرو، بکر کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کیا کرتے تھے، لیکن ہزاروں برس بعد جب قرآن نے انہی قصوں کو قانونِ قدرت کے تاریخی تسلسل کی شہادت کی حیثیت سے پیش کیا تو کلامِ الہی بن گیا جس پر ایمان لانا واجب قرار پا گیا اور جس کا انکار کرنا کفر ٹھہر گیا۔ بھلا ان قصوں کا کیوں کراہت قرار کیا جائے جو ہزار ہا برس تک قصہ گو یوں اور داستانِ سراؤں کا موضوعِ سخن بنے رہے، ہر کہ و مہ کی زبان پر بے روک ٹوک گشت کرتے رہے اور جنہیں ان کے وقوع کے ہزار ہا برس بعد ایک نبوت کے دعویدار نے قیدِ کتابت میں لا کر وحیِ الہی اور دینِ ایمان کا جزو قرار دے دیا۔

بتائیے! اگر آپ کے سامنے دشمنِ اسلام یہ سوال پیش کر دے تو آپ اپنے مذکورہ بالا اصول پر قائم رہتے ہوئے کیا جواب دے سکتے ہیں؟ اور اگر قرآن کی استنادی حیثیت ماننے اور منوانے کے سلسلے میں آپ اس اصول کے پابند نہیں تو حدیث کی استنادی حیثیت کے معاملے میں اس اصول کی پابندی پر آپ کو اصرار کیوں ہے.....؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو محفوظ، مستند اور قابلِ اعتماد قرار دینے کے لئے اس کا قیدِ کتابت میں آیا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی یہ اصول اور معیار ہی سرے سے غلط ہے کہ اگر کوئی بات اپنے وقوع کے وقت قیدِ کتابت میں آگئی تو قابلِ اعتماد ہوگی، ورنہ نہیں۔ اس لئے یہ خیال صحیح نہیں کہ قرآن اس لئے

قابل اعتماد و استناد ہے کہ وہ لکھوایا گیا تھا۔ اور احادیث اس لئے قابل اعتماد و استناد نہیں کہ وہ عہد رسالت اور عہد خلافت میں لکھوائی نہیں گئی تھیں۔ بلکہ اس سلسلہ میں معاملہ کی جو صحیح نوعیت ہے، اسے ذیل کے الفاظ میں سنئے:

”اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن کو جس وجہ سے لکھوایا گیا، وہ یہ تھی کہ اس کے الفاظ اور معنی دونوں من جانب اللہ تھے۔ اس کے الفاظ کی ترتیب ہی نہیں، اس کی آیتوں کی ترتیب اور سورتوں کی ترتیب بھی اللہ کی طرف سے تھی۔ اس کے الفاظ کو دوسرے الفاظ سے بدلنا بھی جائز نہ تھا۔ اور وہ اس لئے نازل ہوا تھا کہ لوگ انہی الفاظ میں اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔ اس کے مقابل میں سنت کی نوعیت بالکل مختلف تھی، وہ محض لفظی نہ تھی بلکہ عملی بھی تھی، اور جو لفظی تھی، اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح بذریعہ وحی نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ حضور نے اس کو اپنی زبان میں ادا کیا تھا۔ پھر اس کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جسے حضور کے ہمعصروں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا تھا۔ مثلاً یہ کہ حضور کے اخلاق ایسے تھے، حضور کی زندگی ایسی تھی، اور فلاں موقع پر حضور نے یوں عمل کیا۔

حضور کے اقوال و تقریریں نقل کرنے کے بارے میں بھی یہ پابندی نہ تھی کہ سننے والے انہیں لفظ بلفظ نقل کریں۔ بلکہ اہل زبان سامعین کے لئے یہ جائز تھا اور وہ اس پر قادر بھی تھے کہ آپ سے ایک بات سن کر معنی و مفہوم بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ میں بیان کر دیں۔ حضور کے الفاظ کی تلاوت مقصود نہ تھی بلکہ اس تعلیم کی پیروی مقصود تھی جو آپ نے دی ہو۔ احادیث میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کی طرح یہ ترتیب محفوظ کرنا بھی ضروری نہ تھا کہ فلاں حدیث پہلے ہو اور فلاں اس کے بعد۔ اس بنا پر احادیث کے معاملے میں یہ بالکل کافی تھا کہ لوگ اسے یاد رکھیں اور دیانت کے ساتھ انہیں لوگوں تک پہنچائیں۔ ان کے معاملے میں کتابت کی وہ اہمیت نہ تھی جو قرآن کے معاملے میں تھی۔

دوسری بات جسے خوب سمجھ لینا چاہئے، یہ ہے کہ کسی چیز کے سند اور حجت ہونے کے لئے اس کا لکھا ہوا ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ اعتماد کی اصل بنیاد اس شخص یا ان اشخاص کا بھروسے کے قابل ہونا ہے جس کے یا جن کے ذریعہ سے کوئی بات دوسرے تک پہنچے، خواہ وہ مکتوب ہو یا غیر مکتوب۔

خود قرآن کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لکھوا کر نہیں بھیجا بلکہ نبی کی زبان سے اس کو بندوں تک پہنچایا۔ اللہ نے پورا انحصار اس بات پر کیا کہ جو لوگ نبی کو سچا مانیں گے، وہ نبی کے اعتماد پر قرآن کو ہمارا کلام مان لیں گے۔ نبی ﷺ نے بھی قرآن کی جتنی تبلیغ و اشاعت کی، زبانی ہی کی۔ آپ کے جو صحابہ مختلف علاقوں میں جا کر تبلیغ کرتے تھے، وہ قرآن کی سورتیں لکھی ہوئی نہ لے جاتے تھے۔ لکھی ہوئی آیات اور سورتیں تو اس تھیلے میں پڑی رہتی تھیں جس کے اندر آپ ﷺ انہیں کاتبانِ وحی سے لکھوا کر ڈال دیا کرتے تھے۔ باقی ساری تبلیغ و اشاعت زبان سے ہوتی تھی اور ایمان لانے والے اس ایک صحابی کے اعتماد پر یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ جو کچھ وہ سنا رہا ہے، وہ اللہ کا کلام ہے یا رسول اللہ ﷺ کا جو حکم وہ پہنچا رہا ہے، وہ حضور ہی کا حکم ہے۔

تیسرا اہم نکتہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ لکھی ہوئی چیز بجائے خود کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتی، جب تک کہ زندہ اور قابل اعتماد انسانوں کی شہادت اس کی توثیق نہ کرے۔ محض لکھی ہوئی کوئی چیز اگر ہمیں ملے اور ہم اصل لکھنے والے کا خط نہ پہچانتے ہوں، یا لکھنے والا خود نہ بتائے کہ یہ اسی کی تحریر ہے، یا ایسے شواہد موجود نہ ہوں جو اس امر کی تصدیق کر دیں کہ یہ تحریر اسی کی ہے جس کی طرف منسوب کی گئی ہے تو ہمارے لئے محض وہ تحریر یقینی کیا معنی، ظنی حجت بھی نہیں ہو سکتی..... یہ ایک اصولی حقیقت ہے جسے موجودہ زمانے کا قانون شہادت بھی تسلیم کرتا ہے اور فاضل حج خود اپنی عدالت میں اس پر عمل فرماتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کے محفوظ ہونے پر ہم جو یقین رکھتے ہیں، کیا اس کی بنیاد یہی ہے کہ وہ لکھا گیا تھا؟ کاتبینِ وحی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے صحیفے جو حضور نے املا کرائے تھے، آج دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ اگر موجود ہوتے تو بھی آج کون یہ تصدیق کرتا کہ یہ وہی صحیفے ہیں جو حضور نے لکھوائے تھے۔ خود یہ بات بھی کہ حضور اس قرآن کو نزولِ وحی کے ساتھ ہی لکھوا لیا کرتے تھے، زبانی روایات ہی سے معلوم ہوئی ہے، ورنہ اس کے جاننے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔ پس قرآن کے محفوظ ہونے پر ہمارے یقین کی اصل وجہ اس کا لکھا ہوا ہونا نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ زندہ انسان زندہ انسانوں سے مسلسل اس کو سنتے اور آگے زندہ انسانوں تک اسے پہنچاتے چلے آ رہے ہیں۔ لہذا یہ خیال ذہن سے نکال دینا چاہئے کہ کسی چیز کے محفوظ ہونے کی

واحد سبیل اس کا لکھا ہوا ہونا ہے۔

ان امور پر اگر فاضل حج اور ان کی طرح سوچنے والے حضرات غور فرمائیں تو انہیں یہ تسلیم کرنے میں ان شاء اللہ کوئی زحمت پیش نہ آئے گی کہ اگر معتبر ذرائع سے کوئی چیز پہنچے تو وہ سند بننے کی پوری قابلیت رکھتی ہے خواہ وہ لکھی نہ گئی ہو۔

تمام منکرین حدیث بار بار قرآن کے لکھے جانے اور حدیث کے نہ لکھے جانے پر اپنے دلائل کا دارومدار رکھتے ہیں۔ لیکن یہ بات کہ حضور اپنے زمانے میں کاتبانِ وحی سے نازل شدہ وحی لکھوا لیتے تھے۔ اور اس تحریر سے نقل کر کے حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں قرآن کو مصحف کی شکل میں لکھا گیا، اور بعد میں اسی کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے شائع کیں، یہ سب کچھ محض حدیث کی روایات ہی سے دنیا کو معلوم ہوا ہے، قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نہ حدیث کی روایات کے سوا اس کی کوئی دوسری شہادت دنیا میں کہیں موجود ہے۔ اب اگر حدیث کی روایات سرے سے قابل اعتماد ہی نہیں تو پھر کس دلیل سے دنیا کو آپ یقین دلائیں گے کہ فی الواقع قرآن حضور کے زمانے میں لکھا گیا تھا؟

کسی کا یہ کہنا کہ عہدِ نبوی کے رواجات، روایات، نظائر، فیصلوں، احکام اور ہدایات کا پورا ریکارڈ ہم کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب شدہ ملنا چاہئے تھا، درحقیقت ایک خالص غیر عملی طرزِ فکر ہے اور وہی شخص یہ بات کہہ سکتا ہے جو خیالی دنیا میں رہتا ہو۔ آپ قدیم زمانے کے عرب کی حالت چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے آج اس زمانے کی حالت کو لے لیجئے جب کہ احوال و مواقع کو ریکارڈ کرنے کے لئے ذرائع بے حد ترقی کر چکے ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ اس زمانے میں کوئی لیڈر ایسا موجود ہے جو ۲۳ سال تک شب و روز کی مصروف زندگی میں ایک عظیم الشان تحریک برپا کرتا ہے۔ ہزاروں افراد کو اپنی تعلیم و تربیت سے تیار کرتا ہے۔ ان سے کام لے کر ایک پورے ملک کی فطری، اخلاقی، تمدنی اور معاشی زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔ اپنی قیادت و رہنمائی میں ایک نیا معاشرہ اور ایک نئی ریاست وجود میں لاتا ہے۔ اس معاشرے میں اس کی ذات ہر وقت ایک مستقل نمونہ ہدایت بنی رہتی ہے۔ ہر حالت میں لوگ اس کو دیکھ دیکھ کر یہ سبق لیتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ ہر طرح کے لوگ شب و روز اس سے ملتے رہتے ہیں اور وہ ان کو

عقائد و افکار، سیرت و اخلاق، عبادات و معاملات، غرض ہر شعبہ زندگی کے متعلق اصولی ہدایات بھی دیتا ہے اور جزئی احکام بھی۔ پھر اپنی قائم کردہ ریاست کا فرمانروا، قاضی، شارع، مدبر اور سپہ سالار بھی تھا وہی ہے۔ اور دس سال تک اس مملکت کے تمام شعبوں کو وہ خود اپنے اصولوں پر قائم کرتا اور اپنی رہنمائی میں چلاتا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آج اس زمانے میں یہ سارا کام کسی ایک ملک میں ہو تو اس کا ریکارڈ ایک کتاب کی شکل میں مرتب ہو سکتا ہے؟

کیا ہر وقت اس لیڈر کے ساتھ ٹیپ ریکارڈ لگا رہ سکتا ہے؟ کیا ہر آن فلم کی مشین اس کی شبانہ روز نقل و حرکت ثبت کرنے میں لگی رہ سکتی ہے؟ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کیا آپ کہیں گے کہ وہ ٹھپا جو اس لیڈر نے ہزاروں لاکھوں افراد کی زندگی پر، پورے معاشرے کی ہیئت اور پوری ریاست کے نظام پر چھوڑا ہے، سرے سے کوئی شہادت ہی نہیں ہے جس کا اعتبار کیا جاسکے؟ کیا آپ یہ دعویٰ کریں گے کہ اس لیڈر کی تقریر سننے والے، اس کی زندگی دیکھنے والے، اس سے ربط و تعلق رکھنے والے بے شمار افراد کی رپورٹیں سب کی سب ناقابل اعتماد ہیں، کیونکہ خود اس لیڈر کے سامنے وہ 'ایک کتاب' کی شکل میں مرتب نہیں کی گئیں اور لیڈر نے ان پر اپنے ہاتھ سے مہر تصدیق ثبت نہیں کی؟ کیا آپ فرمائیں گے کہ اس کے عدالتی فیصلے اور اس کے انتظامی احکام، اس کے قانونی فرامین، اس کے صلح و جنگ کے معاملات کے متعلق جتنا مواد بھی بہت سی مختلف صورتوں میں موجود ہے، اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک 'جامع و مانع کتاب' کی شکل میں تو ہے ہی نہیں؟

(ترجمان القرآن: منصب رسالت نمبر، ص ۳۳، ۳۴، ۱۶۳، ۳۳۶، ۳۳۸)

اس وضاحت کے بعد یہ بھی عرض ہے کہ آپ ذخیرہ حدیث کوفن تاریخ کے معیار پر پورا اترتا ہوا تسلیم نہیں کرتے، اس لئے آپ کو چیلنج ہے کہ آپ دنیا کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ معیار تاریخ کو معیار حدیث کے ہم پلہ ہی ثابت کر دیجئے، صرف بڑا بول بول دینا کوئی کمال نہیں!!

الزام تراشی اور نگاری کلامی کے الزام کی حقیقت

آپ نے منکرین حدیث کا اندازِ ادعا بلکہ اندازِ افترا اختیار کرتے ہوئے حدیث کے ایک اور 'تاریک پہلو' کی نشاندہی کی ہے جسے آپ کے بقول 'اسلامی تاریخ' کا 'المیہ' کہنا چاہئے کہ حدیث کے



مجموعوں میں ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جو الزام تراشی، دروغ بانی، اور 'فحش نگاری' کا مرقع ہیں۔ اور اس 'بکثرت' کی مقدار خود آپ لوگوں کی نشاندہی کے مطابق ایک فیصدی بھی نہیں۔ کیا اسی کو 'بکثرت' کہا جاتا ہے؟ پھر جہاں تک 'دروغ بانی' کا سوال ہے تو حقیقت کھل چکی ہے۔ جب تک آپ یہودی مستشرقین کی خرد بین لگا کر دیکھیں گے، یرقان کے مریض کی طرح آپ کو ہر طرف دروغ ہی دروغ نظر آئے گا کیونکہ یہ مرض آپ کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ آپ حقیقت پسندی اختیار کریں۔ اور معاملہ کو اس کی صحیح اور اصل شکل میں ملاحظہ فرمائیں۔ ورنہ جب تک آپ گھر کے مالک اور محافظ کو چور اور پولیس پارٹی کو ڈاکو سمجھیں گے، آپ کو اس بیماری سے نجات نہیں مل سکتی۔ باقی رہا 'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' کا دعویٰ تو یہ بھی سراسر زبردستی ہی ہے۔ آپ کے اشارے یا تو ان روایات کی طرف ہیں جن کے جھوٹ ہونے کی قلعی خود محمد شین نے کھول دی ہے۔ لیکن آپ کمال ڈھٹائی سے ان چوری پکڑنے والوں ہی کو چور کہہ رہے ہیں یا پھر آپ نے ایسی باتوں کو الزام تراشی اور 'فحش نگاری' قرار دے دیا ہے جن کی نظیریں خود قرآن میں موجود ہیں۔ تو کیا (نعوذ باللہ) آپ قرآن میں 'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' تسلیم کریں گے؟ اگر نہیں تو پھر حدیث اور روایات کی ویسی ہی باتوں کو آپ 'الزام تراشی' اور 'فحش نگاری' قرار دینے پر کیوں تلے بیٹھے ہیں؟ آپ نے جن روایات کی طرف اشارہ کیا ہے، آئیے انہیں میں سے ایک آدھ سے اس کی توضیح کرتے ہیں:

آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیا ہے۔ ان کی بابت صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں تین کذبات کا ارتکاب کیا ہے۔ کذب، جھوٹ، غلط اور خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں۔ صحیح بخاری کی یہ روایت سنتے ہی آپ حضرات بھی، اور قائلین حدیث میں سے بعض عقلیت پسند بھی سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ لیکن آئیے ذرا سنجیدگی سے اس روایت پر غور کریں!!

اس روایت میں جن تین کذبات کا انتساب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیا گیا ہے، ان میں سے دو کی تفصیلات خود قرآن میں مذکور ہیں۔ قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے باتیں کر رہے تھے۔ اچانک انہوں نے تاروں پر ایک نظر ڈالی اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔ قوم چلی گئی اور حضرت ابراہیم نے جھٹ اٹھ کر ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ قوم نے واپس آ کر معاملے کی تفتیش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا

کہ یہ تمہاری حرکت ہے؟ انہوں نے کہا: بلکہ اس بڑے بت نے یہ حرکت کی ہے، اگر تمہارے یہ معبود بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو..... الخ

اس میں دو باتیں قابل غور ہیں: (۱) ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کا عذر جس سیاق و سباق میں کیا تھا، اس کا منشا یا تو یہ تھا کہ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لائق نہیں۔ یا یہ کہ بیماری کے سبب میرے لئے بات چیت کرنی مشکل ہے۔ لیکن جوں ہی قوم ہٹی، وہ جھٹ اٹھے اور بتوں پر پل پڑے۔ اگر واقعتاً وہ ایسے ہی بیمار تھے جیسی بیماری کا اظہار فرمایا تھا تو کیا وہ بت خانے تک پہنچ سکتے تھے؟ اور بتوں کو توڑ سکتے تھے؟ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے بت شکنی کا الزام بڑے بت پر عائد کیا۔ کیا واقعتاً اسی نے باقی بتوں کو توڑا تھا؟ یقیناً نہیں۔ ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دونوں باتیں خلاف واقعہ کہی تھیں، جسے عربی زبان میں 'کذب' کہتے ہیں۔

تیسرے واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ

ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سارہ کے ہمراہ ایک جابر حکمراں کے علاقے سے گزرے۔ وہ حکمراں خوبصورت عورتیں چھین لیتا تھا۔ اگر ساتھ میں شوہر ہوتا تو قتل کر دیا جاتا تھا۔ حضرت سارہ کو بھی اس حکمراں نے طلب کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم مجھے اپنا بھائی ظاہر کرنا۔ متعدد مآخذ میں اس کی وضاحت بھی ہے کہ حضرت سارہ کچھ دور کے تعلق سے حضرت ابراہیم کی بہن ہوتی تھی؛ یوں بھی وہ دینی بہن تھیں۔ لیکن جس سیاق میں وہ اپنے آپ کو بہن کہتیں، اس سے سننے والا یہ سمجھتا کہ وہ حقیقی بہن ہیں۔ اس لئے یہ بات خلاف واقعہ ہوئی۔

یہ تینوں معاملے ایک اور پہلو سے بھی قابل غور ہیں۔ پہلے اور دوسرے موقع پر خلاف واقعہ بولے بغیر بھی مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہہ سکتے تھے کہ آج مجھے معاف رکھیں، میں آپ حضرات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسی طرح وہ بڑے بت کا نام لئے بغیر کہہ سکتے تھے کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ اپنے ان معبودوں سے پوچھ لو، اگر بولتے ہوں۔ لیکن تیسرا موقع بڑا نازک تھا۔ بیوی اور جان دونوں خطرے میں تھے۔ ایسی صورت میں قرآن نے ارتکاب کفر کی اجازت دی ہے: **إِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ** اس لئے یہ تیسرا واقعہ بھی قرآن کی نگاہ میں معیوب نہیں۔

یہ ہے ان تین کذبات کا خلاصہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں سے

پہلے دو کی نسبت خود قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی ہے۔ صحیح بخاری میں ان کا صرف حوالہ دیا گیا ہے۔ البتہ تیسرا واقعہ صرف صحیح بخاری میں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ اس نسبت کو الزام تراشی اور دروغ بانی کا مرتع قرار دے رہے ہیں تو آپ کے اس الزام کا صرف ۳۱ حصہ صحیح بخاری پر عائد ہوتا ہے جس کے جواز کا فتویٰ دینے میں خود قرآن بھی شریک ہے اور اس الزام کا باقی ۳۲ حصہ قرآن پر عائد ہوتا ہے۔ غور فرمائیے کہ آپ نے کس جسارت اور دلیری کے ساتھ حدیث دشمنی کے جوش میں قرآن مجید ہی کو الزام تراشی اور دروغ بانی کا مرتع قرار دے دیا۔ فنعوذ باللہ من شرور أنفسنا

○ آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا نام بھی لیا ہے۔ حالانکہ صحیح احادیث میں تو ان پر کوئی الزام نہیں۔ بلکہ انہیں کریم ابن کریم ابن کریم کہا گیا ہے اور قید خانے میں ان کی ثابت قدمی پر ان کی مدح و توصیف کی گئی ہے۔

البتہ قرآن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے حقیقی بھائی سے ساز باز کر کے ان کے غلے میں شاہی برتن رکھ دیا۔ پھر اپنے بھائیوں کے قافلے پر چوری کا الزام عائد کرا کر ان کی تلاشی لی اور حقیقت چھپانے کے لئے پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی، پھر اپنے حقیقی بھائی کے غلہ سے برتن نکال کر دوسرے بھائیوں سے لئے گئے اقرار کے مطابق اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس روک لیا۔

غالباً آپ کے ذہن میں یہی واقعہ تھا۔ لیکن آپ کو یہ یاد نہیں رہا کہ اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ اسلئے آپ نے اسے شانِ انبیاء کے خلاف سمجھ کر احادیث اور روایتوں پر الزام تراشی کا الزام تراشنے میں اپنی چابک دستی کا مظاہرہ فرما دیا۔ لیکن آپ کی اس چابک دستی کی زد حدیث کے بجائے قرآن پر آ پڑی۔

قریب قریب یہی معاملہ ان بقیہ شخصیتوں کا ہے جن کے اسماء گرامی آپ نے ذکر کئے ہیں، اگر تفصیل میں آپ جانا چاہتے ہیں تو چلئے ہم بھی تیار ہیں

سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے!

ہماری اس توضیح سے یہ حقیقت بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ آیا امام بخاری کا نام سن کر جماعت اہل حدیث پر سہم کا دورہ پڑ جاتا ہے، یا آپ حضرات پر جوشِ مخالفت میں سرسامی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جس کے بعد آپ حضرات کو ہوش ہی نہیں رہتا کہ آپ کیا بک رہے ہیں اور کس کے خلاف بک

رہے ہیں۔

آپ نے حدیث پر 'مثلہ معہ' کی پھبتی بھی چست فرمائی ہے۔ مگر بتائیے کہ جب قرآن مجید نے اُسوہ رسول گو مدارِ نجات قرار دے کر اپنے بنیادی احکام تک کی تفصیلات اسی پر چھوڑ دی ہیں، اور اس اُسوہ کو اس حد تک وسعت دی ہے کہ پیغمبروں کے خواب تک کو وحی الہی اور حکم الہی کا درجہ دے رکھا ہے اور جگہ جگہ ایسی وحی کے حوالے دیئے ہیں جن کا قرآن میں کہیں نام و نشان تک نہیں تو خود اس قرآن کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟ حدیث سے پہلے آپ کی اس پھبتی کی زد تو خود قرآن ہی پر پڑ رہی ہے۔ اگر آپ اسے ماننے کے لئے تیار نہیں تو آئندہ ہم اس اجمال کی تفصیل بھی پیش کر سکتے ہیں۔

اُن گنت راویوں پر ایمان لانے کا معاملہ

آپ نے یہ بھی سوال اٹھایا ہے کہ قرآن پر ایمان لانے کے لئے رسول کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ پس اسی طرح روایتوں کو حدیث رسول ماننے کے لئے تمام راویوں پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ تو کیا ہمیں اللہ اور رسول کی طرف سے اُن گنت راویوں پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے؟

اولاً: میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے حضور کو خود دیکھا ہے؟ اور حضور پر قرآن کے نزول کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ بلکہ آپ تو چودھویں صدی میں پیدا ہوئے ہیں۔ اب آپ بتائیے کہ آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا کہ حضور پیغمبر تھے؟ اور آپ پر یہی قرآن نازل ہوا تھا جو اس وقت ہمارے ہاں متداول ہے؟ آپ یہی کہیں گے کہ اس امت کے اجتماعی نقل و تواتر سے یہ قرآن ہم تک پہنچا ہے، اس لئے ہم اس کی صحت کا یقین رکھتے ہیں۔

اب مجھے عرض کرنے دیجئے کہ آپ کے مقرر کئے ہوئے اُصول کے مطابق قرآن پر ایمان لانے کے لئے صرف حضور کی رسالت پر ایمان لانا کارآمد نہ ہو سکے گا، بلکہ اس چودہ سو برس کے دوران پیدا ہونے والے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر (خواہ زاہد و متقی ہوں، خواہ فاسق و فاجر) ایمان لانا ہوگا تو کیا ہمیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس امت کے اُن گنت نیک و بد انسانوں پر ایمان لانے کی تکلیف دی گئی ہے؟ (نالاہ)

ثانیاً: قرآن نے جو یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لو، جس کا صاف تقاضا یہ ہے کہ اگر 'متقی' خبر لائے تو تحقیق کی بھی حاجت نہیں، یوں ہی مان لو۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اگر اُسوہ رسول

کے متعلق کوئی شخص کوئی خبر دے تو قرآن کے اس اصول اور حکم پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اگر قرآن کے اس حکم پر عمل کیا گیا، اور اس کی بتائی ہوئی خبر قابل قبول ثابت ہوئی تو کیا اس خبر کو ماننے کیلئے اس شخص پر ایمان لانا پڑے گا؟ اگر ایمان لانا پڑے گا تو پھر ایسے جتنے بھی افراد پر ایمان لانا پڑے، لائے؛ یہ تو عین حکم قرآنی کا اتباع ہوگا۔ اور اگر نہیں لانا پڑے گا تو پھر آپ کے اس چیخ و پکار کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ روایتوں کو قبول کرنے کا مطالبہ کر کے درحقیقت ہم سے ان گنت راویوں پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے؟

اللہ کے بندے! اپنے تفقہ فی الدین اور تدبر فی القرآن کی کچھ تو لاج رکھنی تھی۔ ہماری پچھلی گذارشات سے واضح ہو چکا ہے کہ آپ جس چیز کو ایک 'ٹھوس حقیقت' سمجھے بیٹھے ہیں وہ درحقیقت ایک پھپھسا تخیل ہے جس کی حیثیت کَشَجْرَةٍ خَبِيثَةٍ ۙ اجْتَسَتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (ابراہیم: ۲۶) سے زیادہ نہیں ہے۔

اگر کوئی ٹھوس حقیقت ہے تو صرف یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا، آپ کی اطاعت کرنا، آپ کے فیصلوں کو دل کی تنگی و ناگواری کے بغیر تسلیم کرنا اور ان فیصلوں کے مقابل میں اپنے آپ کو خود مختار نہ سمجھنا، آپ کے اُسوے اور طریق عمل کی پیروی کو رضائے الہی اور نجاتِ آخرت کا مدار سمجھنا اور آپ کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنا فرض ہے۔ یہ سارا فرض خود قرآن نے عائد کیا ہے، اس فرض کو عائد کرنے کے بعد اس نے دین کے بڑے اہم اہم اور بنیادی قسم کے مسائل میں خاموشی اختیار کر لی ہے۔ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم سینکڑوں جگہ دیا ہے مگر ان کی تفصیلات سے خاموشی ہے۔ اسی طرح اس نے زندگی کے بے شمار مسائل میں صرف بعض بنیادی امور کی طرف اشارہ کر کے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ کیونکہ اس نے باقی تفصیلات کا دار و مدار اُسوۂ رسول پر رکھ دیا ہے۔

اب جو لوگ یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ قرآن سے باہر اُسوۂ رسول کہیں بھی محفوظ نہیں رہ گیا ہے، اور احادیث کے نام سے جو ذخائر اُمت کے ہاتھ میں متداول ہیں، ان کی کوئی حیثیت اور کوئی مقام نہیں، وہ درحقیقت قرآن کو ناقابل عمل اور اس کی رہنمائی کو سراپا لغو سمجھ رہے ہیں، اور انکارِ حدیث کا لبادہ اوڑھ کر قرآنی تعلیمات کو روندنے اور کچلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز و در ماندہ اور مجبور و بے بس سمجھ رہے ہیں کہ اس نے اُسوۂ رسول کی پیروی

کا حکم تو دے دیا اور اسے مدارِ نجات تو ٹھہرا دیا، لیکن چند ہی برس بعد جب چند ایرانی سازشیوں نے اس اُسوۂ رسول کے خلاف 'سازش' کی تو اپنی تمام تر قوت و طاقت، ملک و جبروت اور حکمت و قہرمانی کے باوجود ان کی 'سازش' کو ناکام نہ بنا سکا، اُمتِ مرحومہ کی دستگیری نہ کر سکا اور ہمیشہ کے لئے گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیا۔

وہ لوگ اپنے یہودی مستشرقین کی پلائی ہوئی شراب 'حقیقت پسندی' کے نشے میں بدمست ہو کر ساری اُمت کو بیوقوف سمجھ بیٹھے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی شاہراہِ ہدایت سے کٹ کر اور لوگوں کو کاٹ کر اپنی عقلی تک بندیوں کے خارزار پر دوڑانا چاہتے ہیں، جو سراسر بے انصافی اور انتہائی زیادتی ہے اور جس کے بارے میں ارشادِ الہی ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ  
 الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء: ۱۱۵)  
 جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ کی مخالفت اختیار کرے گا، اور  
 مؤمنین کی راہ سے الگ تھلگ اپنی راہ بنائے گا، ہم اسے اسی راہ پر ڈال دیں گے  
 جسے اس نے اختیار کیا ہے، اور اسے جہنم میں جلائیں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔

## بیسویں صدی میں انکارِ حدیث - تجزیاتی مطالعہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت \*

دینِ حنیف کو ضعف پہنچانے کی کوششیں اگرچہ روز اول ہی سے شروع ہو گئی تھیں لیکن تائید ایزدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اخلاص و عزیمت نے دشمنانِ اسلام کی ان مذموم کاوشوں اور کاروائیوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دور میں یہ دشمن یہودی و عجمی اسلام کا لبادہ اوڑھ کر صحابہ کرام کی صفوں میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور مسلم معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ اسی انار کی کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا دل خراش سانحہ رونما ہوا۔ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں ان عناصر کو مزید کھل کھیلنے کا موقع ملا جس کے نتیجے میں مختلف فرقے مثلاً شیعہ، خوارج، قدریہ، مرجئہ وغیرہ ظہور میں آئے۔ کچھ عرصہ بعد فرقہ معترزلہ بھی اپنے مخصوص عقائد لے کر میدان میں اتر آیا۔ فرقہ سازی کا دروازہ کھلنے سے ہر فرقے نے اپنے آپ کو برحق کہا اور اس کی تائید اور عوام الناس میں پذیرائی حاصل کرنے کے لیے نصوصِ قرآنی کی حسبِ منشا تاویل و تشریح کی، اپنے فرقے اور دعاوی کے لیے احادیث بھی گھڑیں، وضعِ حدیث کے اس فتنے نے ان کے کام کو مزید آسان بنا دیا۔

تاریخِ اسلامی میں فتنہ انکارِ حدیث منظم طریق پر دوسری صدی ہجری میں اٹھا اور اس کے اٹھانے والوں میں خوارج اور معترزلہ پیش پیش تھے۔

خوارج کا مقصد مسلم معاشرہ میں انتشار و افتراق پیدا کرنا تھا۔ اور اس راہ میں وہ سنت کو سنگِ گراں اور بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ کیونکہ سنت ہی نے معاشرہ کو منظم و منضبط کیا تھا۔ جہاں تک فرقہ

\* پروفیسر ایمریطس، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

معتزلہ کا تعلق ہے تو اس کے ہمنوا اور متبعین عجمی اور یونانی فلسفہ سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ انہوں نے ہر اس بات کو جو فلسفہ کی بنا پر ظہور پذیر ہوئی اس پر اُمناد و صدقنا کہنے کو سراسر عقل کا تقاضا سمجھا اور چاہا کہ اسلام کی ایسی تعبیر کی جائے جو ان عقلی تقاضوں کے مطابق ہو۔ اس راہ میں بھی پھر سنت اور حدیث سدر راہ بنی۔ سوانہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے احادیث کو مشکوک قرار دیا اور ان کو حجت ماننے سے انکار کر دیا۔ اور اس مذموم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے۔ ان ذرائع میں سے خود مقصد بن جانے ایک ذریعہ قرآن کو مشکوک اور مشتبہ بنانا تھا جیسا کہ فقہ قرامطہ کے ایک سرکردہ شخص عبید اللہ بن حسین قیروانی (م ۳۲۲ھ) کی اس تحریر سے مترشح ہوتا ہے جو سلیمان بن حسن ابوطاہر القرمطی (م ۳۳۲ھ) کو لکھی گئی۔ وہ لکھتا ہے:

انی اوصیک بتشکیک الناس فی القرآن والتوراة والزبور

والانجیل و بدعوتہم الی ابطال الشرائع. (۱)

چونکہ یہ تشکیک الفاظ قرآن میں تو ناممکن تھی لہذا معانی اور اس کی تشریح و توضیح کو ہدف بنایا گیا۔ الفاظ کی من مانی تاویل کے لیے لابدی تھا کہ اس راہ کے سب سے بڑے پتھر اور روکاوٹ یعنی حدیث و سنت کو ہٹایا جائے۔ قرآن حکیم کے صحیح فہم اور اسکی تعبیر و تشریح کے لیے احادیث کی حیثیت اساسی و بنیادی ہے۔ محمد عجاج الخطیب سنت کے خلاف دشمنان اسلام کی سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں کو قوت و شوکت حاصل ہوگئی تو انہوں نے مختلف طریقوں سے اہل ایمان کے عقائد کو مسموم کرنے اور ان کی حمیت دینی کو کمزور کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ لکھتے ہیں:

وبعد فانہ لم یرق لأعداء الاسلام ان یروا هذا الدین قد صلب

عودہ واستوی ساقہ... فرأوا أن یدسوا السم فی عقائد

المسلمین یسلخوہم عنہا فعملوا علی تغیر وجہ الاسلام

وتشویہہ بمختلف الطرق الدعابة الجذابة فشککوا بعض

ضعاف القلوب فی تعالیمہ وأحكامہ وکان من الصعب علیہم ان

یعبثوا بالقرآن الکریم الاصل التشریعی الأول فحاولوا ان



يَطْرُقُوا بَابَ السَّنَةِ فَاتَهُمُ الْكِبَارُ نَقَلْتَهَا وَائِمَةٌ حِفَاطُهَا...  
قاصدين من وراء هذا تشكيك المسلمين في السنة الطاهرة  
ليطرحوها فتبعد الشقة بين المسلمين وفهم قرآنهم... (۲)

نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں:

فان هؤلاء المخذولين لما أرادوا هذه الشريعة المطهرة  
ومخالفتها، طعنوا في أعراض الحاملين لها... فهم يظهرون  
السب واللعن لخيرا الخليفة... وليس في الكبائر ولا في  
معاصي العباد أشنع ولا أخنع ولا أبشع من هذه الوسيلة. (۳)

قدیم منکرین حدیث میں نمایاں بشر بن غیاث المریسی م ۲۱۸ھ (۴)۔ ابراہیم بن سيار النظام  
م ۲۳۱ھ (۵)، عبداللہ بن احمد ابوالقاسم البلیخی الکعبی م ۲۹۴ھ (۶) وغیرہ تھے۔ ان کا شمار ملاحظہ اور زنادقہ  
میں ہوتا ہے۔ انھوں نے احادیث کی صحت میں شک اور سنت کے واجب الاتباع ہونے سے انکار کی  
دوگونہ پالیسی اختیار کی۔ اجل صحابہ کرام مثلاً حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، ابو ہریرہ رضوان  
اللہ علیہم پر ایسے اتہامات والزامات لگائے جو ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے شایان شان نہیں۔ عباسی خلیفہ  
ہارون الرشید نے جب زنادقہ کی گرفت کی اور شا کر نامی زندیق کی گرد زدن کا ارادہ کیا تو خلیفہ نے اس  
سے اس مذموم حرکت کی وجہ دریافت کی تو بولا: انا نريد الطعن على الناقله فاذا بطلت الناقله  
او شك ان بطل المنقول (۷) نظام کہتا ہے کہ جو صحابہ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے تھے وہ دین کے  
معاملے میں اپنی اہواء و خواہشات کو ترجیح دیتے تھے۔ (۸) عاشقان سنت اور علمبرداران حق، ملحدین کے  
اس زہریلے اور باطل پروپیگنڈے پر ٹپ اٹھے اور ان کی کا تار و پود بکھیرا۔ امام شافعی نے اپنی کتاب  
الرسالۃ میں، ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث اور پھر منصور بغدادی نے الفرق بین الفرق  
میں ان کا تعاقب کیا اور ان کے مذموم مقاصد کو بے نقاب کیا۔ یہ ان علماء حق کی مساعی جلیلہ کا نتیجہ تھا کہ  
فتنہ انکار حدیث تیسری صدی ہجری کے بعد کئی صدیوں تک دنیائے اسلام میں سر نہ اٹھاسکا۔

تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں اس فتنہ نے دوبارہ سر اٹھایا۔ اس کا پہلا مرکز عراق تھا۔ پھر

مختلف اسلامی ممالک (۹) میں اس کو اپنے ہم نوا ملے۔

اس فتنے کی دوسری پیدائش کا سبب پہلی سے مختلف نہ تھا۔ مسلمان غیر اسلامی تہذیبوں سے سابقہ پیش آنے سے ذہنی شکست خوردگی میں مبتلا تھے اور مغرب کی ہر چیز کو تقاضائے عقل مان کر اسلام کو اس کے مطابق ڈھالنے میں مصروف تھے۔ لیکن دوسری طرف تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں حالات مختلف تھے کہ مسلمان فاتح تھے مغلوب نہ تھے۔ لہذا ان کے ذہنوں پر اس فلسفے کا زیادہ اثر نہ ہوا۔ اس کے برعکس موجودہ دور میں حملہ ایسے وقت میں ہوا جبکہ مسلمان مغلوب اور ہر میدان میں مار کھا چکے تھے۔ اس وجہ سے فاتحین کے فلسفے اور سائنسی و مادی ترقی سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ انہوں نے مغرب کی ہر چیز کو من و عن اور بلا چون چرا تسلیم کرنے میں عافیت سمجھی اور ان پر تنقید کرنے کو تاریک خیالی سے تعبیر کیا گیا۔ یہاں سنت پھر آڑے آئی۔ سوانہوں نے قرآن حکیم کی من مانی تاویل کے لیے اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے۔

اس کے لیے وہی پرانا حربہ استعمال کیا گیا یعنی ایک طرف روایات کی صحت کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے گئے تو دوسری طرف سنت کو حجت و سند ماننے سے انکار کیا۔ لیکن یہاں پھر حالات کی تبدیلی اور فرق نے اس تکنیک اور اس کے حربوں کی تفصیلی صورت میں بڑا فرق پیدا کر دیا ہے۔ قدیم زمانے میں اس فتنے کو اٹھانے والے بڑے ذی علم لوگ تھے۔ اس کے برعکس ہمارے دور میں جو لوگ اس فتنے کو ہوا دینے اٹھے ہیں ان کا علمی سرمایہ مشتبہ ہے جیسا کہ استاذ احمد محمد شاہ کریم طراز ہیں:

ان اولئک الأقدمین زائغین کانوا أم ملحدین کانوا علماء مطلعین  
اکثرهم ممن أضلهم الله علم أما هؤلاء المعاصرون فلیس الا الجہل  
والجرأة وامتضاغ ألفاظ لا یحسونها یقلدون فی الکفر ثم یتعالون  
علی کل من حاول وضعهم علی الطریق القویم. (۱۰)

ان صفحات میں جدید بالخصوص مصری منکرین حدیث کے اعتراضات کا مختصر جائزہ لیا جائے گا۔ موجودہ دور کے منکرین حدیث میں شرف الدین عالمی (۱۱) احمد امین (۱۲) اور محمود ابوریہ (۱۳) کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ منکرین اپنے مستشرق اساتذہ کی علمی تحقیقات پر ایمان کامل رکھتے اور اپنی بیشتر

”تحقیق“ کی بنیاد غیر مستند کتب پر رکھتے ہیں۔ لیکن جب مستند کتب سے حوالہ دیں تو بڑی ہوشیاری اور ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہیں۔ اور اپنے مذموم مقصد کے حصول کے لیے عبارات کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے پیش کرتے ہیں۔ یہ منکرین سنت کو حجت تسلیم نہیں کرتے اور روایات کی صحت میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ انہوں نے حدیث کے حجت ہونے کی حقیقت کو مشکوک کرنے کے لیے اس خیال کی تشہیر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا۔ اگر قرآن کی طرح اس کی حیثیت بھی جزو دین کی ہوتی تو آپ اسے مدون کرنے کا اہتمام فرماتے۔ ان کے نزدیک حدیث کا ضخیم ذخیرہ محض زبانی روایت ہوتا رہا اور ایک صدی بعد اس کی تدوین کی طرف توجہ دی گئی اس طرح یہ ذخیرہ ناقابل اعتبار اور ظنی ہے۔ (۱۴) حدیث کا ایک طالب علم اس حقیقت سے باخبر ہے کہ نبی کتابت والی روایات (۱۵) کے پہلو بہ پہلو ہماری پاس متعدد ایسی روایات موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی تھی۔ (۱۶) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو احادیث کی تشہیر اور دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب و تحریض فرمائی۔ علماء نے ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی ہے اور نبی کتابت والی روایت کی مختلف توجیہات پیش کی ہیں۔ (۱۷) امام خطابی فرماتے ہیں:

وقد قيل انه انما نهى ان يكتب الحديث مع القرآن في صحيفة  
واحدة لئلا يختلط به ويشتهه على القارى فاما ان يكون نفس  
الكتاب محظوراً وتقييد العلم بالخط منهيأ عنه فلا. (۱۸)

محدث رامہرمزی (م ۶۴۳ھ) نبی کتابت والی روایت بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ جب قرآن کا بیشتر حصہ نازل ہو گیا اور صحابہ نے اسے حفظ کر لیا اور التباس کا خطرہ باقی نہ رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی تھی۔ (۱۹) جیسا کہ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

ثم انه زال ذلك الخلاف واجمع المسلمون على تسويغ ذلك  
واباحته ولولا تدوينه في الكتب لدرس في الا عصر الآخر. (۲۰)

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) کہتے ہیں کہ قرون اولیٰ میں کتابت کو ناپسند کرنے کی ایک وجہ گہری

بصیرت میں کمی تھی اور وحی وغیر وحی میں امتیاز کرنے میں شبہ ہو سکتا تھا کیونکہ اکثر بدوؤں کو دینی بصیرت حاصل نہ تھی اور نہ وہ علماء کے پاس بیٹھتے تھے۔ لہذا اندیشہ تھا کہ وہ اپنے صحیفوں کو قرآن سے ملحق کر دیتے اور یہ سمجھنے لگ جاتے کہ جو کچھ ان میں ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔ (۲۱)

دوسری وجہ یہ کہ عرب عمدہ حافظے کے مالک تھے اور وہ کتابت کو باعث عار اور معیوب سمجھتے تھے۔ صحابہ کرام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ لگاؤ نے ان کی قوت حفظ کو مزید صیقل کر دیا تھا۔ امام اوزاعی (م ۱۵۳ھ) فرماتے ہیں:

كان هذا العلم شيئاً شريفاً اذا كان من افواه الرجال يتلاقونه ويتذاكرونه

فلما صار في الكتب ذهب نوره و صار الى غير أهله. (۲۲)

سید مودودی رقمطراز ہیں: اہل عرب زبانی روایت کے عادی تھے اور اس عادت نے اسلام کے ابتدائی دور میں برسوں تک زبانی روایت پر کار بند رکھا۔ ان حالات میں زبانی روایت کی محض اجازت ہی نہ تھی بلکہ بکثرت احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی روایت کی کثرت سے تاکید فرمائی تھی۔ (۲۳) زبانی روایت کی ترغیب پر متعدد ارشادات موجود ہیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فبلغه كما سمعه فرب فبلغ

أوعى من سامع. (۲۴)

ان معترضین کا کہنا ہے کہ احادیث اس لیے بھی ناقابل اعتبار ہیں کہ رواۃ نے روایت لفظی کا اہتمام نہیں کیا اور معنوی روایت پر اکتفا کیا۔ (۲۵) حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام نے معنوی روایت کی شرائط (۲۶) کے ساتھ اجازت دی تھی اور وہ اس رعایت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) سے روایت ہے:

ربما سمعت الحديث عن عشرة كلهم يختلف في اللفظ

والمعنى واحد (۲۷)

اسی طرح واثلہ بن اسقع سے روایت ہے:

اذا حدثتم بالحديث على المعنى فحسبكم (۲۸)

اس اجازت کے باوجود صحابہ کرام الفاظ کی حفاظت کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ اعمش کہتے ہیں:

كان هذا العلم عند اقوام كان امرهم لأن يخر من السماء احب

اليه من أن يزيد فيه واوا أو الفأ أو دالاً. (۲۹)

بقول ابن عبد البر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے تقویٰ کا یہ حال تھا کہ جب وہ کوئی حدیث روایت

کرتے تو قال رسول اللہ کے بجائے قال هكذا او كما قال او شبه هذا او قريباً من ذلك

کہتے تھے۔ (۳۰)

صحابہ نے معنوی روایت میں کوئی بدعت پیدا نہیں کی بلکہ اس کے جواز کی دلیل قرآن حکیم اور

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی۔ (۳۱)

احمد امین مشہور مستشرق گولڈزیہر کی متابعت میں حدیث کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ

علماء نے سند کو پرکھنے کا تو اہتمام کیا لیکن متن کی طرف سے تساہل برتا گیا۔ (۳۲) یہ ان مجاہد و عاشقان

حدیث پر اہتمام ہے۔ علماء نے سند و متن دونوں کو پرکھنے کا خاص اہتمام کیا اور اگر سند میں تشدد سے کام لیا

تو اس کی اصل غرض و غایت متن حدیث کی حفاظت ہی ہے جس کی خاطر سند کو پرکھا جاتا ہے۔ سند کی

اہمیت متن سے کسی طرح کم نہیں بلکہ دین کا اہم حصہ ہے۔ عبد اللہ بن المبارک کا مشہور قول ہے:

الاسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء. (۳۳)

ان منکرین نے صحابہ محترم کی عدالت و ثقاہت پر بھی شبہ کیا ہے۔ احمد امین کا قول ہے کہ محدثین کی

ایک جماعت دیگر رواۃ کی طرح صحابہ کرام کو بھی مورد الزام ٹھہراتی ہے۔ (۳۴) یہ بھی اہتمام اور دروغ

گوئی ہے۔ مخصوص فرقوں کے علاوہ تابعین اور ان کے بعد جمہور اہل اسلام نے صحابہ کی عدالت پر اتفاق

کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: اہل سنت والجماعت کے نزدیک جملہ صحابہ عدول ہیں۔ باقی رہا معتزلہ

کا یہ قول کہ حضرت علی کے خلاف لڑنے والوں کو چھوڑ کر باقی صحابہ عدول ہیں تو یہ قول مردود ہے۔ شیعہ

فرقہ کی کم عقلی اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ وہ صرف سترہ (۱۷) صحابہ کو مسلم قرار دیتے ہیں اور باقی سب کی

تکفیر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: فہومن الہدیان بلا دلیل، الامجرد الراى الفاسد، عن ذہن بارد.... والبرہان علی خلافہ اظہر وأشہر اس کے بعد وہ ان کے کارہائے نمایاں اور اخلاق عالیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان الفاظ پر بات ختم کرتے ہیں:

لم تكن في امة من الأمم المتقدمة، ولا يكون أحد بعدہم مثلہم  
فی ذلک فرضی اللہ عنہم أجمعین ولعن من یتہم الصادق  
ویصدق الکاذبین۔ (۳۵)۔

سنت کو مشکوک کرنے کے لیے یہ بھی کہا گیا کہ وضع حدیث کے فتنے کا آغاز عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ہو گیا تھا۔ وہ اپنے قول کی تائید میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان: من کذب علی متعمداً۔۔۔ (۳۶) پیش کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث جھوٹ باندھنے کے موقع پر فرمائی (۳۷)۔ احمد امین کا یہ استدلال بڑا بودا اور بے بنیاد ہے۔ وہ اپنے اس استدلال میں دیگر فرقوں مثلاً خوارج، معتزلہ اور غالی شیعہ کی متابعت کرتے ہیں اس امر پر اتفاق ہے کہ مذکورہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے احادیث کو بعد میں آنے والے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا۔

ان کا کہنا ہے کہ صحابہ ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے اور بعض کو بعض پر فضیلت دیتے تھے۔ (۳۸) حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ کرام ایک دوسرے کی توقیر و تعظیم میں کمی نہیں کرتے تھے۔ رہی بعض احادیث میں ایک دوسرے پر نقد و جرح تو دراصل صحابہ ایک دوسرے پر علمی گرفت میں کوئی باک محسوس نہ کرتے تھے اور وہ اس تنقید کو ایک دوسرے کی تکذیب قرار نہیں دیتے تھے۔ براء ابن عازب کہتے ہیں:

لیس کلنا کان یسمع حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کانت لنا صنیعة واشغال ولكن الناس لم یكونوا یکذبون یومئذ

یتحدث الشاهد الغائب۔ (۳۹)

قدیم و جدید معترضین نے سنت نبی پر لوگوں کے اعتماد کو متزلزل کرنے کے لیے بعض صحابہ کرام اور تابعین مثلاً حضرات ابو ہریرہ، عمرو بن العاص، مغیرہ ابن شعبہ اور عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ کو

مطعون کیا ہے۔ ابوہریرہ کثیر الروایہ ہونے کے سبب ان کی شدید تنقید اور غضب کا نشانہ بنے ہیں۔ اس صحابی عظیم پر ان کی تنقید محض مادی مفادات اور نفسانی خواہشات کی پیروی کا نتیجہ ہے، جس کا مقصد ابوہریرہ جیسے عظیم صحابی پر شکوک و شبہات کا دروازہ کھول کر باقی روایہ کے بارے میں مشکوک ذہنوں کو مسموم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں، جیسا کہ عجاج الخطیب کہتے ہیں:

كان الطعن في ابي هريرة ذريعة للطعن في غيره من الصحابة

لتوهين السنة ورفض العمل بها (۴۰)

ابوہریرہ اپنے زہد و تقویٰ، ضبط و حفظ، اخلاق عالیہ، صحبت نبوی، تواضع، فہم و فراست کے اعتبار سے صحابہ میں بڑے معزز و محترم ہیں۔ یہ وہ صحابہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد سفر و حضر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور دنیا کے دیگر مشاغل سے پہلو تہی کر لی تھی۔ (۴۱)

معترضین نے ابوہریرہ کی روایات مشکوک کرنے اور ان کی وقعت کو کم کرنے کے لیے اوچھے حربے استعمال کیے ہیں اور پھر ستم یہ کہ اپنی ”تحقیق“ کی تائید کے لیے بعض اوقات مستند اہل علم کے اقوال توڑ مڑ کر اور سیاق و سباق سے کاٹ کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ایک عام آدمی اس ”علمی تحقیق“ سے مرعوب ہو کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ معترضین اپنے گھناؤنے الزامات صحیح ثابت کرنے کے لیے ابوہریرہ کے نام کے اختلاف، غربت و افلاس، یتیمی، ناخواندگی اور اسلام لانے میں تاخیر وغیرہ کو بطور خاص ہدف بنایا ہے۔ (۴۲) حالانکہ یہ تمام مذکورہ حالتیں کسی کی عظمت و رفعت میں کسی طور تنقیص کا باعث نہیں ہوتیں۔ احمد امین اور ان کے ہمناؤں کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام ابوہریرہ کی روایات کو رد کر دیا کرتے تھے۔ (۴۳) یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ابوہریرہ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ (۴۴) آپ صحابہ میں نمایاں حفاظ حدیث میں سے تھے۔ ابوصالح عثمان کا قول ہے:

كان ابو هريرة من احفظ اصحاب محمد (۴۵)

امام شافعی تو انہیں سب سے بڑا حافظ وقت قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

ابو هريرة أحفظ من روى الحديث في دهره. (۴۶)

امام بخاری ان کی وسعت علم کا ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں:

روى عنه ثمانمائة من اهل العلم وكان أحفظ من روى

الحديث (۴۷)

حضرت ابوہریرہ کی کثرت روایت پر اعتراض کرنے والے صحابہ نہیں بلکہ کچھ اور لوگ تھے۔ کثرت روایت کا سبب وہ خود بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر قرآن کی آیت: ان الذین یکتُمون... نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی روایت نہ کرتا۔ (۴۸) اسلام لانے میں تاخیر کے باوصف ابوہریرہ کا کثیر الروایہ ہونا بعید از عقل نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ کے طلب حدیث کے ذوق و شوق اور حرص کو دیکھ کر فرمایا کہ ابوہریرہ علم حدیث کا حریص ہے۔ (۴۹) معترضین کہتے ہیں کہ خلفائے اربعہ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے بھی حضرت ابوہریرہ کی روایات کی تکذیب کی۔ (۵۰) اور اس معاملے میں حضرت عمر اور حضرت عائشہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو درست نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت عمر نے ابوہریرہ کی کثرت روایت کی وجہ سے تکذیب کی، جلا وطن کرنے کی دھمکی دی اور ان کو کوڑا بھی مارا۔ (۵۱) ابن قتیبہ نے اس اتہام کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر کا کثرت روایات سے روکنا صرف ابوہریرہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ آپ بحیثیت مجموعی کثرت روایت سے منع فرماتے تھے (۵۲) معترضین اپنے اس اعتراض کی تائید کے لیے ابن کثیر کی روایت قطع و برید کی اور روایت کے صرف اس حصے پر اکتفا کیا ہے جو ان کے مذموم مقاصد پر پورا اترتا ہے۔ ابن کثیر حضرت عمر کے کثرت روایت سے روکنے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ عمرؓ نے اس لیے منع فرمایا کہ لوگ احادیث کا غلط استعمال نہ کرنے لگیں۔ مستند کتب میں حضرت عمر کے وہ الفاظ بھی محفوظ ہیں کہ جب انہیں (عمر کو) یقین ہو گیا کہ حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کے عواقب و نتائج سے بخوبی واقف ہیں تو فرمایا: أما اذا فاذھب فحدث (۵۳) حضرت عمر کثرت روایت کے ضرور مخالف تھے لیکن محض روایت سے آپ نے کبھی نہیں روکا بلکہ سنت و حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے ہمہ جہت کوششیں کیں۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے: فمن حفظها فليحدث بها (۵۴) ابن قتیبہ کثرت روایت سے روکنے کی وجوہات اور مقصد یہ بیان کرتے ہیں کہ منافقین اور فاجروں کے ملاوٹ اور جھوٹ سے محفوظ رکھنے کے



لیے یہ اقدام کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

الا يتسع الناس فيها ويدخلها الشوب ويقع التديس والكذب  
من المنافق والفاجر. (۵۵)۔

ابن عبدالبر بھی کثرت روایت سے روکنے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ حضرت عمرؓ کا اکثر سے روکنا مصلحتاً تھا تا کہ سچ اور جھوٹ کی آمیزش نہ ہو جائے نیز قرآن و سنت میں تمیز برقرار رہے۔ پھر کہتے ہیں کہ اکثر روایت سے روکنا کذب کے خوف سے تھا۔ اگر روایت کو ناپسند ہی کرتے تو نہی، قلت و کثرت دونوں کے متعلق ہوتی۔ (۵۶) ابن عبدالبر اکثر روایت سے نہی والی روایت سے مطلق نہی روایت کا مفہوم لینے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جن لوگوں کو واقعات کا صحیح علم نہ تھا اور جن قلوب میں سنت سے گرانیاں تھیں انہوں نے ان روایات سے جن میں آپؐ نے مصلحتاً روایت سے روکا یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہا کہ حضرت عمر مسلمانوں کے ذہن سے احادیث کو بالکل خارج کرنا چاہتے تھے۔ (۵۷)

جہاں تک معترضین کا یہ کہنا کہ حضرات عثمانؓ اور علیؓ نے بھی ابو ہریرہؓ کی تکذیب کی (۵۸) تو یہ حقائق کے برعکس ہے اور وہ یہاں جو دلائل پیش کرتے ہیں ناقابل اعتماد اور ضعیف ہیں۔ (۵۹) رہا حضرت عائشہ صدیقہ کا ابو ہریرہ کی روایات کا رد کرنا اور جھٹلانا تو اگر ان روایات کا تجزیہ کیا جائے جن میں تردید کا ذکر ہے تو یہ الزام خود بخود دفع ہو جاتا ہے۔ معترضین اپنے اعتراض کی تائید میں جنسی شخص کے روزے کے بارے میں حدیث (۶۰) پیش کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے ابو ہریرہ پر اس حدیث کے ضمن میں جو اعتراض کیا تھا تو ابو ہریرہ نے ان کے اس قول کو گھریلو معاملات سے زیادہ باخبر ہونے کی بنا پر تسلیم کر لیا تھا۔ (۶۱)۔ دوسری طرف ہمارے پاس ایسی روایات بھی ہیں جو حضرت عائشہ کی ابو ہریرہ کی تائید و تصدیق پر دلالت کرتی ہیں۔ (۶۲)

امام حاکم نے المستدرک میں حضرت عائشہ کا شمار ان لوگوں میں کیا ہے جو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں (۶۳)۔ ابو ہریرہ اس معاملے میں تنہا نہیں بلکہ ام المؤمنین نے بعض دیگر اہل صحابہ کرام سے بھی اختلاف کیا اور ان کی تصحیح کی۔ (۶۴) صحابہ کا باہم اور ام المؤمنین کے درمیان

اختلافات کا مقصد ایک دوسرے کی تکذیب یا تنقیص ہرگز نہیں تھا۔ جیسا کہ حضرت عمر، ابو موسیٰ اشعری سے حدیث استمذان (۶۵) پر شہادت طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اما اتي لم اتهمك ولكن خشيت ان يتقول الناس على رسول الله صلى  
الله عليه وسلم. (۶۶)

معتزین نے ایک روایت سے یہ ثابت کرنے کی سعی ناکام کی ہے کہ ابن مسعود نے بھی ابو ہریرہ کی تکذیب کی اور پھر اس پر ظلم یہ کہ وہ اس روایت کو جلیل القدر علامہ ابن عبدالبر کی طرف منسوب کرتے ہیں تاکہ اس اتہام کو قبول عام حاصل ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن عبدالبر نے اس روایت میں علماء کے ان فتاویٰ کا ذکر کیا ہے جن میں وہ باہم ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے۔ اسی ضمن میں انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب ابو ہریرہ نے یہ حدیث بیان کی ”جو شخص میت کو غسل دے وہ خود بھی غسل کرے اور جو جنازہ اٹھائے وہ وضو کرے“ (۶۷) ابن مسعود نے اس حدیث کو ماننے سے انکار کر دیا۔ (۶۸) تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں ابو ہریرہ منفرد نہیں بلکہ اسے بعض دیگر صحابہ مثلاً حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ کی عظمت، دیانت اور وسعت علم کے معترف تھے جس کی تائید ابن عمر کے اس قول سے ہوتی ہے۔ ان کا کہنا ہے:

كنت الزمنا وأعلمنا يا أبا هريرة برسول الله صلى الله عليه وسلم  
وأحفظنا لحدیثه. (۶۹)

مسلمانوں کی نظروں میں ابو ہریرہ کا مقام گرانے اور ان کی وقعت کم کرنے کے لیے ان حضرات نے ابن عمر کو بھی ابو ہریرہ کی تردید کرنے اور جھٹلانے والوں میں شامل کر لیا ہے۔ ابن عمر سے مروی ہے: ”جس نے کتاب الا اس کے عمل سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے البتہ شکار اور مویشیوں کی حفاظت کے لیے کتاب الا جاسکتا ہے۔ ابن عمر سے کہا گیا کہ ابو ہریرہ کی روایت میں تو کھیتی کی حفاظت کے لیے بھی کتاب الا کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ سن کر ابن عمر نے فرمایا: ہاں! ابو ہریرہ کی کھیتی بھی تھی۔ (۷۰) احمد امین ابن عمر کے اس قول سے ابو ہریرہ پر طنز اور اتہام ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

انہوں نے حدیث میں لفظ ذرع کا اضافہ اس لیے کیا تا کہ اپنی کھیتی کی حفاظت کے لیے کتابال سکیں۔  
(۷۱) کتب حدیث پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ابو ہریرہ اس روایت میں تنہا نہیں بلکہ بعض دوسرے صحابہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ شارحین حدیث نے ابن عمر کے اس قول کی مختلف توجیہات پیش کی ہیں اور کہا ہے کہ اس حدیث میں ابو ہریرہ کی تصدیق دیگر صحابہ نے کی ہے اور ابن عمر کے اس قول کا مقصد ابو ہریرہ کی تصدیق ہے نہ کہ تکذیب و تنقیص۔ (۷۲)

عبدالحسین شرف الدین عالمی اور اس کے ہم نوا، عظیم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن الوقت اور سیم وزر کا پرستار ہونے کا اتہام لگاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب حضرات علیؑ اور معاویہؓ کے درمیان خلافت کے لیے جنگ ہوئی تو ابو ہریرہؓ نے مالی مفادات کی خاطر معاویہؓ کا ساتھ دیا اور بنی امیہ کی حمایت و تائید جبکہ حضرت علیؑ کی مخالفت میں احادیث وضع کیں۔ (۷۳) وہ کہتے ہیں:

ولم یکن ما قدم أبو هريرة لمعاوية جهاداً بسيفه أو بماله وإنما  
كان جهاده احاديث ينتشرها بين المسلمين يخذل بها انصار  
علي ويظعن فيها عليه ويجعل الناس يرون منه ويشيد بفضل  
معاوية ودولته. (۷۴)

اور پھر معاوضہ اور بدلے میں ابو ہریرہ پر عنایات خسروانہ ہوئیں۔ کہتے ہیں:

ولم يلبث ان تحول حاله من ضيق الى سعة ومن فقر الى ثراء  
بنو امية كي ان نوازشات پیہم نے ابو ہریرہ کو ان کا غلام بنا دیا۔ استبعد بنو امیہ  
ابا هريرة... فاذا هو لسان دعائتهم في سياستهم۔ (۷۵)

یہ تمام باتیں ابو ہریرہ سے بغض و عناد کا نتیجہ ہیں۔ مستند مصادر اس بات پر گواہ ہیں کہ جب حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ کے درمیان فتنہ رونما ہوا تو دیگر صحابہ کی طرح ابو ہریرہ نے بھی گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور اس میں ملوث ہونے سے انکار کر دیا۔ جہاں تک بنو امیہ کی حمایت اور حضرت علیؑ کے خلاف احادیث وضع کرنے کا اتہام ہے تو کتب حدیث اس پر گواہ ہیں کہ ابو ہریرہ سے مناقب اہل بیت کے بارے میں کثیر احادیث مروی ہیں (۷۶) جو اہل بیت سے ان کی محبت اور وابستگی کا بین ثبوت ہیں۔ دوسری طرف

ہمارے سامنے متعدد ایسی روایات بھی ہیں جو خلفائے بنو امیہ اور ابو ہریرہ کے درمیان تلخی پر دلالت کرتی ہیں۔ (۷۷) یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ امویوں کی مدح میں ابو ہریرہ سے منسوب روایات سند اور متن دونوں اعتبار سے مردود ہیں۔

ان منکرین حدیث نے اپنے مستشرق اساتذہ کی متابعت میں ابو ہریرہ کی مرویات کو مشکوک کرنے کے لیے ایک اور حربہ استعمال کیا اور کہا کہ ابو ہریرہ اہل کتاب بالخصوص کعب الاحبار سے روایت کرتے اور کعب کے اقوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ ابو ہریرہ کعب سے بہت متاثر تھے اور وہ ان سے خوشہ چینی کرتے تھے۔ (۷۸) کہتے ہیں:

ویدوان أباهريرة كان اكثر الصحابة انخداعاً به وثقة فيه...

كعب الاحبار قد سلط قوة دهائه على سذاجة أبي هريرة لكي يستحوذ عليه وينيمه ليلقنه كل ما يريد ان يبثه في الدين

الاسلامى من خرافات وأوهام. (۷۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اہل کتاب سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۸۰) علاوہ ازیں کعب الاحبار کی علمیت و عدالت کا اعتراف اہل علم نے کیا ہے، اور پھر ابو ہریرہؓ کعبؓ سے روایت کرنے میں منفرد نہیں بلکہ دوسرے صحابہؓ مثلاً عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ بھی ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور ان تمام صحابہؓ کا اہل کتاب کی طرف رجوع کرنا ایک محدود دائرے میں تھا اور جس کا تعلق عقیدہ سے نہیں ہوتا تھا۔ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہت بڑا الزام ہے کہ وہ کعب کے اقوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔

احمد امین اپنے استاذ گولڈزیہر کی متابعت میں ابو ہریرہؓ کی روایات مشکوک بنانے کے لئے کہتا ہے کہ وضاعین حدیث نے ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور بہت سی احادیث خود وضع کر کے ان کی جانب منسوب کر دیں۔ (۸۱)

یہاں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس معاملے میں ابو ہریرہؓ منفرد نہیں بلکہ ان وضاعین نے دیگر اکابر صحابہؓ مثلاً حضرات عمرؓ، عائشہؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ وغیرہم کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ جس سے

ان بزرگوں کا دامن آلودہ نہیں ہوتا اور پھر اہل علم نے وضع کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر ہی صحیح و سقیم کو میٹیز کرنے کے لئے وہ اعلیٰ پیمانے مقرر کئے جن میں امت مسلمہ ممتاز ہے۔

یہ تھا حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں معترضین کے اعتراضات پر طائرانہ تبصرہ۔ اللہ تعالیٰ نے بعض راسخ العقیدہ اہل قلم کو ان الزامات کے جواب دینے کی توفیق عطا فرمائی، لہذا شرف الدین، احمد امین اور ابوہریرہ کے اعتراضات کا مدلل اور مسکت جواب استاذ عبدالرحمن الیمانی، شیخ محمد سماحی، شیخ عبدالرزاق، محمد ابو زھو، شیخ محمد ابو شہبہ، مصطفیٰ حسنی سباعی، محمد عجاج الخطیب، عبدالمنعم صالح وغیرہم نے اپنی کتب میں دیا ہے فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ ہم اپنی بات کو محمد عجاج الخطیب کے اس قول پر ختم کرتے ہیں:

ونجا أبو هريرة من تلك الأعاصير المصطنعة التي عصفت حوله،  
ومن تلك الأمواج الغداوة التي تلاطمت على قدميه، فبقى صامدا  
أبد الدهر يحترمه الجمهور، ويعرفون مكانته ومنزلته، وارتدت  
تلك الهجمات الضالة على أعقابها حامدة مكتومة الأنفاس تجر  
وراءها ذبول الخزي والانكسار. (۸۲)

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے کلام کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اسی طرح ان شاء اللہ تاقیامت وہ سنت کی حفاظت فرماتا رہے گا، اور یہ مفسدین اپنے مقاصد میں خائب و خاسر رہیں گے۔



## حوالہ جات و حواشی

- ۱۔ ابو مظفر الاسفرائینی، التبصیر فی الدین، ۱۴۳، عالم الکتب، بیروت ۱۴۰۳/۱۹۸۳، ابو منصور البغدادی، یالفرق بین الفرق، ۲۵۷، مکتبہ ابن سینا، قاہرہ
- ۲۔ محمد عجاج الخطیب، ابو ہریرہ راویۃ الاسلام، ۳-۴، المؤسسة المصرية العامة، مصر

- ۳- صدیق حسن خان، الدین الخالص، ۷، مطبعة المدنی، قاہرہ، ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء
- ۴- خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۷/۵۶-۶۷، دارالکتاب العربی، بیروت، س-ن؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۰/۱۹۹، مؤسسة الرسالة، بیروت؛ ذہبی، میزان الاعتدال، ۱/۳۲۲، داراحیاء الکتب العربیہ، ۱۳۰۳ھ/۱۹۸۲ء؛ عماد الدین، عبدالحی، شذرات الذهب، ۲/۴۴، دارالمسیرة، بیروت؛ التبصیر فی الدین، ۹۹
- ۵- تاریخ بغداد، ۶/۹۷-۹۸؛ سیر اعلام، ۱۰/۵۴۱، الفرق بین الفرق، ۲۵۴
- ۶- التبصیر فی الدین، ۸۲
- ۷- تاریخ بغداد، ۴/۳۰۸
- ۸- تأویل مختلف الحدیث، ۴۸؛ الفرق بین الفرق، ۲۶۰
- ۹- پاکستان میں بھی یہ فرقہ اسلام کی حفاظت و صیانت کے پس پردہ اپنے کام میں مصروف ہے۔ اس کا آغاز غیر منقسم ہندوستان میں برطانوی آقاؤں کے منصوبوں کی تکمیل اور ان کو خوش کرنے کے لیے ہوا۔ سب سے پہلے اس کی آواز بعض وابستگان علی گڑھ کی طرف سے اٹھی پھر مختلف علاقوں مثلاً امرتسر، چکڑالہ، پٹنہ اور دہلی وغیرہ میں اس کو ہمنا ملے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں بھی ان عناصر کو پاؤں جمانے کا موقع ملا۔ ادارہ طلوع اسلام نے اس کا خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے پیشروں کو بھی مات کر دیا۔ کچھ اداروں سے منسلک بعض افراد بھی سرکاری سرپرستی میں اس کام میں مصروف رہے۔
- ۱۰- مسند احمد بن حنبل، ۱۲/۸۵
- ۱۱- شرف الدین عالمی (م ۱۹۵۷ء)، عمر رضا کحالت، معجم المؤلفین، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۵/۸۷؛ کاسنت سے عناد اور بغض ان کی کتاب ابوہریرہ سے ظاہر ہے۔
- ۱۲- احمد امین کاسنت سے بغض ان کی کتب بالخصوص ضحی الاسلام، ۳۳۷، ۳۶۵ وغیرہ دارالکتاب العربی بیروت، ۲۰۰۵ء؛ فجر الاسلام کے باب ششم کی دوسری فصل سے ظاہر ہو جاتا ہے: مکتبة النهضة المصرية، قاہرہ، ۱۳۷۰/۱۹۵۰ء
- ۱۳- محمود ابوریہ، سنت سے عناد میں ان دو حضرات سے بھی آگے نکل گئے جس کی شہادت ان کی دو تالیف ابوہریرہ شیخ المضیرة اور اضواء علی السنة المحمدیة، سے ملتی ہے۔ اس

کافارسی میں ترجمہ ہوا، وابستگان طلوع اسلام نے بھی شمارہ اگست ۷۵ء میں اس کے بارے میں تبصرہ کیا جو مؤلف کی فکر کی تائید کرتا ہے۔

۱۴۔ فجر الاسلام، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۱؛ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ۳/۲۳، ای۔ جے۔

برل، Luzac، London، ۱۹۸۶ء

۱۵۔ خطیب بغدادی، تقييد العلم، ۲۹-۳۵؛ ابن عبد البر، جامع بيان العلم، ۱/۶۳-۶۴ دارالکتب

العلمية، بيروت، ۱۳۹۸م/۱۹۷۸ء؛ راهر مزی، المحدث الفاصل، ۳۷۹-۳۸۱،

دارالفکر بیروت، ۱۳۹۱ھ؛ صحیح مسلم بشرح النووی، ۱۶/۱۲۹، دارالفکر بیروت

۱۶۔ تقييد العلم، ۶۸-۸۵، ۹۷، داراحیاء السنة النبوية، ۱۳۹۵ھ؛ الترمذی، الجامع،

کتاب العلم، باب ماجاء فی الرخصة، ۵/۳۹، ۴۰، داراحیاء التراث العربی،

بیروت؛ المحدث الفاصل، ۳۶۳-۳۸۷

۱۷۔ ابن قتیبة، تاویل مختلف الحديث، ۴۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء؛ ابن کثیر،

الباعث الحثیث، ۱۴۸، مکتبه دارالفيحاء، دمشق، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء؛ تقييد العلم،

۵۷؛ توجيه النظر، ۱۰

۱۸۔ خطابی، معالم السنن، ۳/۱۷۰، مکتبه دارالباز، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء

۱۹۔ المحدث الفاصل، ۳۸۶

۲۰۔ ابن الصلاح، مقدمة، ۱۸۳، دارالفکر دمشق، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء

۲۱۔ تقييد العلم، ۵۷

۲۲۔ جامع بيان العلم، ۱/۶۸؛ مقدمة ابن الصلاح، ۱۸۲-۱۸۳

۲۳۔ بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب كيف يقبض العلم، ۱/۳۳ دارالفکر، بیروت،

۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء؛ ترمذی، الجامع، کتاب العلم؛ باب ماجاء۔۔۔ ۵/۳۹، داراحیاء

التراث العربی، بیروت؛ ترجمان القرآن، منصب رسالت نمبر، ۲۳۲

۲۴۔ جامع بيان العلم، ۱/۳۹، ۴۰، ۴۲؛ ترمذی، الجامع، کتاب العلم، باب ماجاء فی

الحث... ۵/۳۳؛ ابوداؤد، السنن، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم،

۲۸-۲۹، دارالحديث، حمص، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء

- ۲۵۔ اضاء علی السنۃ المحمدیہ، ۷ و بعد: پرویز، مقام حدیث، ۵۲، ۱۴۲: ادارہ  
طلوع اسلام، کراچی
- ۲۶۔ الشافعی، الرسالة، ۳۷۰، ۳۷۱؛ تحقیق احمد محمد شاکر؛ خطیب بغدادی، الکفاۃ فی علم  
الروایۃ، ۱۸۰-۱۸۱؛ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۷ھ
- ۲۷۔ المحدث الفاصل، ۵۳۳؛ جامع بیان العلم، ۷۹/۱
- ۲۸۔ ایضاً، ۵۳۳؛ جامع بیان العلم، ۷۹/۱
- ۲۹۔ الکفاۃ فی علم الروایۃ، ۷۸، دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۷ھ
- ۳۰۔ جامع بیان العلم، ۷۹/۱
- ۳۱۔ المحدث الفاصل، ۵۳۰-۵۳۱
- ۳۲۔ فجر الاسلام، ۲۱۷-۲۱۸؛ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ۲۸/۳
- ۳۳۔ صحیح مسلم بشرح النووی، ۸۷، ۸۸، دار الفکر، بیروت؛ حاکم، معرفۃ علوم  
الحدیث، ۶، دار احیاء العلوم، بیروت، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء؛ ابن رجب، شرح علل  
الترمذی، ۱/۱۵۶، دار الملاح، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
- ۳۴۔ فجر الاسلام، ۲۱۶-۲۱۷
- ۳۵۔ اختصار علوم الحدیث، ۷۳، مکتبۃ دار السلام، الرياض ومکتبۃ دار الفیحاء، دمشق
- ۳۶۔ بخاری، الجامع، کتاب العلم، ۱/۳۵، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء؛ ترمذی،  
الجامع، کتاب العلم، باب ماجاء فی تعظیم الکذب، ۳۶، ۳۵/۵
- ۳۷۔ فجر الاسلام، ۲۱۱، اضاء علی السنۃ، ۶۵
- ۳۸۔ ایضاً، ۲۱۶؛ ایضاً، ۷۳؛ دو اسلام، ۹۴-۱۰۳
- ۳۹۔ معرفۃ علوم الحدیث، ۱۴
- ۴۰۔ ابو ہریرہ، راویۃ الاسلام، ۶، المؤسسة المصریۃ، تذکرۃ الحفاظ، ۳۲/۱، مطبعہ  
دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء
- ۴۱۔ ابو ہریرہ کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: نسوی، کتاب المعرفۃ والتاریخ، ۲۸۶/۱،  
۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، مکتبۃ الدار، المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۰ھ؛ البدایۃ، ۱۳۹/۸، دار ابن



- کثیر، دمشق، ۱۲۲۸ھ/۲۰۰۷ء؛ تہذیب، ۱۲/۲۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت؛  
سیر اعلام، ۲/۵۷۸؛ الاستیعاب، ۲/۱۷۸؛ حلیۃ الاولیاء، ۱/۳۷۶؛ مستدرک،  
۵۰۶/۳
- ۴۲۔ ابوہریرہ شیخ المضیرۃ، ۲۳ وبعده
- ۴۳۔ شرف الدین عالمی، ابوہریرہ، ۴۵؛ فجر الاسلام، ۲۱۹؛ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ۳/۴۴؛  
مسلم، الجامع کتاب فضائل الصحابة، ۷/۱۶۶؛ اضواء علی السنۃ، ۱۹۵ وبعده
- ۴۴۔ کتب احادیث کی کتب فضائل الصحابہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
حضرت ابوہریرہ کے لیے ایک یہ دعا بھی فرمائی: اللہم جب عیدک وامہ الی  
عبادک المؤمنین
- ۴۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۳۶، البدایۃ، ۸/۱۵۴، ۷/۱۶۶
- ۴۶۔ ایضاً، ۱/۳۶؛ البدایۃ، ۸/۱۵۴
- ۴۷۔ ایضاً، ۱/۳۱؛ البدایۃ، ۸/۱۵۰
- ۴۸۔ مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل ابی ہریرۃ، ۷/۱۶۷؛  
البدایۃ والنہایۃ، ۸/۱۵۷
- ۴۹۔ بخاری، الجامع، کتاب العلم باب الحرص علی الحدیث، ۱/۳۳
- ۵۰۔ اضواء علی السنۃ، ۲۰۳؛ شیخ المضیرۃ، ۱۳۳؛ رد الدارمی علی بشر المریسی،  
۱۳۲ وبعده؛ شرف الدین عالمی، ۲۶۲-۲۶۴
- ۵۱۔ اضواء علی السنۃ، ۲۰۱، ۲۱۶؛ شیخ المضیرۃ، ۱۰۳؛ ابوہریرہ، ۲۶۸
- ۵۲۔ تاویل مختلف الحدیث، ۴۶، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء؛ البدایۃ، ۸/۱۵۶
- ۵۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۸/۱۵۵
- ۵۴۔ جامع بیان العلم، ۲/۱۲۲
- ۵۵۔ تاویل مختلف الحدیث، ۴۷، ۴۸؛ متعدد صحابہ کرام قلت روایت کے پابند تھے۔
- ۵۶۔ جامع بیان العلم، ۲/۱۲۲
- ۵۷۔ جامع بیان العلم، ۲/۱۲۱

- ۵۸۔ شیخ المضیرة، ۱۳۵
- ۵۹۔ اضواء علی السنة، ۲۰۲
- ۶۰۔ بخاری، الجامع، کتاب الصوم، باب الصائم یصبح جنباً، ۲/۲۳۲، دارالفکر بیروت؛ الموطا، کتاب الصیام، باب ماجاء...، ۱۸۰، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء؛ مسلم، الجامع، کتاب الصیام، باب صحة صوم...، ۳/۱۳۷؛ ترمذی، الجامع، کتاب الصوم، باب ماجاء فی الجنب یدرکه الفجر...، ۳/۱۴۹
- ۶۱۔ ابن حجر، فتح الباری، ۴/۱۱۸؛ خطابی، حاشیة علی سنن ابی داؤد، ۲/۷۸۱ حاشیہ ۱
- ۶۲۔ بخاری، الجامع، کتاب الجنائز، باب فضل اتباع الجنائز، ۲/۸۹؛ ابوداؤد، السنن، کتاب الجنائز باب فضل الصلاة...، ۳/۵۱۵، ۵۱۶؛ ترمذی، الجامع، کتاب الجنائز، باب ماجاء، ۳/۳۵۸؛ مسلم، الجامع، کتاب الجنائز، فضل الصلاة...، ۳/۵۲، دارالفکر، بیروت؛ البداية، ۸/۱۵۶؛ المستدرک، ۳/۵۸۴، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء
- ۶۳۔ حاکم، المستدرک، ۳/۵۸۸
- ۶۴۔ علامہ بدرالدین زرکشی نے روایات میں صحابہ کے ان اختلافات کو اپنی کتاب الاجابة لایراد ما استدرکتہ عائشة، میں جمع کر دیا ہے۔ تفصیل کا طالب رجوع کر سکتا ہے۔
- ۶۵۔ مسلم، الجامع، کتاب الآداب، باب الاستئذان، ۶/۱۷۷، ۱۷۸؛ ابوداؤد، السنن، کتاب الأدب، باب الاستئذان، ۵/۳۷۲؛ الموطا، کتاب الاستئذان، باب الاستئذان، ۶۳۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء
- ۶۶۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب الاستئذان، ۵/۳۷۲
- ۶۷۔ ترمذی، الجامع، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی غسل من غسل الميت، ۳/۳۱۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت؛ ابوداؤد، السنن، کتاب الجنائز، باب فی الغسل من غسل الميت، ۳/۵۱۱-۵۱۲
- ۶۸۔ جامع بیان العلم، ۲/۸۵
- ۶۹۔ ترمذی، الجامع، کتاب المناقب، باب مناقب ابی ہریرة، ۵/۶۸۱؛

- المستدرک، ۵۸۳/۳؛ المحدث الفاصل، ۵۵۷؛ البداية و النہایة، ۱۵۶/۸
- ۷۰۔ مسلم، الجامع، کتاب البیوع، باب الأمر بقتل الکلاب، ۳۶/۵-۳۷؛ ترمذی، السنن، کتاب الأحکام، باب ماجاء من أمسک کلباً، ۸۰/۴؛ ابوداؤد، السنن، کتاب الصيد، ۳۶۶/۳
- ۷۱۔ ضحی الاسلام، ۱۳۱/۲، ۱۳۲؛ شیخ المضيرة، ۱۴۳
- ۷۲۔ شرح مسلم للنووی، ۱۰/۲۳۶؛ سنن ابی داؤد کے شارح خطابی بھی کہتے ہیں: أراد ابن عمر تصدیق أبی هريرة وتوکید قوله (ابوداؤد، السنن، ۳/۲۶۶، حاشیہ ۱)
- ۷۳۔ اضواء علی السنة، ۲۱۲؛ شیخ المضيرة، ۲۱۷، ۲۲۹، ۲۳۶
- ۷۴۔ اضواء علی السنة، ۲۱۲؛ شرف الدین، ابوهريرة، ۳۵؛ شیخ المضيرة، ۲۲۰
- ۷۵۔ اضواء، ۲۱۳-۲۱۴؛ شیخ المضيرة، ۲۲۰
- ۷۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱۳/۲۶، ۶۹، ۱۴/۲۶۰ وغیرہ
- ۷۷۔ ایضاً، ۱۳/۲۲، ۶۹، ۱۴/۲۶۰
- ۷۸۔ اضواء علی السنة، ۲۰۷، ۱۲۵
- ۷۹۔ اضواء علی السنة، ۲۰۷؛ ابوهريرة، ۵۷
- ۸۰۔ بخاری، الجامع، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، ۱۴۵/۴؛ ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الحدیث...، ۴۰/۵؛ الرسالة، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹
- ۸۱۔ فجر الاسلام، ۲۲۰
- ۸۲۔ محمد عجاج الخطیب، ابوهريرة راوية الاسلام، ۳۱۵

## تالیفاتِ اساتذہ

### شعبہ علومِ اسلامیہ

- |                         |   |   |
|-------------------------|---|---|
| پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی | اصول الحدیث (جلد اول)                   | * |
| ڈاکٹر محمد سعد صدیقی    | علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت     | * |
| ڈاکٹر محمد سعد صدیقی    | مسلمان مورخین کا اسلوب تحقیق            | * |
| ڈاکٹر محمد سعد صدیقی    | اصطلاحات حدیث (ترجمہ)                   | * |
| ڈاکٹر محمد سعد صدیقی    | علم تفسیر - عہد بہ عہد                  | * |
| ڈاکٹر احسان الرحمن غوری | ذبح کون؟ اسماعیل یا اسحاق علیہما السلام | * |



## سندِ حدیث --- مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

ڈاکٹر احسان الرحمن غوری\*

حدیث رسول علیٰ صلواتہ والسلام قرآن کریم کے بعد شریعت اسلامیہ کا دوسرا بنیادی مصدر ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تا ہنوز جس احتیاط سے احادیث نبویہ کا اہتمام کیا ہے۔ اقوام عالم ایسی شاندار مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلم محققین کو بھی ہے بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ:

وہ (اسپرنگر) یہ دیکھ کر سخت متاثر ہوا اور حیران رہ گیا کہ مسلمان وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے تاریخی واقعات کے لیے ثبوت اور شہادت کا تنقیدی طریقہ اختیار کیا ورنہ اس سے پہلے یہ طریقہ کار صرف عدلیہ تک محدود تھا۔ انہوں نے یہ کیا کہ حدیث اور تاریخ کو بھی اس کے دائرے میں لے آئے اور اس وقت تک کسی ایک بات کو بھی بطور حقیقت قبول نہیں کیا جب تک چشم دید گواہ کی شہادت نہ ہو اور روایت کا سلسلہ اس راوی سے جس کے سینہ میں پہلی بار اس حدیث کا محافظ ہوا تھا اس تک جیسے یہ حدیث پہنچی، تو اتر سے قائم نہ رہا ہو (۱)

یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جسے بہت سے ممتاز سکالروں نے سراہا ہے۔

\* اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

## سند کی لغوی تعریف

ابن منظور لکھتے ہیں:

ما ارتفع من الارض من قبل الجبل أو الوادی. (۲)

پہاڑ یا وادی میں جو جگہ زمین سے بلند ہو اسے سند کہتے ہیں۔

فلان سند ای معتمد. (۳)

فلاں سند ہے یعنی معتمد ہے جس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

## اصطلاحی تعریف

سند کی اصطلاحی تعریفات درج ذیل ہیں۔ امام سیوطی سند کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

هو الاخبار عن طريق المتن. (۴)

متون کے طریق (راستے) کی خبر ہے۔

الطريق الموصل الى المتن.

ایسا راستہ جو متن تک پہنچاتا ہو اسے سند کہتے ہیں۔

لغوی اور اصطلاحی معنی کے درمیان مناسب واضح ہے۔

## عہد نبوی میں سند کا اہتمام

عہد نبوی میں ہی صحابہ کرام کے درمیان سند حدیث کے اہتمام کا رواج ہو گیا تھا صحابہ کرام

جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث ایک دوسرے کو بیان کرتے تو ایسے صیغوں سے بیان کرتے جن

سے سماع یا روایت کی صراحت ہوتی مثلاً سمعت، رأیت وغیرہ۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے

فرمایا ”میں اور میرا انصاری پڑوسی باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے ایک دن

وہ جاتا اور ایک دن میں، جب میں جاتا تو اس دن کی وحی سے متعلقہ تمام چیزیں اسے بیان کرتا اور جب

وہ جاتا تو وہ بھی ایسا کرتا۔ (۵)

## عہد صحابہ میں سند کا اہتمام

صحابہ کرام کا عہد مبارک حقیقتاً وہ دور ہے جب اسانید کے ذکر کرنے کا التزام شروع ہوا۔

اس کی ابتداء حضرت ابو بکرؓ نے کی آپ کسی صحابی کی روایت اس وقت تک قبول نہ کرتے جب تک اس

کے ساتھ کوئی دوسرا شخص گواہی نہ دیتا کہ یہ واقعتاً حدیث نبوی ہے۔ اس بارے حضرت قبیعہ بن ذویب فرماتے ہیں کہ ”ایک دادی یا نانی حضرت ابوبکر کے پاس آئی اور اپنے پوتے کی وراثت سے میراث کا سوال کرنے لگی حضرت ابوبکر نے فرمایا میرے علم کے مطابق قرآن و سنت سے تیرے لئے کوئی وراثت ثابت نہیں ہوتی تو اس وقت واپس چلی جاتا کہ میں لوگوں سے مزید استفسار کر لوں پھر آپ نے لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عرض کیا: ”میں اس وقت رسول اللہ کے پاس حاضر تھا جب آپ ﷺ نے دادی کو چھٹا حصہ عطا کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا تیرے ساتھ کوئی اور بھی اس کی گواہی دیتا ہے تو حضرت محمد بن سلمہ کھڑے ہوئے اور حضرت مغیرہ کی طرح ہی حدیث بیان کی تو حضرت ابو بکر نے فیصلہ نافذ کر دیا۔ (۶)

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری کا واقعہ بھی مشہور ہے جب حضرت عمرؓ نے ان سے دلیل طلب کی کہ یہ واقعہ نبی کی حدیث ہے۔ (۷)

عہد تالیف میں سند کا اہتمام

عہد تالیف میں تو اس بات کا بکثرت اہتمام ہو گیا کہ ہر راوی حدیث کی سند لازماً ذکر کرتا حتیٰ کہ مر اسیل بھی ناقابل اعتبار ٹھہریں صرف چند ایک معتبر اور ثقہ رواۃ کی مر اسیل قابل قبول تھیں۔ امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ ابتداء محدثین سند کے بارے بہت سختی نہ کرتے تھے لیکن جب فتنہ واقعہ ہوا تو محدثین فرماتے ہمارے سامنے اپنے رجال کا تذکرہ کروا کر تو وہ رجال حدیث اہل سنت ہوتے تو حدیث قابل قبول ہوتی اگر اہل بدعت ہوتے تو مردود ہوتی۔ (۸)

استشرقی نقطہ نظر

سند حدیث کی ابتداء کے بارے میں مستشرقین مختلف فیہ دکھائی دیتے ہیں ذیل کی سطور میں ان کے نقطہ نظر کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مستشرق کایتانی اور سند

ابتداء سند کے بارے میں کایتانی رقم طراز ہے:

سب سے پہلے احادیث کی جمع آوری کا کام عروہ بن زبیر متوفی ۹۴ھ نے سرانجام دیا۔ عروہ اسانید کا استعمال نہیں کرتے تھے اور نہ ہی قرآن کریم کے علاوہ اپنے کلام کا مصدر ذکر کرتے تھے۔ جیسا

کہ طبری نے جو کچھ ان سے بیان کیا ہے سے واضح ہوتا ہے۔ کایتانی کا نقطہ نظر ہے کہ عروہ، عبد الملک کے عہد خلافت میں جب احادیث نبویہ میں اسناد کا استعمال شروع ہوا تو اس وقت معروف نہیں رہا۔ اس کی اس رائے پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ احادیث میں اسناد کا استعمال عروہ متوفی ۹۴ھ اور ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ کے عرصہ حیات کے درمیان شروع ہوا۔

اس اعتبار سے کتب حدیث میں موجود اسانید کا ایک بڑا حصہ یقیناً دوسری صدی ہجری بلکہ تیسری صدی ہجری میں محدثین کا وضع کردہ ہے۔ (۹)

حقیقت یہ ہے کہ عروہ کی تحریروں کے اقتباسات صرف تاریخ طبری میں ہی مذکور نہیں ہیں بلکہ تاریخ طبری سے قبل کتب احادیث مثلاً مسند احمد وغیرہ میں موجود ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان کتب میں عروہ اپنے مصدر و ماخذ کو ذکر کرتے ہیں جیسا کہ مسند احمد میں عروہ حضرت عائشہ سے روایت بیان کرتے ہیں جس کی سند یوں ہے۔

حدثنا يعقوب حدثنا أبي عن صالح قال ابن شهاب أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة قالت: والله لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم. يقوم على باب حجرتي و الحبشة يلعبون في المسجد... الخ. (۱۰)

اور اس روایت کو امام بخاری اپنی صحیح میں اپنی سند سے یوں بیان کرتے ہیں:

حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال: حدثنا ابراهيم بن سعد عن صالح بن كيسان عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة قالت: لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يوماً على باب حجرتي و الحبشة يلعبون... الخ. (۱۱)

اور اسی روایت کو امام مسلم نے اپنی سند سے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حدثني ابو الطاهر أخبرنا ابن وهب أخبرني يونس عن ابن شهاب عن عروة بن الزبير قال: قالت عائشة: والله! رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم على باب حجرتي. (۱۲)



مسند احمد، صحیح بخاری و مسلم میں بہت سی ایسی روایات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ عروہ بن زبیر اسناد کا اہتمام کرتے تھے اور ان روایات سے کایتانی اور سپرنگر کے دعویٰ کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔

### مستشرق سپرنگر اور سند

سپرنگر کایتانی کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عروہ کی تحریریں بنام عبد الملک اسانید سے خالی ہیں۔ لہذا عروہ کی طرف سند کے استعمال کی نسبت یقیناً بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ (۱۳)

مستشرق ”ہور ووتز“ اور سند

ہور ووتز نے سند کے استعمال کے آغاز پر تحقیق کی اور اپنی کتاب Alter and Ursprung des Isnad Der Islam میں کایتانی اور سپرنگر کے موقف کا رد کیا اور واشگاف الفاظ میں کہا کہ جن لوگوں نے عروہ کے استعمال سند کی نفی کی ہے۔ حقیقت میں انہوں نے اس کی تحریروں اور اسانید کا مکمل طور پر مطالعہ نہیں کیا۔ اس کے بعد ہور ووتز سند کے استعمال کی ابتداء کب ہوئی، کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

The first entry of the isnad into the literature of tradition was in the last 3rd of first century (۱۴)

ادب حدیث میں اسناد کے استعمال کی ابتداء پہلی صدی کے آخر تہائی میں ہوئی۔

### مستشرق کولسن اور سند

کولسن اسانید کے بارے میں اپنے غلط نقطہ نظر کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اہل حدیث نے قرآن حکیم میں ثابت شدہ احکام کی اتباع کو ضروری قرار دینے کے لیے بہت سے قواعد اور احکام کو غلطی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا اور انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معین مقامات پر اقوال و افعال کو قصص و اخبار کی صورت میں کرتے تھے۔ اور حقیقت میں یہ ان کے اس پختہ عقیدے کا نتیجہ تھا کہ اگر نبی کو ہماری طرح مسائل و مشاغل درپیش آئے تو آپ بھی اپنی طرف منسوب احکام سے ہی ان کو حل کرتے۔ (۱۵)

کولسن کا یہ دعویٰ بودہ ہے کیونکہ اگر اس کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی دلیل ہوتی تو کولسن ضرور پیش کرتا جبکہ مسلمانوں کے نزدیک پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام پر جھوٹ باندھنا جائز نہیں ہے۔

## مستشرق مونٹگمری واٹ اور سند

مونٹگمری کا اسناد کے بارے میں یہ نقطہ نظر ہے کہ سند کی ابتداء ایک نامکمل شکل میں ہوئی۔ مونٹگمری اپنے اس دعویٰ کی دلیل واقدی اور ابن اسحاق کی کتاب سے پیش کرتا ہے کہ ابن سعد واقدی کا کاتب تھا اور وہ واقدی سے تقریباً بیس سال چھوٹا تھا۔ سلسلہ رواۃ کو کامل طور پر ذکر کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ واقدی کے ہم عصر امام شافعی نے کامل طور پر سلسلہ رواۃ کو بیان کرنے پر زور دیتے رہے۔ یہاں تک کہ جب مکمل سند کا بیان کرنا عام ہو گیا تو محدثین نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین تک سند کو اتنا پہنچانے لگے کہ جب وہ رواۃ کی طرف نسبت کرتے تو ان کی اضافت صحیح ہوتی کیونکہ انہوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کی معلومات کے چشمہ کو جان لیا تھا۔

اس کا مطلب ہے کہ سلسلہ روایت کے ابتدائی حلقے تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی جس طرح بعد کے حلقے میں ممکن ہے۔

مونٹگمری کے اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے دعوے میں شناخت وغیرہ سے مختلف نہیں ہے کہ اسانید بعد کی پیداوار ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس ظن و تخمین کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔

## مستشرقین روبسن اور سند

روبنسن نے سند کے موضوع پر گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ قرن اول کے نصف میں آدمی سند جیسی چیز کی توقع کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تحقیق کی بنیاد اس تصور پر رکھتا ہے:

It is during the middle years of the first century of islam that one would first expect anything like an Isnad. By then many of the companions were dead, and people who had not seen the Prophet would be telling stories about him. It might then naturally occur to some to ask these men for their Authority. The growth of a hard and fast system must have been very gradual (۱۶)

اسلام کی پہلی صدی کے وسط میں انسان پہلی بار اسناد جیسی چیز کی توقع کر سکتا ہے کیونکہ اس وقت تک بہت سے صحابہ کرام وفات پا چکے تھے اور جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا وہ

آپ کے بارے میں قصے بیان کرنے لگے۔ لہذا یہ ایک طبعی بات تھی کہ ان سے ان کی ثقاہت کے بارے میں استفسار کیا جائے۔ اسناد کا باضابطہ دقیق نظام بتدریج ظہور پذیر ہوا۔

اس سلسلے میں روبسن اپنی رائے کو اور بھی واضح طور پر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

کہ ہم جانتے ہیں کہ دوسری صدی کے نصف اول میں ابن اسحاق اکثر معلومات بغیر سند کے بلکہ اکثر روایات کو بغیر کامل سند کے بیان کرتے ہیں۔ ان کے پیشرو تو ان سے بھی کم اسناد کا اہتمام کرتے تھے مگر یہ کہنا درست ہوگا کہ سند کی ابتداء زہری کے دور میں ہوئی اور عروہ کے دور میں نہیں تھی جبکہ اسانید کے نظام کو کامل ارتقائی شکل تک پہنچنے میں کافی لمبا عرصہ لگا ہے اور آہستہ آہستہ پروان چڑھا ہے اور یہ بات بھی تسلیم کرنا ممکن ہے کہ بعض اسانید کا مرجع ابتدائی دور ہو جیسا کہ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے۔ (۱۷)

مذکورہ بالا روبسن کی گفتگو سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگرچہ اس کا اسلوب واقعی ہے لیکن اس کی گفتگو کا نتیجہ دوسرے مستشرقین سے مختلف نہیں ہے کہ قرن اول کے مابعد مسلمان علماء نے اسانید کو اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے۔

حقیقت میں روبسن بھی شاخت کے نظریہ سند کے دلائل کی تائید کر رہے ہیں۔

### مستشرق شاخت اور سند

شاخت نے فقہی احادیث اور ان کے ارتقاء کا مطالعہ کیا ان احادیث میں اسناد کو نہ پانے کی وجہ سے یہ رائے قائم کی کہ اسناد کا آغاز و ارتقاء مختلف گروہوں کے ہاتھوں ہوا جنہوں نے اپنے نظریات کو متقدمین میں سے ممتاز شخصیتوں کی طرف منسوب کرنا چاہا۔ اس بارے میں شاخت رقمطراز ہے کہ:

There is no reason to suppose that the regular practice of using isnad is older than the beginning of the second century A.H. (۱۸)

اس مفروضے کو قائم کرنے کی کوئی دلیل نہیں کہ اسناد کے باقاعدہ استعمال کا رواج دوسری صدی ہجری کے آغاز سے قبل کا ہے۔

مزید کہتے ہیں کہ حدیثوں کی اسانید کا ایک بڑا حصہ من گھڑت اور بناوٹی ہے اور سب کو معلوم ہے کہ اسانید کا آغاز ابتدائی شکل میں ہوا اور تیسری صدی ہجری کے نصف میں اپنے کمال کو پہنچی اور اس دور میں اسانید کا بہت زیادہ استعمال بڑھ گیا جس کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا اور جس گروہ نے اپنی آراء

کو متقدمین کی طرف منسوب کرنا چاہا وہ ان شخصیات کا انتخاب کرتے اور اسناد میں ان کو بیان کر دیتے۔ (۱۹)



## حواشی و حوالے

- ۱- ڈاکٹر سید حسین الحق، سیرت محمد رسول اللہ تاریخ کے تناظر میں، فضلی سنز، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص ۵۴۔
- ۲- ابن منظور الافریقی، لسان العرب، دار لسان العرب، بیروت، مادہ سند۔
- ۳- فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحيط، مؤسسة الحلبي، قاہرہ، ج ۱، ص ۳۰۳۔
- ۴- السیوطی، جلال الدین بن ابی بکر، تدریب الراوی، دار احیاء السنۃ، ۱۹۷۹ء، ص ۶۔
- ۵- العسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری بشرح، صحیح البخاری، مکتبہ سلفیہ، قاہرہ، ۱/۱۸۵۔
- ۶- ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، المکتبۃ السلفیہ، مدینہ منورہ، ۳/۲۸۳۔
- ۷- ابن حنبل، احمد بن محمد، مسند أحمد، تحقیق: احمد محمد شاکر، دار المعارف للطباعة، مصر، ۱۹۹۴م، ۴/۲۹۳۔
- ۸- القشیری، مسلم بن الحجاج بن مسلم، صحیح مسلم، مطبعة محمد علی صبیح و اولادہ، قاہرہ، ۱/۱۱؛ بغدادی، احمد بن علی الخطیب، الکفاۃ فی علم الروایۃ، مجلس دائرة المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۷۰ء، ص: ۱۲۲۔
- ۹- J. Robson, The Isnad in Muslim Tradition, Glasgow University Oriental Society, vol xv, P18.
- ۱۰- مسند احمد، ۳۳/۳۵۰۔
- ۱۱- بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، دار السلام، ریاض، باب اصحاب

الحراب فی المسجد، ج: ۲۳۵

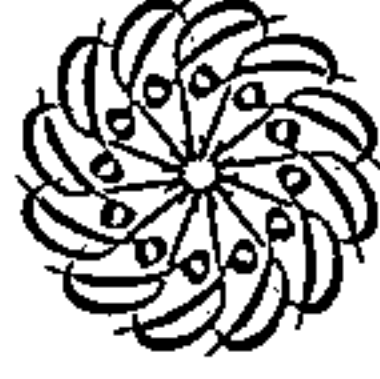
- ۱۲- صحیح مسلم، باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصية فیہ فی ایام العید، ج ۱۲۸۱۔
- ۱۳- J. Robson, The Isnad in Muslim Tradition, Glasgow University Oriental Society, vol xv, P18
- ۱۴- Ibid, p39
- ۱۵- مناهج المستشرقین فی الدراسات العربیة الاسلامیة، مکتب التریبة العربیة لدول الخلیج، ریاض، سعودیہ، ۱/۲۲۹۔
- ۱۶- J. Robson, The Isnad in Muslim Tradition, Glasgow University Oriental Society, vol xv, p21, 1955.
- ۱۷- اعظمی، محمد مصطفیٰ، ڈاکٹر، دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ، شرکت الطباعة العربیة السعودیة، ریاض، ۱۹۸۱ء، ۳/۳۹۳۔
- ۱۸- Schacht, Origins of Muhammeden Jurispruden, Oxford, 1959. p:36-37.
- ۱۹- Ibid, p: 163, 164

## تالیفاتِ اساتذہ

### شعبہ علومِ اسلامیہ

- |                               |  |   |
|-------------------------------|--|---|
| ڈاکٹر احسان الرحمن غوری       | Mohammad Foretold in the Bible by Name | ✽ |
| پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی       | شرح از بعینِ نووی                      | ✽ |
| پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی | سید علی ہجویریؒ حالات و خدمات          | ✽ |
| ڈاکٹر جمیلہ شوکت              | Studies in Hadith                      | ✽ |
| ڈاکٹر جمیلہ شوکت              | Ishaq b. Rahawayh: Life and Works      | ✽ |
| ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر     | حدیثِ نبوی اور مستشرقین                | ✽ |









## لمحات من منهج الامام النووى فى شرح صحيح مسلم

عبد الكريم مستور القرنى\*

تمهيد: التعريف بالامام النووى

لقد ترجم له علماء كثيرون منهم من ترجم له ضمن علماء المذهب حيث كان رحمه الله شيخ المذهب كالسبكي فى الطبقات الشافعية الكبرى. ومنهم من ترجم له ضمن الأعلام البارزين من الحفاظ كالذهبي فى تذكرة الحفاظ. ومنهم من أفرد له ترجمة مستقلة كتلميذه ابن العطار فى كتابه تحفة الطالبين فى ترجمة الامام محيى الدين، والسخاوى فى كتابه المنهل العذب الروى والسيوطى فى كتابه المنهاج السوى فى ترجمة الامام النووى. فرأيت أن أستخرج له ترجمة موجزة فأقول:

اسمه ونسبه: هو يحيى بن شرف بن مري<sup>1</sup>، بضم الميم وكسر الراء، محيى الدين أور زكيريا النووى<sup>2</sup>، ثم الدمشقى.

مولده ونشأته: ولد بنوى سنة احدى وثلاثين وستمئة ونشأ طيبة منذ زمن مبكر من عمره فاتجه الى حفظ القرآن فى صباه وأكمله وهو دون

---

\*الاستاذ المساعد فى قسم الكتاب والسنة، كلية الدعوة واصول الدين، جامعة ام القرى، مكة المكرمة

سن البلوغ، ولم يكن يلعب ولا يلهو مع أقرانه من الصبيان، وقد تفرس فيه أحد الصلاحين أنه سيكون له شأن ومكانة في الأمة وكانت هذه الفراسة أنفع للمسلمين إذ كان بسببه وسعى هذا الشيخ ظهور عالم زاهد تقى انتفع المسلمون بكتبه.

ذكر هذه الأمر ابن العطار تلميذ النووى قال: ذكرلى الشيخ ياسين بن يوسف المراكشى رحمه الله قال: رأيت الشيخ محى الدين وهه ابن عشر سنين بنوى والصبيان يكرهونه على اللعب معهم وهو يهرب منهم، ويبكى لآكراههم ويقراً القرآن فى تلك الحال فوقع فى قلبى محبته وجعله أبوه فى دكان، فجعل لا يشتغل بالبيع والشراء عن القرآن، قال: فأتيت الذى يقرئه القرآن فوصيته به وقلت له: هذا الصبى يرجى أن يكون أعلم أهل زمانه وأزهدهم وينتفع الناس به، فقال لى: أمنجم أنت؟ فقلت: لا وإنما أنطقنى الله بذلك، فذكر ذلك لوالده فحرص عليه الى أن ختم القرآن وقد ناهز الاحتلام<sup>3</sup>. وقدم دمشق سنة تسع وأربعين<sup>4</sup>.

جده واجتهاده فى طلب العلم: قال الذهبى: فحفظ التنبيه فى أربعة أشهر ونصف وقرأ ربع المذهب حفظاً فى باقى السنة ولزم الاشتغال ليلاً ونهاراً نهو عشر سنين حتى فاق الأقران وتقدم على جميع الطلبة وحاز قصب السبق فى العلم والعمل ثم أخذ فى التصنيف فى حدود الستين وستمائة الى أن مات<sup>5</sup>.

قال ابن العطار تلميذ النووى: قذكر الشيخ قال: كنت أقرأ كل يوم اثنتى عشر درساً على المشايخ شرحاً وتصحيحاً درسين فى الوسيط ودرسا فى المذهب ودرسا فى الجمع بين الصحيحين ودرسا فى صحيح مسلم ودرسا فى اللمع لابن جنى فى النحو ودرسا فى اصلاح المنطق لابن

السکیت فی اللغة ودرسا فی التصریف ودرسا فی أصول الفقه تارة فی اللمع لأبی اسحاق وتارة فی المنتخب لفخر الدین الرازی ودرسا فی أسماء الرجال ودرسا فی أصول الدین۔

وقال ابن العطار: ذکر لی أنه كان لا یضیع وقتا فی لیل ولا نهار الا فی وظيفة من الاشتغال بالعلم حتی فی ذهابه فی الطریق ومجیئه یشغل فی تکرار محفوظه أو مطالعة وأنه بقى علی التحصیل علی هذا الوجه نحوست سنین<sup>6</sup>۔

قال النووی: وجعلت أشرح وأصح علی شیخنا الامام العالم الزاهد الورع ذی الفضائل والمعارف أبی ابراهیم اسحاق بن أحمد بن عثمان المغربی الشافعی رحمه الله ولا زمته، قال: فأعجب بی لما رأى من اشتغالی وملازمتی وعدم اختلاطی بالناس وأحبنی محبة شديدة وجعلنی أعید الدرس فی حلقتہ لأكثر الجماعة<sup>7</sup>۔

شیوخہ:

فی الفقه: منهم الامام المتفق علی علمه وزهده، وورعه وكثرة عبادته، وعظم فضله وتمیزه علی أشکالہ: أبو ابراهیم اسحاق بن عثمان المغربی، ثم المقدسی۔

فی الحدیث: وأخذ فقه الحدیث عن الشیخ المحقق أبی اسحاق ابراهیم بن عیسی المرادی، الأندلسی، الشافعی شرح علیہ (مسلماً) ومعظم (البخاری)، وجملة مستکثرة من (الجمع بین الصحیحین) للحمیدی۔

وقرأ علی الشیخ الحافظ الزین أبی البقاء خالد بن یوسف بن سعد النابلسی (الکمال فی أسماء الرجال) للحافظ عبد الغنی المقدسی، وعلق علیہ حواشی، وضبط عنه أشياء حسنة۔

فی أصول الفقه: وقرأ على العلامة القاضي أبي الفتح عمر بندار بن عمر بن علي التفليسي، الشافعي: (المنتخب) للفخر الرازي، وقطعة من (المستصفي) للغزالي<sup>8</sup>.

وسمع الحديث من الرضى بن البرهان وشيخ الشيوخ عبد العزيز بن محمد الأنصارى وغيرهما، وسمع الكتب الستة والمسند والموطأ وشرح السنة للبخارى وسنن الدار قطنى وأشياء كثيرة<sup>9</sup>.

تلاميذه: تخرج به جماعة من العلماء منهم علاء الدين ابن العطار وأخذ عنه الشيخ شمس الدين النقيب وقاضى القضاة بدر الدين بن جماعة وحدث عنه المزى وغير واحد<sup>10</sup>.

ثناء العلماء عليه: قال ابن العطار تلميذ النووى: كان قد صرف أوقاته كلها فى أنواع العلم والعمل بالعلم<sup>11</sup>.

وقال الذهبى: وكان مع تبحره فى العلم وسعة معرفته بالحديث والفقه واللغة وغير ذلك مما قد سارت به الركبان رأساً فى الزهد قدوة فى الورع عديم المثل فى الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر قانعا باليسير تعلوه سكينته وهيبته<sup>12</sup>.

وقال ابن كثير: شيخ المذهب وكبير الفقهاء فى زمانه، وقد كان من الزهادة والعبادة والورع والتحرى.. على جانب كبير لا يقدر عليه أحد من الفقهاء وغيره<sup>13</sup>.

مؤلفاته: اعتنى بالتصنيف فألف مؤلفات متنوعة فى الحديث وعلومه والفقه وغير ذلك من المؤلفات التى تشهد له بمكانته فى العلم وحسن التأليف.

قال الذهبى: وقد نفع الله تعالى الأمة بتصانيفه وانتشرت فى الأقطار  
وجلبت الى الأمصار فمنها المنهاج فى شرح مسلم<sup>14</sup>.  
وألف فى الحديث رياض الصالحين والأذكار والأربعين وهى من  
الكتب المهمة التى لا تكاد تخلو بيت مسلم منها.  
وفى علوم الحديث كتاب الارشاد ومختصره التقريب، وفى الفقه له  
بإع طویل فقد ألف مؤلفات معتمدة فى الفقه فى المذهب الشافعى  
كالمجموع شرح المذهب وروضة الطالبين ومنهاج الصالحين.  
قال ابن كثير جمع شيئا كثيرا منها ما أكمله ومنها ما لم يكمله فمما  
أكمله شرح مسلم والروضة والمنهاج والرياض ومما لم يكمله ولو كمل لم  
يكن له نظير فى باب شرح المذهب الذى سماه المجموع وصل فيه الى  
كتاب الربا<sup>15</sup>.

وفاته: عاد الى نوى فمرض عنده والده فحضرت المنية فى الرابع  
والعشرين من رجب سنة ست وسبعين وستمائة<sup>16</sup>.  
فرحمه الله رحمة واسعة وأسكنه بجنوح جنته وجزاه الله خيرا فى  
الدارين وأعلى قدره على ما قدم للإسلام والمسلمين، فقد كان نورا ساطعا  
فى زمانه وبلسما شافيا لحل قضايا المسلمين، فلا غرابة أن يتأسف الخاصة  
والعامة من الخلق على فراقه وفقده.

المبحث الأول: لمحات من منهج الامام النووى فى شرح  
صحيح مسلم

فان شرح الامام الحافظ أبى زكريا يحيى بن شرف بن مرى النووى  
المتوفى 676هـ لصحيح الامام أبى الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم  
القشيري النيسابوري المتوفى 261هـ والمسمى "المنهاج فى شرح صحيح

مسلم بن الحجاج" يعد من الشروح المحممة ذات الجوانب المتعددة ولا يطغى جانب على جانب آخر بل يوازي بين الجوانب مما يتعلق بعلم الاسناد أو بشرح الحديث أو باهتمام اللغة والضبط أو باقتباس الفوائد من الحديث كما نرى عند بعض شراح الحديث يطول في بعض الجوانب ويوجز في جوانب أخرى.

وقد ألقى النورى النظر على الشروح السابقة لصحيح مسلم "كالمعلم بفوائد مسلم" للامام أبى عبد الله محمد بن على التميمى المازرى المتوفى سنة 536هـ واكمال المعلم فى شرح صحيح مسلم للقاضى عياض المتوفى سنة 544هـ والتحرير فى شرح صحيح مسلم لمحمد بن اسماعيل بن محمد بن الفضل التميمى الأصبهاني الشافعى وغيرهم، فاستخلص الخلاصة العلمية من تلك الشروح وغيرها وأضاف من عنده فوائد واستنباطات مما جعله أهم الشروح المطبوعة اليوم لصحيح مسلم، وهو من الشروح المتوسطة التى يستوعبها طالب العلم فهو ليس بالطويل الممل ولا بالموجز المخل، قال الدكتور أبو شهية: وهو شرح وسط راعى فيه مؤلفه وُن لا يكون قصيراً مخللاً ولا طويلاً مملاً<sup>17</sup>.

ومن خلال مطالعتى لهذا الشرح أحببت أن أشارك بابرار أهم النقاط البارزة فى منهجه فى هذا الشرح المبارك ولا أدعى الاستقصاء فى ذلك بل حاولت وقاربت ما استطعت الى ذلك سبيلاً.

وقد جعلت بحث هذا المنهج فى النقاط التالية:

أولاً: من منهجه وضع تراجم لأبواب صحيح مسلم لأن صحيح

مسلم لم يضع له الامام مسلم تراجم الأبواب بل اكتفى بترتيب كتابته على الأبواب وقد ذكر الامام النورى فى المقدمة وفى أثناء شرحه أنه قام بذلك فقد قال فى مقدمة شرحه لصحيح مسلم: ثم ان مسلماً رحمه الله رتب كتابه

على أبواب فهو مبوب في الحقيقة ولكنه لم يذكر تراجم الأبواب فيه لئلا يزداد بها حجم الكتاب أو لغيره ذلك ثم قال النووي: وقد ترجم جماعة أبوابه بتراجم بعضها جيد وبعضها ليس بجيد أما لقصور في عبارة الترجمة وأما لركاكة لفظها وأما لغير ذلك، وأنا إن شاء الله أحرص على التعبير عنها بعبارات تليق بها في مواطنها والله أعلم<sup>18</sup>.

وقد ذكر النووي في أثناء حديث في شرح مسلم فقال: "وهو ظاهر فيما ترجمنا له وهو مراد مسلم بإدخال هذا الحديث هنا"<sup>19</sup>.

ثانياً: ومن منهجه - رحمه الله - اهتمامه اهتماماً كبيراً في شرحه برفع التعارض الظاهر بين النصوص الشرعية بحمل كل منها على محمل صحيح حيث قال رحمه الله: والجمع بين الأحاديث التي تختلف ظاهراً ويظن بعض من لا يحقق صناعتى الحديث والفقہ وأصوله كونها متعارضات<sup>20</sup>.

مثال ذلك

ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم من حديث أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لن يدخل أحداً منكم عمله الجنة قالوا: ولا أنت يا رسول الله قال: ولا أنا إلا أن يتغمدني الله منه بفضله ورحمة<sup>21</sup>.

فرأى الإمام النووي أن هذا الحديث يعارض في الظاهر قوله تعالى (ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون)<sup>21</sup>، وقوله تعالى (وتلك الجنة التي أوزتموها بما كنتم تعملون)<sup>22</sup>.

فرفع هذا التعارض الظاهر بين هذا الحديث وبين الأيتين وما أشبههما، وقال: معنى الآيات أن دخول الجنة بسبب الأعمال ثم التوفيق للأعمال والهداية للاخلاص فيها وقبولها برحمة الله وفضله فيصح أنه لم

يدخل بمجرد العمل وهو مراد الأحاديث ويصح أنه دخل بالأعمال أى:  
يسببها وهي من الرحمة والله أعلم<sup>23</sup> -

مثال (2)

عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يصلي الضحى الا أن يجى من  
مغيبه وأنها ما رآته صلى الله عليه وسلم يصلى - سبحة الضحى قط قالت واني لأسبحها وان  
كان رسول الله ليدع العمل وهو يحب أن يعمل به خشية أن يعمل به الناس  
فيفرض عليهم وفي رواية عنها أنه صلى الله عليه وسلم كان يصلى الضحى أربع ركعات  
ويزيد ما شاء، وفي رواية ما شاء الله وفي حديث أم هانى أنه صلى الله عليه وسلم صلى  
ثمان ركعات، وفي حديث أبي هريرة وأبي الدرداء ركعتان - هذا الأحاديث  
كلها متفقة لا اختلاف بينها عند أهل التحقيق وحاصلها أن الضحى ستة  
مؤكدة وأن أقلها ركعتان وأكملها ثمان ركعات وبينهما أربع أو ست كلاهما  
أكمل من ركعتين ودون ثمان وأما الجمع بين حديثى عائشه فى نفي صلاته  
صلى الله عليه وسلم الضحى وإثباتها فهو أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصليها بعض الأوقات  
لفضلها ويتركها فى بعضها خشية أن تفرض كما ذكرته عائشه ويتأول قولها ما  
كان يصليها الا أن يجى ء من مغيبه على أن معناه ما رآته كما قالت فى  
الرواية الثانية ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى سبحة الضحى وسببه أن النبي  
صلى الله عليه وسلم ما كان يكون عند عائشه فى وقت الضحى الا فى نادر من الأوقات  
فانه قد يكون فى ذلك مسافراً وقد يكون حاضراً ولكنه فى المسجد أو فى  
موضع آخر واذا كان عند نساءه فانما كان لها يوم من تسعة فيصح قولها ما  
رأيت يصليها وتكون قد علمت بخبره أو خبر غيره أنه صلاها أو يقال قولها ما  
كان يصليها أي ما يداوم عليها فيكون نفياً للمداومة لا لأصلها والله أعلم -  
وأما ما صح عن ابن عمر أنه قال فى الضحى هي بدعة فمحمول على



صلاتها في المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة لا أن أصلها في البيوت ونحوها مذموم أو يقال قوله بدعة أي المواظبة عليها لأن النبي ﷺ لم يواضب عليها خشية أن تفرض وهذا في حقه ﷺ وقد ثبت التحباب المحافظة في حقنا بحديث أبي الدرداء وأبي ذر أو يقال أن ابن عمر لم يبلغه فعل النبي ﷺ الضهي وأمره بها وكيف كان فجمهور العلماء على استحباب الضهي وإنما نقل التوقف فيها عن ابن مسعود وابن عمر والله اعلم<sup>24</sup>.

مثال (3)

ورد عن النبي من حديث عبد الله بن زيد بن خالد الجهني أن النبي ﷺ قال: ألا أخبركم بخير الشهداء الذي يأتي بشهادته قبل أن يسألها<sup>25</sup>.

وورد عن النبي من حديث في معرض ذم من يأتي بالشهادة قبل أن يستشهد.

وقد يفهم من هذين الحديثين تعارضاً ظاهراً أيضاً فوجههما الامام النووي بما يزيل هذا التعارض حيث قال: قوله: "ألا أخبركم بخير الشهداء الذي يأتي بشهادته قبل أن يسألها" - وفي المراد بهذا الحديث تأويلان أصحهما وأشهرهما تأويل مالك وأصحاب الشافعي أنه محمول على من عنده شهادة لانسان بحق ولا يعلم ذلك الانسان أنه شاهد فيأتي اليه فيخبره بأنه شاهد له.

والثاني: أنه محمول على شهادة الحسبة وذلك في غير حقوق الأدميين المختصة بهم فما تقبل فيه شهادة الحسبة الطلاق والعتق والوقف والوصايا العامة والحدود ونحو ذلك فمن علم شيئاً من هذا النوع وجب عليه رفعه الى القاضي واعلامه به والشهادة قال تعالى (وأقيموا الشهادة لله)<sup>26</sup>.

وكذا فى النوع الأول يلزم ن عنده شهادة لانسان لا يعلمها أن يعلمه اياها لأنها أمانة له عنده . . . الخ.

ثم قال: وليس فى هذا الحديث مناقضة للحديث الأخر فى ذم من يأتى الشهادة قبل أن يستشهد فى قوله عليه وسلم "يشهدون ولا يستشهدون".  
وقد تأول العلماء هذا تأويلات:

أصحها تأويل أصحابنا أنه محمول على من معه شهادة لأدمى عالم بها فيأتى فيشهد بها قبل أن تطلب منه .

والثانى: أنه محمول على شاهد الزور فيشهد بما لا أصل له ولم يستشهد

والثالث: أنه محمول على من ينتصب شاهد وليس هو من أهل الشهادة.

الرابع: أنه محمول على من يشهد لقوم بالجنة أو بالنار من غير توقف وهذا ضعيف والله أعلم<sup>27</sup>.

وهذا التوجيه الذى وجه المؤلف هذه الأحاديث وغيرها مما يوهم تعارضاً إنما هو تقرير لأمر ظاهر وتأكيد لقضية مهمة وهى أنه لا يوجد بين النصوص الشرعية الصحيحة تعارض فى حقيقة الأمر بل يستحيل التعارض الحقيقى بين نصوص الوحي المطهر فانه كلها حق وصدق.

قال ابن القيم الجوزية: ليس بين أحاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم تعارض ولا تناقض ولا اختلاف، وحديثه كله يصدق بعضه بعضاً<sup>28</sup>.

ثالثاً: من منهجه أنه يستنبط من الأحاديث النبوية قواعد أصولية حيث قال رحمه الله: وأذكر فيه ان شاء الله جملاً من علومه الزاهرات من أحكام الأصول والفروع . . . وبيان نفائس من أصول القواعد الشرعية<sup>29</sup>.

مثال

حدیث أم المؤمنین عائشه رضی اللہ عنہا عن النبی ﷺ "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد" <sup>30</sup>۔

استنبط الامام النووی - رحمہ اللہ - من هذا الحدیث مسألة أصولية حيث قال : وفي هذا الحدیث دليل لمن يقول من الأصوليين أن النهی يقتضى الفساد، يقول: هذا خبر واحد ولا يكفى فى اثبات هذه القاعدة المهمة، وهذا جواب فاسد <sup>31</sup>۔

ومثال (2) يدل على عناية واهتمامه بالمسائل الأصولية۔

فقد روى مسلم - رحمہ اللہ - حدیث أبی سعيد الخدری قال سمعت رسول اللہ ﷺ يخطب بالمدينة قال: يا أيها الناس ان اللہ تعالى يعرض بالخمير ولعل اللہ سیترل فیها أمراً فمن كان عنده منها شيء فليبعه ولينتفع به قال فما لبثنا الا یسیراً حتى قال النبی ﷺ : ان اللہ تعالى حرم الخمر فمن أدركته هذه الآية وعنده منها شيء فلا يشرب ولا یبيع، قال : فاستغل الناس بما كان عنده منها فی طریق المدينة فسفكوها <sup>32</sup>۔

قال الامام النووی - رحمہ اللہ - فی حدیث تحريم الخمر واراقتها فی المدينة ، قال: وفي هذا الحدیث دليل على أن الأشياء قبل ورود الشرع لا تكليف فیها بتحریم ولا غيره وفي المسألة خلاف مشهور للأصوليين الأصح أنه لا حکم ولا تكليف قبل ورود الشرع لقوله تعالى (وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا) <sup>33</sup>۔

وبهذا يصبح الامام النووی من كبار العلماء المستنبطين من نصوص السنة قواعد كلية ومسائل أصولية وغير ذلك مما تدل عليه الأحاديث النبوية، ولذلك ترجم له المراغی فی الفتح المبين فی طبقات الأصوليين <sup>34</sup>۔

رابعاً: من منهجه ذكر الأحكام الفقهية المستنبطة من الأحاديث  
يايجاز مع ذكر أقوال الأئمة في المسألة وتوجيه هذه الأقوال بذكر وجه استد  
لا لها بأحاديث

مثال

حديث عائشة: (فرضت الصلاة ركعتين ركعتين في الحضر والسفر  
فأقرت صلاة السفر وزيد في صلاة الحضر).

قال النووي: اختلف العلماء في القصر في السفر فقال الشافعي  
ومالك بن أنس وأكثر العلماء: يجوز القصر والاتمام والقصر أفضل، ولنا  
قول الاتمام أفضل، ووجه أنهما سواء والصحيح المشهور أن القصر أفضل،  
وقال أبو حنيفة وكثيرون: القصر واجب ولا يجوز الاتمام، ويحتجون بهذا  
الحديث وبأن أكثر فعل النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه كان القصر، واحتج الشافعي  
وموافقه بالأحاديث المشهورة في صحيح مسلم وغيره أن الصحابة رضوا الله  
عنهم كانوا يسافرون مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فمنهم القاصر ومنهم المتمم  
ومنهم الصائم ومنهم المفطر لا يعيب بعضهم على بعض، وبأن عثمان كان  
يتم، وكذلك عائشه وغيرها، وهو ظاهر قول الله عز وجل: (فليس عليكم  
جناح أن تقصروا من الصلاة)<sup>35</sup> وهذا يقتضي رفع الجناح والا با حة، وأما  
حديث: فرضت ركعتين، فمعناه فرضت ركعتين لمن أراد الاقتصار عليهما،  
فزيد في صلاة الحضر ركعتان على سبيل التحميم وأقرت صلاة السفر على  
جواز الاقتصار، وثبت دلائل جواز الاتمام فوجب المثير اليهما والجمع بين  
دلائل الشرع<sup>36</sup>.

خامساً: ومن منهجه رحمه الله الاعتناء بالضبط.

كان المحدثون وغيرهم يعتنون بضبط ما يشكل عليهم تجنباً من

تطرق التصحيف والتحريف الى حديث رسول الله ﷺ حتى لا يقول ما لم يقله ولذلك قال ابن الصلاح في الاعتناء بالضبط: هذا فن جليل انما ينهض بأعبائه الحذاق من الحفاظ، قال: والدار قطنى منهم<sup>37</sup> .  
والامام النووى كان يعنى بضبط ألفاظ الحديث والأماكن الواردة فيه والأعلام وله باع طويل فى ذلك ومن طالع كتابه وتأمله تبين له ذلك جلياً.

قال النووى رحمه الله فى مقدمة شرحه مبينا منهجه فى ذلك: وايضاح معانى الألفاظ اللغوية وأسماء الرجال وضبط المشكلات . . وضبط جمل من الأسماء المؤتلفات والمختلفات<sup>38</sup> .

مثال : روى مسلم فى صحيحه حديث عدى بن حاتم قال: قال رسول الله ﷺ: ما منكم من أحد الا سيكلمه الله ليس بينه وبينه ترجمان . . الحديث<sup>39</sup> .

قال الامام النووى رحمه الله فى ضبط لفظ ترجمان: بفتح التاء وضمها وهو المعبر عن لسان بلسان<sup>40</sup> .

مثال (2): أخرج مسلم حديثاً مرفوعاً قال فيه : من استطاع منكم أن يستتر من النار ولو بشق تمرة فليفعل<sup>41</sup> .

قال النووى فى ضبط كلمة "شق تمرة" بكسر الشين نصفها وجانبها ، وفيه الحث على الصدقة، وأنه لا يمنع منها لقلتها وأن قليلها سبب للنجاة من النار<sup>42</sup> .

مثال (3) لضبط ما يشكل ويخاف تصحيفه كقوله فى حديث عوف بن مالك الأشجعي قال : خرجت مع مع زيد بن حارثة فى غزوة مؤتة<sup>43</sup> .

قال النووى : قوله "غزوة مؤتة" هى بضم الميم ثم همزة ساكنة،

ویجوز ترک الهمزة كما فی نضاءره وهی قرية معروفة فی طرف الشام عند الکرک<sup>44</sup> .

سادساً: من منهجه بعد شرح الحديث محاولة اقتناص الفوائد واستنباط الفوائد من الحديث فيسرد مثلاً فوائد منتزعة من الحديث قریه أو بعیده ویسردها حسب ما استنبطه من الحديث قال رحمه الله مبينا منهجه فی ذلك: وأنبه علی ما یحضرنی فی الحال فی الحديث من المسائل العلیات وأشير الی الأدلة فی كل ذلك اشارات الا فی مواطن الحاجة الی البسط للضرورات وأحرص فی جمیع ذلك علی الایجاز وایضاح العبارات<sup>45</sup> .

ومثال ذلك ما أخرجه مسلم فی صحيحه عن عروة أن أسامة بن زيد أخبره أن النبی صلی الله علیه وسلم ركب حماراً علیہ اكاف تحته قطيفة فدکة وأردف أسامة وهو يعود سعد بن عبادة فی بنی الحارث وذلك قبل وقعة بدر حتی مر بمجلس فیہ أخلاط من المسلمین والمشرکین عبدة الأوثان والیهود فیهم عبد الله بن أبی وفي المجلس عبد الله بن رواهة ، فلما غشيت المجلس عجاجة الدابة خمر عبد الله بن أبی أنفه بردائه ثم قال: لا تغبروا علینا فسلم علیهم النبی صلی الله علیه وسلم ثم وقف . . . الخ<sup>46</sup> .

قال النووی: وفيه جواز الارداف علی الحمار وغيره من الدواب اذا كان مطيقاً وفيه جواز العيادة راكباً وفيه أن ركوب الحمار ليس بنقص فی حق الکبار وفيه جواز الابتداء بالسلام علی قوم فیهم مسلمون وكفار<sup>47</sup> .

سابعاً: ومن منهجه رحمه الله تعالی عزو ما ينقله عن غيره من العلماء ویذكر الأعلام عند أول ذکرهم بشيء من البیان بذكر نسبهم وعلو منزلتهم فی فهم وبین منهجه فی ذلك بقوله: وحيث أنقل شيئاً من أسماء الرجال واللغة وضبط المشكل والأحكام والمعاني وغيرها من المنقولات فان كان مشهوراً لا أضيفه الی قائله لكثرتهم ال نادراً لبعض المقاصد

الصالحات، وان كان غريباً أضفته الى قائله الا أن أذهل عنه في بعض المواطن لطول الكلام أو كونه مما تقدم بيانه في الأبواب الماضية<sup>48</sup> .

مثال

قال رحمه الله في اختلاف العلماء في الايمان والاسلام : قال الام أبو سليمان أحمد بن محمد بن ابراهيم الخطابي البستي الفقيه الأديب الشافعي المحقق رحمه الله في كتابه معالم السنن . . . .<sup>49</sup>

ثم نقل عن البغوي وقال عنه: وقال الامام أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي الشافعي رحمه الله في حديث سوال جبريل . . . .

ثم قال : وقال الام أبو عبد الله محمد بن اسماعيل بن محمد بن الفضل التميمي الأصبهاني الشافعي رحمه الله في كتابه التحرير في شرح صحيح مسلم: الايمان في اللغة هو التصديق . . .

ثم نقل عن ابن بطلال قال النووي: وقال الام أبو الحسن علي بن خلف بن بطلال المالكي المغربي في شرح صحيح البخاري: مذهب جماعة أهل السنة من سلف الأمة وخلفها أن الايمان قول وعمل يزيد وينقص . . . .<sup>50</sup>

وقال في ترجمته لمعبد الجهني: وأما معبد الجهني فقال أبو سعيد عبد الكريم بن محمد بن منصور السمعاني التميمي المروزي في كتابه الأنساب : الجهني بضم الجيم نسبة الى جهينة قبيلة من قضاة . . . .<sup>51</sup>

ثامنا: ومن منهجه رحمه الله الجواب عن مسلم فيما استدركه العلماء عليه كالدارقطني .

مثال ذلك قول النووي: واعلم أن حديث كعب بن عجرة هذا، ذكره الدارقطني في استدرآكاته على مسلم، وقال: الصواب أنه موقوف على كعب لأن من رفعه لا يقاومون من وقفه في الحفظ ، وهذا الذي قاله الدارقطني أيضاً من طرق أخرى مرفوعة ، وانما روى موقوفاً من جهة منصور

وشعبۃ، وقد اختلفوا علیہما أيضاً فی رفعہ ووقفہ، وین الدار قطنی ذلك ، وقد قدمنا فی الفصول السابقۃ فی أول هذا الشرح أن الحدیث الذی روی موقوفاً ومرفوعاً یحکم بأنه مرفوع علی المذهب الصحیح الذی علیہ الأصولیون والفقهاء والمحققون من المحدثین ، منهم البخاری وآخرون حتی لو کان الواقفون أكثر من الرافعین حکم بالرفع، کیف والأمر هنا بالعکس ودلیلہ ما سبق أن هذه زیادة ثقة، فوجب قبولها ولا ترد لنسیان أو تقصیر حصل بمن وقفه ، والله أعلم<sup>52</sup>۔

تاسعاً: ومن منهجه رحمه الله ذكر اختلاف النسخ وذكر أقوال العلماء فی توجيه هذا الاختلاف وبيان الراجح فی ذلك۔

مثال: روی مسلم حدیث عبد الله بن سرجس قال كان رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم، اذا سافر، یتعوذ باللہ من وعشاء السفر، وکآبة المنقلب، والحوار بعد الکون۔ الحدیث

قال النووی: قوله "والحوار بعد الكون" هكذا هو فی معظم النسخ من صحیح مسلم بعد الكون بالنون بل لا یکاد یوجد فی نسخ بلادنا لا بالنون وكذا ضبطه الحفاظ المتقنون فی صحیح مسلم۔

قال القاضی: وهكذا رواه الفارسی وغيره من اواة صحیح مسلم۔

قال: ورواه العذری بعد الكور بالراء۔

قال: والمعروف فی رواية عاصم الذی رواه مسلم عنه بالنون۔

قال القاضی: قال ابراهیم الحریری: یقال ان عاصماً وهم فیہ وأن

صوابه الكور بالراء۔ قلت ولیس كما قال الحریری ، بل كلاهما روايتان وممن ذكر الروایتین جميعاً الترمذی فی جامعہ وخلائق من المحدثین وذكرهما أبو عبید وخلائق من أهل اللغة وغریب الحدیث۔

قال الترمذی بعد أن رواه بالنون ویروی بالراء أيضاً ثم قال: وكلاهما



لہ وجہ قال: ويقال هو الرجوع من الايمان الى الكفر أو من الطاعة الى المعصية ومعناه الرجوع من شيء الى شيء من الشر هذا كلام الترمذی۔  
وكذا قال غيره من العلماء : معناه بالراء والنون جميعاً الرجوع من الاستقامة أو الزيادة الى النقص۔ قالوا: ورواية الراء مأخوذة من تكوير العمامة وهو لفها وجمعها ورواية النون مأخوذة من الكون مصدر كان يكون كوناً اذا وجد واستقر۔

قال المازرى فى رواية الراء: قيل أيضاً ان معناه أعوذ بك من الرجوع عن الجماعة بعد أن كنا فيها يقال كار عمامته اذا لفها وحرارها اذا نقضها وقيل نعوذ بك من أن تفسد أمورنا بعد صلاحها كفساد العمامة بعد استقامتها على الرأس۔

وعلى رواية النون قال أبو عبيد : سئل عاصم عن معناه فقال: ألم تسمع قولهم حار بعد ما كان أى انه كان على حالة جميلة والله اعلم<sup>53</sup>۔  
عاشراً: من منهجه أنه ينقد الأحاديث الضعيفة والآراء الشاذة فهو ناقد وليس ناقل فحسب۔

مثال: أخرج مسلم من حديث ابن عمر قال: اتخذ رسول الله صلى الله على وسلم خاتماً من ورق فكان فى يده ثم كان فى يد أبى بكر ثم كان فى يد عثمان ۔ الخ<sup>54</sup>۔

قال النووى : وقد أجمع المسلمون على جواز خاتم الفضة للرجال وكره بعض علماء الشام المتقدمين لبسه لغير ذى سلطان وروافيه أثراً، وهذا شاذ مردود۔

قال الخطابى: ويكره للنساء خاتم الفضة لأنه من شعار الرجال ، قال : فان لم تجد خاتم ذهب فلتصفره بزعفران وشبهه۔  
قال النووى: هذا الذى قاله ضعيف أو باطل لا أصل له والصواب أن

لا كراهة في لبسها خاتم الفضة<sup>55</sup> .

وسبق نقده لمن وضع تراجم لصحيح مسلم في قوله: وقد ترجم جماعة أبوابه بتراجم بعضها جيد وبعضها ليس بجيد أما لقصور في عبارة الترجمة وأما لركاكة لفظها وأما لغير ذلك، وأنا إن شاء الله أحرص على التعبير عنها بعبارات تليق بها في مواطنها والله أعلم<sup>56</sup> .

الحادى عشر: من منهجه . رحمه الله . إحالته على بعض مؤلفاته وربط بعضها ببعض كما أنه إذا عرض لمسألة أثناء الشرح سبق الكلام عنها فانه يحيل الى ذلك أيضاً ولعل هذا الصنيع منه لئلا يكرر بعض القضايا التي شرحها في بعض كتبه أو غيرها ولكي يطلع القارى على بحث هذه المسألة هناك وهذا يدل على صفاء ذهنه وقريحته واستيعابه وتذكره لما كتبه في مصنفاته .

مثال: أخرج مسلم من حديث أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال : صلاة الجماعة أفضل من صلاة أحدكم وحده بخمسة وعشرين جزءاً<sup>57</sup> . قال النووي: واحتج أصحابنا والجمهور بهذا الأحاديث على أن الجماعة ليست بشرط لصحة الصلاة خلافاً لداود ولا فرضاً على الأعيان خلافاً لجماعة من العلماء والمختار أنها فرض كفاية وقيل : ستة ، وبسطت دلائل كل هذا واضحة في شرح المذهب<sup>58</sup> .

المبحث الثانى: ثناء العلماء على شرح الامام النووى لصحيح مسلم واقتباسهم منه

فقد اعتنى علماء الحديث بشرح الامام النووى لصحيح مسلم فتد اولوه فيما بينهم وكثرت نسخه وانتشرت<sup>59</sup> ، وأفادوا منه في شروحهم للأحاديث فإمن شارح للأحاديث النبوية الا وألقى النظر عليه واقتبس منه

فی الغالب، ولهذا كثر ثناء العلماء على هذا الشرح.

قال العلامة الحسين بن عبد الله الطيبي المتوفى سنة 743 هـ في كتابه "الكاشف عن حقائق السنن" وكان اعتمادى وغاية اهتمامى بشرح مسلم للإمام المتقن محى الدين النووى لأنه كان أجمعها فوائد وأكثر عوائد وأضبطها للشوارد والأوابد<sup>60</sup>.

كما اقتبس أمير المؤمنين فى الحديث الحافظ الحامل لواء الحديث وعلومه فى زمانه من شرح الامام النووى واستفاد فى كتابه العظيم فتح البارى، فمثلاً قال الحافظ ابن حجر فى شرح حديث أنس بن مالك قال: كان المؤذن اذا أذن قام ناس من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم يبتدرون السوارى حتى يخرج النبى صلى الله عليه وسلم وهم كذلك يصلون الركعتين قبل المغرب ولم يكن الأذان والاقامة شىء وفى رواية: لم يكن بينهما الا قليل.

وقال الحافظ ابن حجر: قال النووى فى شرح مسلم: قول من قال ان فعلهما يؤدى الى تأخير المغرب عن أول وقتها خيال فاسد منابذ للسنة ومع ذلك فرمنهما زمن يسير لا تتأخر به الصلاة عن أول وقتها<sup>61</sup>، وانظر أيضاً مواضع الاقتباسات<sup>62</sup>.

وقل من شرح صحيح مسلم بعد النووى الا واستفاد منه فممن شرح مسلم وضمن كتبا النووى فى شرحه العلامة عيسى بن مسعود الزواوى المتوفى سنة 744 هـ فى كتابه اكمال الاكمال حيث جمع فيه بين المعلم والاكمال والمفهم والمنهاج.

وفعل مثله العلامة الأبي المتوفى سنة 827 هـ فى كتابه اكمال اكمال المعلم فى شرح مسلم. وقت أثنى على هذا الشرح العظيم الأئمة الأعلام منهم الامام الذهبى والامام ابن كثير والامام السخاوى.

قال الذهبى فى تاريخ الاسلام فى ترجمة النووى : وقد نفع الله تعالى الأمة بتصانيفه وانتشرت فى الأقطار وجلبت الى الأمصار فمنها المنهاج فى شرح مسلم<sup>63</sup> .

قال ابن كثير فى وصف شرح مسلم: أنه جمع فيه شروحات من تقدم من المغاربة وغيرهم وزاد فيه ونقص<sup>64</sup> .

وقال السخاوى فى الثناء على شرحه لصحيح مسلم: قلت: وهو عظيم البركة<sup>65</sup> .

فلا غرو من ذلك فقد ألفه وأكمّله الامام النووى قبل وفاته فى أقل من سنتين أى بعد تمكنه من العلم يدل على ذلك قوله فى شرح مسلم<sup>66</sup>: وقد أوضحت هذا فى جزء جمعته فى قسمة الغنائم حين دعت الضرورة اليه فى أول سنة أربع وسبعين وستمائى.

#### الخاتمة

ظهرت لى أثناء البحث بعض النتائج من خلال مراجعتى لشرح الامام النووى لصحيح مسلم أجملها فيما يأتى:

1. هذا الشرح له قيمة علمية حيث اطلع على شروح من سبقه من العلماء لصحيح مسلم كشرح المازرى وشرح القاضى عياض وشرح القرطبى فأخذ زبد شروحهم وأضاف اليه فوائد من ثمرات فكره النيرة .

2. أن هذا الشرح شرح وسط كتب له القبول بين العلماء ولذلك كثرت نسخه الخطية وانتشرت فى مكتبات العالم وكثرت مطبوعاته اليوم أيضاً.

3. أن هذا الشرح تميز بأنه جمع فيه ما يحتاج اليه القارى لكتابه من شرح اللغات وضبط ما يحتاج الى ضبط وتوجيه للأحاديث المشككة ونقد الأقوال الضعيفة واستخراج الفوائد من الحديث .

4. أن هذا الشرح هو من آخر ما ألفه الامام النووى بعد تمكنه من العلم، فقد ألفه بعد سنة أربع وسبعين وستمائة أى قبل وفاته فى أقل من سنتين-

### فهرس المراجع

- القرآن الكريم-
- أعلام المحدثين للدكتور محمد محمد أبو شهبة، طبعة دار الكتاب العربى بالقاهرة 1381 هـ . 1962 م-
- البداية والنهاية لابن كثير، دار الفكر ، بيروت-
- تاريخ التراث العربى تأليف فؤاد سزكين، طبعة جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية 1403-
- تاريخ الأدب العربى تأليف برو كلمان، الطبعة الثالثة، دار المعارف بمصر-
- تاريخ الاسلام للذهبي حوادث 671 - 680، تحقيق د /عمر عبد السلام تدمرى، دار الكتاب العربى-
- تحفة الطالبين فى ترجمة الامام محى الدين للامام علاء الدين على بن ابراهيم ابن العطار المتوفى 724 ضبط وتعليق أبو عبيدة مشهور بن حسن ، دار الصمىعى للنشر والتوزيع، الطبعة الأولى 1414 هـ-
- تذكرة الحفاظ للذهبي دار المعارف، حيد رآباد 1375 هـ-
- شذرات الذهب فى أخبار من ذهب، لابن عماد ، شهاب الدين أبى الفلاح عبد الحى الحنبلى الدمشقى دار المسيرة، بيروت-
- شرح صحيح مسلم للنووى دار الكتب العلمية بيروت ط أولى 1415 هـ، ونشرة دار الفكر ، بيروت-

- العبر فی خبر من ذهب للذهبی ت محمد السعید زغلول، ط أولى 1405 دار الکتب العلمیة بیروت 1415.
- علوم الحدیث لابن الصلاح الامام أبی عمرو عثمان بن عبد الرحمن، تحقیق د / نور الدین عتر، سوريا، دمشق.
- فتح الباری بشرح صحیح البخاری لابن حجر العسقلانی.
- فتح المبین فی طبقات الأصولیین تألیف الشیخ عبد الله مصطفی المراغی، الطبعة الثانية 1394 هـ بیروت.
- المنهاج السوی فی ترجمة الامام النووی للامام السیوطی تحقیق أحمد دمج، دار ابن حزم، الطبعة الأولى.

## الحواشی

- <sup>1</sup> قال السیوطی فی المنهاج السوی فی ترجمة النووی، ص 25: بضم المیم وكسر الراء كما رأیة مضبوطا بخطه.
- <sup>2</sup> بحذف الألف، ویجوز اثباتها فتكون النسبة النواوی كما فی تحفة الطالبین لابن العطار، ص 39 وشذرت الذهب 354/5، ونوی قرية من قرى حوران قاله ابن كثير فی البداية 278/13.
- <sup>3</sup> تحفة الطالبین، ص 43 وانظر طبقات الشافعية الكبرى 396/8، المنهاج السوی فی ترجمة الامام النووی للسیوطی، ص 31.
- <sup>4</sup> البداية 287/13
- <sup>5</sup> العبر 312/5
- <sup>6</sup> تحفة الطالبین فی ترجمة الامام محی الدین لابن العطار، ص 50، 68
- <sup>7</sup> تحفة الطالبین، ص 47
- <sup>8</sup> المنهل العذب الروی فی ترجمة النووی للسخاوی، ص 43-51.

- <sup>9</sup> تذكرة الحفاظ للذهبي 1473/4.
- <sup>10</sup> انظر المنهاج السوي، ص 520.
- <sup>11</sup> شذرت الذهب 354/5.
- <sup>12</sup> العبر 312/5.
- <sup>13</sup> البداية والنهاية 278/13.
- <sup>14</sup> تاريخ الاسلام، ص 252.
- <sup>15</sup> البداية والنهاية 278/13.
- <sup>16</sup> تذكرة الحفاظ 1473/4.
- <sup>17</sup> ينظر أعلام المحدثين للدكتور: محمد محمد أبو شهية، ص 201.
- <sup>18</sup> شرح صحيح مسلم للنووي 26/1.
- <sup>19</sup> شرح صحيح مسلم للنووي 164/4.
- <sup>20</sup> شرح صحيح مسلم 13/1.
- <sup>21</sup> سورة النحل آية 32.
- <sup>22</sup> سورة الزخرف آية 72.
- <sup>23</sup> شرح صحيح مسلم 160/17.
- <sup>24</sup> صحيح مسلم بشرح النووي 195.193/5.
- <sup>25</sup> صحيح مسلم بشرح النووي 17/12.
- <sup>26</sup> سورة الطلاق آية 2.
- <sup>27</sup> شرح صحيح مسلم النووي 17/12.
- <sup>28</sup> زاد المعاد 282/3.
- <sup>29</sup> شرح صحيح مسلم النووي 13/1.
- <sup>30</sup> صحيح مسلم بشرح النووي 160/12.
- <sup>31</sup> شرح صحيح مسلم 160/12.
- <sup>32</sup> صحيح مسلم بشرح النووي 2/11.
- <sup>33</sup> شرح صحيح مسلم 2/11، والآية في سورة الاسراء آية 15.
- <sup>34</sup> الفتح المبين 81/2.

- 35 سورة النساء آية 101.
- 36 صحيح مسلم بشرح النووي 165/5.
- 37 علوم الحديث ص 279.
- 38 شرح صحيح مسلم للنووي 13/1.
- 39 صحيح مسلم بشرح النووي 101/7.
- 40 شرح صحيح مسلم 101/7.
- 41 صحيح مسلم بشرح النووي 100/7.
- 42 شرح صحيح مسلم 101/7.
- 43 صحيح مسلم بشرح النووي 65/12.
- 44 شرح صحيح مسلم للنووي 65/12.
- 45 شرح صحيح مسلم للنووي 13/1.
- 46 صحيح مسلم بشرح النووي 158-157/12.
- 47 شرح صحيح مسلم 158-157/12.
- 48 شرح صحيح مسلم للنووي 14-13/1.
- 49 شرح صحيح مسلم للنووي 129/1.
- 50 شرح صحيح مسلم للنووي 130/1.
- 51 شرح صحيح مسلم للنووي 137/1.
- 52 صحيح مسلم بشرح النووي 81-80/5.
- 53 شرح صحيح مسلم 94/9.
- 54 صحيح مسلم بشرح النووي 68/14.
- 55 شرح النووي لصحيح مسلم 67/41.
- 56 شرح صحيح مسلم للنووي 26/1.
- 57 صحيح مسلم بشرح النووي 151/5.
- 58 شرح صحيح مسلم 151/5.
- 59 ينظر تاريخ التراث العربي لفؤاد سزكين، 214-212/1؛ تاريخ الأدب العربي لبرو  
كلمان 181/3 فقد ذكر أهم المكتبات التي تحتوى نسخا من هذا الشرح.



<sup>60</sup> الكاشف عن حقائق السنن، 2/ب۔

<sup>61</sup> فتح الباری شرح صحیح البخاری، 108/2-109۔

<sup>62</sup> 34/1، 47/2، 282/3، 5/4، 51/123، 7/6، 149/582، 502/8، 214/9، 28/10، 160/11، 66/12۔

<sup>63</sup> تاریخ الاسلام، ص 252 حوادث 271-280۔

<sup>64</sup> نقله عنه السيوطي في المنهل العذب الروي في ترجمة النووي، ص 89۔

<sup>65</sup> انظر المنهل العذب الروي، ص 91۔

<sup>66</sup> شرح مسلم، 57/12۔

## تالیفاتِ اساتذہ

### شعبہ علومِ اسلامیہ

- \* اللؤلؤ والمرجان (ترجمہ و تشریح) ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر
- \* اللہ میاں کے نام اداس خطوط (نثری ادب) حافظ عثمان احمد
- \* ریت کے گھروندے (شعری مجموعہ) ڈاکٹر شاہدہ پروین
- \* بیاض مناظر (مولانا مناظر احسن گیلانی کی ذاتی بیاض کی تحقیق) حافظ عثمان احمد
- \* علوم الحدیث: مصطلحات و علوم (جلد دوم) ڈاکٹر خالد علوی
- \* عصری و عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات ڈاکٹر شاہدہ پروین



## الشیخ رشید احمد الکنکوهی — حیاته و جهوده فی علم الحدیث (دراسة تحقیقیة)

الحافظ عبدالباسط خان\*

### ترجمة الشيخ الکنکوهی

ولد الشيخ يوم الخميس من شهر ذیقعدة سنة ۱۲۲۲ من الهجرة بكورة  
کنکوه و كانت ولادته فی البيت الذی ملحق ببيت الشيخ عبدالقدوس الکنکوهی. (۱)  
وکنکوه من قديم كورات سهارنفور. وسميت هذه الكورة بهذه التسمية  
لان سلطانها كان راجه کنک. وهذه تبعد بثلاث وثلاثين ميلا عن سهارنفور فی  
الجنوب. (۲) وقد اشتهرت كاشتهار كورات أخرى من "دوابه" (۳) لتدين اهلها  
و كثرة علمائها. فالشيخ عبد القدوس الکنکوهی والشاه ابو سعید قد دفنا فیها فما  
زالت معروفة و مشهورة بين اهل الهند (۴)

كان والد الشيخ الکنکوهی هدايت احمد من الخلفاء المجازين للشاه غلام  
على المجددی الدهلوی (۵) وقد توفي والشيخ الکنکوهی هو ابن سبع سنين. ثم ربته  
امه و كانت بايعت السيد احمد الشهيد ولذا كانت مستقيمة فی العقائد والاعمال. (۶)  
اخذ الشيخ مبادئ الكتب الفارسية والعربية من اخيه مولانا محمد عنایت  
وعمه مولانا محمد تقی. ثم قرء بعض الكتب العربية على مولانا محمد غوث وهذا  
هو الذی امره ان یرحل لتحصيل العلوم الدينية الى دهلی (۷) فالشيخ الکنکوهی سافر

\* الاستاذ المساعد، بمركز الشيخ زايد الاسلامی، بجامعة بنجاب لاهور، باكستان

الى دهلى بسنة ١٢١٦ هـ. قال الشيخ انوار الحسن صاحب "انوار قاسمى"  
 "صاحب الشيخ القاسم النانوتوى تلميذ آخر بسنة ١٢٦١ هـ.  
 وهذا التلميذ قد ارتقى بعد الى درجة قطب الارشاد يعنى الشيخ  
 رشيد احمد الكنكوهى" (٨)

وكانت دهلى يومئذ عروس البلاد ومركز الثقافة والعلم وكان لكل شيخ  
 حلقة مستقلة. فالشيخ الكنكوهى ما اختار حلقة من الحلقات على التعجيل بل شاهد  
 اسلوب تدريس اهلها ثم انشرح صدره بحلقة الشيخ مملوك العلى النانوتوى كما  
 قال صاحب "نزهة الخواطر".

"ثم لازم الشيخ مملوك العلى النانوتوى وقرء عليه اكثر الكتب  
 المدرسية." (٩) وحصل علم الحديث من الشيخ الشاه عبدالغنى المجددى  
 الدهلوى. وكان من اساتذته كذلك الشيخ مفتى صدر الدين آزرده الدهلوى.

ما سكن الشيخ فى دهلى الا اربع سنوات لكن قد تبرع وتفوق على اقرانه  
 وتمهر فى العلوم الدينية بحدائنها فى مثل هذه المدة القليلة. ثم عاد الى وطنه  
 وتزوج الشيخ بنت عمه وهو ابن احد وعشرين ثم تشوق الى حفظ القرآن فحفظه  
 فى سنة كاملة بغير تلمذ على احد ثم أم الناس فى صلوة التراويح (١٠)

وكان الشيخ متفكرا من زمن تعليمه لا صلاح الباطن والتزكية لكنه ما  
 عجل فيه كما لم يتعجل فى اختياره الاستاذ ثم مال قلبه الى الشيخ امداد الله النهاجر  
 المكى فبايعه فى السلاسل الاربعة ومكث عنده اربعين يوما ثم لما رحل اجازه  
 الشيخ امداد الله للتزكية والارشاد (١١)

وحقا ان الشيخ قد افنى عمره لا حياء العلوم وخدمة الخلق. وماهنا نحن

نبحث عن جهودهم:

## جہودہ فی الاصلاح والتزكية

قد بين الله سبحانه و تعالى وظيفة الانبياء المبعوثين فقال: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (١٢)

والعلماء ورثة الانبياء فانهم كانوا ما مورين بهذه الامور نيابة عن الاتبياء . لتزكية النفوس الاعمال والاذكار التي دوّن العلماء طرقها وجعلها علما مستقلا بعنوان "التصوف" عرفه العلماء فقالوا: "هو علم يعرف به احوال تزكية النفوس وتصفية الاخلاق وتعمير الباطن والظاهر لنيل السعادة الابدية ويحصل به اصلاح النفس والمعرفة ورضاء الرب." (١٣)

وقد اكتشف، هذا العلم المبارك بكثيفات كثيرة مثل الشرك والرهبانية وتخريب الدين والاباحة المطلقة والتفاق والمداهنة. (١٤) ولم يزل العلماء نزهوة عن مثل هذه الخرافات فالشيخ الكنكوهي كذلك باقواله ومكاتيبه الى خلفائه هذبه وقرره باصوله. وكان الشيخ دائما يُحِتّ خلفائه على اصل المقصود و عين المرام، فقال في احد مكتوبه.

"المقصد الاصلى هو السكون و ربط القلب بالله لا الكيفيات. مثل الوجدو الحال وما نقل عن احوال الاولياء فما كان موجودا في الصحابة على الاقل." (١٥) والخلفاء المجازون للشيخ الكنكوهي كانوا عالمين عاملين مبلغين من اهمهم الشيخ محمد الياس الدهلوى. مؤسس جماعة الدعوة والتبليغ، والشيخ خليل احمد سهارنفورى، والشيخ سيد حسين احمد المدنى والشيخ محمد انور شاه الكشميرى والشيخ محمد يحيى الكاندهلوى والشيخ المفتى عزيز الرحمن وشيخ الهند محمود حسن. (١٦)

## شرکتہ فی الجہاد

كان تسلط الفرنجيون على شبه القارة بمكرو احتيال فالخواص والعوام لم يقبلوا امارتهم و سلطتهم من اول يوم ثم لما زاد ظلمهم و كثر استبدادهم صارو يجتهدون لا سقاط نظامهم ما استطاعوا. فمن ابتداء القرن التاسع عشر اهل الهند وضعوا المشروعات و خططوا و اهم خطتهم ما انتجت بصراع اللتى وقعت فى سنة ١٨٥٤ء و اهل الهند باسرههم سوى الشيخ وبعض ملوك العلاقات الشخصية قد شار كوا فى هذه المعركة العظيمة الداسية بكل تدبير و قصد. والعلماء افتوا بان هذا الجهاد جهاد شرعى (١٤) و حثوا العوام عليه ثم تشار كوا فى اول الصف فالشيخ الكنكوهى تحت اماره شيخه امداد الله و مع اقرا نه القاسم النانوتوى و آخري ن شار كوا فىه فى معركة ميدان الشاملى بشجاعة و بسالة. (١٨)

كان بعض الناس قد تشككوا فى شركة هذه الطائفة فى هذا الجهاد او جعلو شركتهم امرا اتفاقيا (١٩) ولكن الامر قد تحقق بانهم قد تشار كوا فىه بكل قصدونية (٢٠) و الامر بيد الله انهزم اهل الهند و عارض للشيخ الاسارة لسته اشهر. (٢١)

## جهوده فى تدريس العلوم الدينية

قد حج الشيخ ثلث مرات و بعد الحجة الثالثة ترك تدريس سائر الفنون و العلوم الا الحديث الشريف و كان يدرس قبلها جميع العلوم المتداولة فمرة اخبر احد تلميذه بانه قد درس الهاية اربعة عشر مرة له (٢٣) و كان فى تدريس علوم الحديث الشريف اوليات للكنكوهى.

بداء الشيخ تدريس العلم الدينية حين كان متعلما فقد تلمذ عنده جماعة فى زمن سكونته فى دهلى. ولكن بداء بالتدريس الرسمى بعد الرجوع عن دهلى. ثم قد تسلسل له التدريس لتسع و اربعين سنة مع الانقطاع فتارة يرحل الى الحج وتارة يعرض له الصدمات و الحادثات مثل وفاة زوجته و عمه و بنته. و قد تلمذ عنده

جماعة من العلماء المشتهرين مثل الشيخ انور الكشميري والشيخ يحيى الكاندهلوى والد الشيخ محمد زكريا والشيخ حسن على الفنجابى فثلاث مائة طالب حصلوا منه شهادة الحديث والتحديث بتكميل الصحاح الستة. (٢٢)

وكان درس حديثه من اشهر الدروس فى الهند. فالطلاب كانوا ياتون اليه من كل فج عميق. وكان اسلوبه انه يترجم الحديث اولاً ثم يبحث عن لغته ثانياً ثم يشرحه ثالثاً ويرفع تعارضه ان كان يتعارض بنص ثم يبسط مذاهب الفقهاء ودلائلهم ثم يذكر ترجيحات المذهب الحنفى بكل بسط وتفصيل ولكن هذا الاسلوب مخصوص بدرس الترمذى (٢٥) وكان من اولياته انه يقدم السنن الترمذى على سائر الكتب وكذلك هو اول من بسط وفصل ما خذ الحنفية ودلائلهم فى درس الحديث (٢٦)

ثم فى درس الكتب الباقية صار القارى يقرأ بطريق "السرد"

#### مصنفاته

ما اعتاد الشيخ التصنيف والتاليف لكن لما طغنت الحنفية ورميت بانهم تاركوا الحديث فصار يدفع عنهم ويبسط مستدلاتهم ويظهر ما خذهم من القرآن والسنة فقد الف الشيخ رسائل منها موجزة ومنها مبسوطه فى مسائل الخلافية مثل الجمعة فى القرى والقراءة خلف الامام، ومسئلة التامين بالجهر ورفع اليدين والجماعة الثانية فى المسجد وكفى لهذه الرسائل قيمة واهمية بان انوار البارى وهو ابسط شرح الصحيح البخارى باللغة الاردوية و"اعلاء السنن" وهو اكبر كتب فقه الحديث فى القرن العشرين قد استفاد مصنفاهما منها وكثر فيهما آراءه العلمية نقلا عن هذه الرسائل.

ومذكراته العلمية للصحاح الستة قد دونها تلميذه البارع محمد يحيى الكاندهلوى فى اللغة العربية. ثم المذكرات على الجامع الصحيح للبخارى طبعت باسم "لامع الدرارى" مع التعليق لابن المدون محمد زكريا الكاندهلوى كما ان

المذکرات علی السنن للترمذی طبعت باسم "الکوکب الدرّی" كذلك بتعلیق ابن المدون وکفی بحسن هذین التعلّقین وغزارتهما العلمیة اسم المعلق الذی اذا اطلق مصطلح "شیخ الحدیث" بدون تصریح المسمی يعرف القاری والسامع انه له ثم المذکرات علی السنن النسائی كذلك طبعت باسم "الفیض السمائی" ولا یسعدنا هذه المقالة الا ذکر خصائص لامع الدراری والقاری بعد ملاحظة خصائصه سیكون علی بصیرة فیما سواه من شرحیه علی الترمذی والنسائی.

### خصائص الجامع الصحیح للبخاری

لا بد ان نذكر نبذة من خصائص الجامع الصحیح للبخاری (۲۷) کی نلاحظ ما استوفی هذا الشرح بحقه.

۱. ان من اعظم خصائصه ترجمة ابوابه. یذكر البخاری احادیث بعناوین مختلفة وهی التي سمیت "ترجمة الباب" والبخاری یشیر الی كثير من الاشياء بترجمة ابوابه فتارة یدعی بها العموم ثم یدكر تحتها الخصوص وكذلك عکسه وتارة یقید اطلاق حکم الحدیث بها وتارة یجعل الحدیث عنوانا للباب. وقد قید العلماء الاصول لحل هذه التراجم فعدها اکثر من أربعین. وكذلك افردوا لها التصانیف مثل الرسالة للشاه ولی الله، وشیخ الهند محمود حسن والشیخ محمد زکریا. فهذه هی التراجم التي بها یصعب الكتاب ویشکل علم غرض البخاری بها فکل مدرس یسعی بتوجیه الذی یقرب بغرض البخاری ویطبق علی سائر الاحادیث تحت الباب فما أصدق قول الشاعر فی وصف التراجم.

اعیا فحول العلم حل رموزما

ابداه فی الابواب من اسرار

۲. من خصائصه ذکر الآثار للصحابة والتابعین لا ثبات الاحکام.

۳. ومن خصائصه انه تارة یشیر الی ابتداء الاحکام مثلا باب بدء الحلق، بدء



الحیص، بدء الاذان

۴. ومن ميزاتہ انه يقطع الحديث الطويل تقطیعاً بحسب احكام الوارد فيه.
۵. ومن ميزاتہ ثلاثيات الكتاب حيث يتصل سند البخارى الى النبي ﷺ بثلاث وسائل. وبالجملة ان هذا الكتاب مخزن الفقه والحديث ويسمى هذا الكتاب جامعاً لا حتوائه على ثمانية انواع الحديث باباً و كتاباً، وهى هذه.

۱. السير ۲. الادب ۳. التفسير ۴. العقائد
۵. الفتن ۶. الاحكام ۷. الاشراف ۸. المناقب

التعريف بكتاب لامع الدرارى

هو مجموع افادات الشيخ التى ضبطها تلميذه محمد يحيى الكاندهلوى. كما ذكرنا قريبا ان الشيخ الكنكوهى كان يقدم الجامع الترمذى على سائر الكتب الستة لان الامام الترمذى يهتم بذكر المذاهب والدلائل ويعتنى بتضعيف الحديث وتحسينه وتصحيحه ويرمز الى احاديث ما فى الباب. فلذا كان الشيخ يبحث ويسط المذاهب فى درس الترمذى ويفرغ عن ذكر الابحاث فى الكتب الباقية. ولذا نجد للمذاهب الفقهية البسط والتفصيل فى لامع الدرارى بل نجد الرموز والاشارات الى الابحاث الطويلة. ولاجل هذا يصعب الاستفادة لمن يقرأه فكان القارى لا يفهمه بسهولة.

الشيخ محمد زكريا ابن ضابط الشرح محمد يحيى الكاندهلوى قد تحشى عليه بحاشية تقرب بالكتاب المستقل والشيخ محمد زكريا قد اجد وأبدع فيها وهو يفتح مغلقات البخارى كما يذكر الابحاث المتعلقة بالباب فالكتاب لامع الدرارى مع تلك الحاشية قد طبع اولاً بالمكتبة الحيوية بسهارنפור ثم قد طبع له الطبعة المنضدة من المكتبة الامدادية بمكة المكرمة والنسخة المستعملة هنا مطبوعة ايج، ايم سعيد كمبنى التى هى عكس نسخة المكتبة الحيوية.

## خصائص الكتاب ومزاياه

ان من اهم خصائص هذا الشرح هي التوجيهات الموجودة لتراجم الجامع الصحيح.

### ١. حل تراجم البخارى

ان التوجيهات التي ذكرها الشيخ لحل تراجم البخارى هي احسن من التوجيهات التي بينها شرح هذا الكتاب. نحن نذكر نبذة من الامثلة.

١. عقد الامام البخارى بابا بعنوان "باب قول الله تعالى ﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (٢٨) ثم جاء تحته بحديث وفد عبد القيس.

قدم هذا الوفد الى النبي ﷺ للايمان والاسلام وسئلوا عنه ما كان كافيا لهم عملا وابلاغا الى ما ورائهم اعتذارا بانه لا يمكن لهم ان ياتوا الا في الاشهر الحرام لان بينهم وبين النبي قبيلة مضر للكفار. فقال النبي ﷺ

"آمركم باربعة وانها لكم عن اربع الايمان بالله ثم فسر لها لهم شهادة ان لا اله الا الله وانى رسول الله واقام الصلوة وايتاء الزكوة وان تودوا الى خمس ما غنمتم وانها لكم عن الدباء والحنتم والنقير والمدفت." (٢٩)

فغرض البخارى من ترجمة الباب واضح بانه يريد ان يذكر فضيلة واهمية للصلوة لكن اعترض عليه بان الآية المذكورة في ترجمة الباب اقترن فيها اقامة الصلوة بنفى الشرك وحديث الباب تذكر فيه اقامة الصلوة باقامة التوحيد فاصبح هذا تضاداً و تناقضا كما قاله العيني. (٣٠)

ولو كان ذكر اقامة الصلوة مقترنا بالشرك او بالتوحيد في كلا المقامين لكان هذا مناسبة وموافقة. ثم اجاب عنه ابن حجر والعيني بان هذا التناقض هو الذى

يكون مناسبة وارتباطا لان التوحيد هو نفى الشرك و نفى الشرك هو التوحيد.  
فهذا التضاد يكون مناسبة بين ترجمة الباب والحديث المذكور فيه. (٣١)  
والمحدث الكنكوهي ذكر مناسبة آخر الذي اجود واحسن مما قاله العيني  
وابن حجر فقال ان مذهب البخارى هو كون الاعمال اجزاء للايمان فاراد ان ياتى  
على هذا المذهب بالدليل فعقد هذا الباب والآية المذكورة فى ترجمة الباب  
والحديث الوارد فيه يبينان بان الاعمال اجزاء للايمان. لان الاية تقرن اقامة الصلوة  
بنفى الشرك والحديث يقرنه بالتوحيد فالمعنى اقيموا التوحيد واجتنبوا الشرك  
باقامة الصلوة (٣٢) قال الشيخ زكريا فى وصفه.

”وهذا الذى افاده الشيخ قدس سره، فى المناسبة اجود مما قاله

الحافظ والعيني“ (٣٣)

والعلامة السندهى ايضا مال اليه (٣٢) وكذلك ابن بطل اشار اليه (٣٥)

### مثال آخر

عنون البخارى بابا ”باب فضل صلوة الفجر“ وفى بعض نسخ البخارى  
يكون العنوان ”باب فضل صلوة الفجر والحديث“ (٣٦) فهذه الترجمة من التراجم  
المشكلة كما قاله الشيخ زكريا ”هذه الترجمة من التراجم المشكلة وهى عديدة فى  
البخارى قد تقدم بعضها“ (٣٧)

وبصعوبتها اول كل شارح بتأويله.

فقال الحافظ ابن حجر ان زيادة لفظ ”الحديث“ من وهم الكاتب. فاصل  
العبارة ”باب فى بيان فضل صلوة الفجر والعصر“ ولكن الكاتب وهم فكتب  
الحديث مكان ”العصر“ (٣٨)

وقال العيني ان هذا التوجيه باطل ثم صحح توجيه العلامة الكرمانى (٣٩)  
وهى ان العبارة تكون ”باب فى بيان فضل صلوة الفجر وفى بيان الحديث الوارد فيه

”واراد البخارى بهذا الباب ذكر فضيلة الفجر والحديث الوارد فى فضيلته.

وقال صاحب الخير الجارى (٢٠) ان الحديث بمعنى الكلام فالمعنى باب فى بيان فضيلة الفجر والحكم بالكلام بعدها اهو مكروه ام مباح (٢١) وجاء الشيخ الكنكوهى بتوجيه مفردة ممتازة عن تلك التوجيهات. فقال ان مراد البخارى هو بيان فضيلة صلوة الفجر وبيان فضيلة الحديث الوارد فيه اما الحديث فهو حديث رؤية الناس زبهم يوما القيمة فلاشك ان هذا الحديث بالنسبة الى هذا البيان منهم حدا فمعنى ترجمة الباب باب فضل صلوة الفجر وفضل الحديث الوارد فى رؤية الرب يوم القيمة. (٢٢)

ب. الايجاز فى مسائل الخلاف

هذا الشرح لا يبحث ويناقش المسائل الخلافية بكل البسط والتفصيل لان الشيخ كان يدرس الجامع الترمذى اولا ويبسط فيها المذاهب والمسالك والدلائل ويذكر مالها وما عليها. لان الامام الترمذى يذكر المسالك والدلائل كما يذكر البحث عن الرواية جرحا وتعديلا وكما يحكم على الحديث بكونه صحيحا ام حسنا. مشهورا ام غريبا.

وتقديم هذا الكتاب تدريسا وتعلينا على الكتب الاخرى الباقية من الستة يصير به الطالب على بصيرة فى فقه الحديث فيسهل له قراءة الكتب الخمسة الباقية من الستة وفهمها فكان تقديمه من اوليات الكنكوهى وخصائمه وكذلك كان السيوطى يرى ان يقدم الجامع لالترمذى على الكتب الخمسة ولذا لا نجد فى مذكرات الكنكوهى للكتب سوى الجامع الترمذى بسطا وشرحا للمذاهب وكان يوخر الجامع للبخارى على الكتب الاخرى ولاجل هذا لا يستفاد من اللامع الا بعد الرجوع الى تعليقه للشيخ زكريا.

عنون البخارى بابا ”باب من لم يكره الصلوة الا بعد العصر والفجر“ (٢٣)

و ذکر تحتہ واقعہ اداء صلوٰۃ بعد صلوٰۃ العصر ولما سئل عنہ اجاب بان الناس شغلوه فقضاہما بعد العصر قال الشیخ ما لفظہ النبیؐ. (۴۴)

”فیہ دلالة علی جواز القضاء فی ذلك الوقت غیر ان السنن لما لم تكن مقضية لعدم الوجوب ليس لاحد قضاؤها فی الاوقات سيما المكروهة ثم ان الركعتين من خصوصيات النبیؐ ومن صلى من الصحابة فانما صلى لحمله فعله علی التشريع مع انه لم يكن تشريعيًا وكان يصليهما يوم عائشه لابتدائهما اولا فی يومها“ (۴۵)

واشار فی مثل هذا الكلام الموجز الى ستة ابحاث طويلة. فاشارب ”فیہ دلالة“ الى تعيين غرض البخارى من اتيان هذا الباب ثم رمز ب ”غير ان السنن“ الى خلاف العلماء فی قضاء السنن اهي واجبة ام سنة ثم بجملة ”سيما المكروهة“ اشار الى مسلك الاحناف بانهم لم يجوزوا الصلوة فی الاوقات الثلاثة (استواء الشمس، الغروب، الطلوع) ثم اوجز بحث الصلوة بعد العصر اهي من خصائص النبیؐ ام امر تشريعي ثم اجاب عن فعل الصحابة الذين كانوا يصلون بعد العصر بعبارة ”ومن صلى من الصحابة“ واخيرا جعل يطبق الاقوال المختلفة فيها يعنى اكان النبیؐ يداوم عليها ام كان يصليها احيانا و يتركها احيانا فقال ”و كان يصليها يوم عائشة..... الخ (۴۶)

ثبت من هذا المثال ان الشیخ كان يوجز فی درس البخارى وجملة الموجزة تشمل الابحاث الطويلة.

ج. الدفاع عن الحنفية

كان الشیخ حنفيًا غير متعصب فانه كان لا يرجح ويقدم مذهبه مخالفا للمذاهب الاخرى. ولكن لما كثر الاعتراض علی الحنفية بانهم غير عاملين بالحديث بل تاركون له فبتدء بذكر دلائلهم و باظهار ماخذهم من القرآن والسنة فانه اول من ابتداء بذكر دلائل الحنفية فی درس الصحاح الستة كما قال الشیخ

مناظر احسن ما تعریبه.

ان منهج تدریس الحدیث المسمی ب "السدر" الذی ابتداءه  
الشاه ولی اللہ قد زاد فیہ الشیخ الکنکوهی بیان ماخذ الحنفیة  
فی مسائل الخلاف الفقہیة لا سیما المسائل اللتی رمیت بها  
الحنفیة بانهم تارکوا الحدیث الصحیح (۴۷)

وکان البخاری مجتهداً لا مقلداً فی الاصح فلذا یشیر بتراجم ابواب  
الجامع الصحیح الی مذهبه وما یکتفی بذکره بل یعرض علی مخالفیهم فالشیخ  
الکنکوهی کان یجیب عن ایرادته واعتراضاته بتوجیہات حدیثہ و تاویلات نادرة  
اللتی نخلت عنها الاسفار والیک بعض الامثلة.

اورد البخاری تحت باب جهر الامام بالتامین اثر ابی هريرةؓ وکان ابو  
هريرةؓ ینادی الامام لا تسبقنی بأمین. " (۴۸)

واستدل به البخاری علی ان یجهر الامام بالتامین لکن الحنفیة خالفوه  
وقالوا باسرارہ. واجاب عن هذا الاثر الحنفیة باجوبة مختلفة. فقال الشیخ انور:  
"وقال ابو هريرةؓ حین کان مؤذناً فی البحرین فانظر ان ابا هريرةؓ یهتم بالتامین  
ما لا یهتم بالفاتحة فاین ذہبت الفاتحة..... فہمہ بالتامین اکثر منه بالفاتحة مع  
انه لا تعلق له بالجهر." (۴۹)

فکان الشیخ انور اکتفی بهذا الجواب علی سبیل الالزام لان رواية قرأة  
خلف الامام مروية عن ابی هريرةؓ والجهر یتعلق بالقراءة اکثر ما یتعلق بالتامین. فاین  
ذکر القراءة.

وقال بعض الحنفیة ان ابا هريرةؓ کان یوذن و یقیم الصفوف ویسویها فی  
خلافه مروان والخليفة کان یسرع باقامة الصلوة دون ان ینظر ابا هريرةؓ. فاوصی  
وأكدہ ان لا یعجل بها کی یوافقہ بالقراءة والتأمین. (۵۰)

وقال المحدث الكنكوهي ان هذا الاثر دليل على اسرار التامين دون ان يكون على جهره لان مظنة الفوت من موافقة الامام بالتامين لا يمكن اذا كان الامام يجهر به بل يقع في صورة اسراره لان المقتدى صامت منتظر لانتهاه قرأته بالفاتحة فتكون معه بالتامين (٥١)

### المثال الثاني

يستحب عند الحنفية ركعتان بعد الوتر مستدلين بحديث عائشة ان النبي ﷺ كان يصلي ركعتين بعد الوتر (٥٢) والشافعي لا يستحبهما بل يجعل الوتر آخر الصلوة مستدلا بحديث "اجعلوا آخر صلوتكم بالليل وترا" (٥٣) فاجاب المحدث الكنكوهي عن هذا الحديث بانه ورد في الصلوة المفروضة فمعناه "اجعلوا آخر صلوتكم المفروضة بالليل وترا" (٥٤) قال الشيخ زكريا ان هذا التوجيه تفيد ثلاثا احدها كون الوتر واجبا. ثانيها تجويز النفل بعده، ثالثها عدم تجويزه قبل صلوة العشاء. (٥٥)

### المثال الثالث

عقد الامام البخارى بابا "باب اذا لم يوقت الخيار هل يجوز البيع" ثم ذكر تحته حديث ابن عمر "البيعان بالخيار ما لم يتفرقا" (٥٦) ذكر المحدث الكنكوهي ان في تعيين غرض الامام البخارى احتمالين اوله انه اراد ان يؤيد مذهب من لم يحدد الخيار في البيع لكن لما كانت الحنفية والشافعية حددا هذا الخيار بثلاثة ايام فأذا يعبر بان الغرض هو بيان الحكم اذا لم يحدد ام يحدد اكثر بثلاثة ايام فهل يجوز البيع ام يفسد. (٥٧)

### (هـ) رفع التعارض بين النصوص

ان الشيخ الكنكوهي كان يطبق بين النصوص المتعارضة بقدر الامكان. وهذا الشئ يجده القارئ كثيرا في مصنفاته لا سيما في شروح كتب الحديث. طبق الشيخ في مسألة الماء بين مذهب الحنفية والشافعية والحنابلة فقال

ان اعتبار الكثرة والقلة سواء بينهم بان قُلْتِي الماء يبلغان الى حد بانه لو يلقيان الى حفر يحرك احد طرفيه فلا يتحرك طرفه الاخر (٥٨) فصار المذهبان مطابقين موافقين. لكن لا يكثر هذه المزية في هذا الشرح لا يجازه ولان الشيخ كان يهتم بذكر الابحاث في درس الترمذى.

النكت اللطيفة والتوجيهات الدقيقة

وجد في هذا الكتاب كثير من اللطائف والتوجيهات اللتى تخبر عن صاحبها انه وهب له حصة وفيرة من علوم شاه ولي الله واسرته. والحق ان هذا الشرح مع ايجازه واختصاره يفوق على الشروحات الاخرى بالنسبة الى هذه النكت اللطيفة.

المثال الاول: ذكر البخارى تحت باب نصر المظلوم آيات من القرآن (٥٩)

﴿وَالَّذِينَ يَجْتَبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ﴾ (٦٠)

اثبت الشيخ الكنكوهى من هذه الايات خلافة الخلفاء الاربعة حسب ترتيبهم فقال الشيخ ان الاية الاولى ترمز الى خلافة ابي بكر الصديق لانه ما ارتكب فحشا ولا اثما كبيرا لا فى الجاهلية ولا فى الاسلام. والآية الثانية تشير الى خلافة عمر<sup>رضي</sup> لانه هو الذى قد اتصف بالصفات المذكورة فى الآيه "وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ" تخبر عن خلافة سيدنا عثمان لانه قدر عارض له البغى "هُم يَنْتَصِرُونَ" يستفاد بها خلافة سيدنا على لانه قد انتصر من قتلة عثمان (٦١)

المثال الثانى: قال النبي <sup>عليه</sup> صلوة الرجل فى الجماعة تصعب على صلواته فى بيته وفى سوقه خمسا وعشرين ضعفا وذلك انه اذا توضا فاحسن وضوءه ثم خرج الى المسجد لا يخرج الا الصلوة لم يخط خطوة الا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطيئة (٦٢)



قال ابن حجر: ان هذه الدرجات يحصلها المصلي باسباب: منها احسانه بالوضوء، ذهابه الى المسجد بنية الصلاة وانتظاره لها ونحوها. (٦٣)

وشارح البخارى ابن بطال قد اثبت هذه الدرجات بوضوء القرآن والسنة (٦٤) والمحدث الكنكوهي امتاز بذكر توجيه آخر فقال:

”ليس ذلك بيانا لنفس المضاعفة بل هو تنبيه على منة الله وانعامه على عباده حيث جعل في هذه الامور مثوبة وليست بمقاصد فيكف لا يثيب على الصلوة وهي قربة مقصودة واما ان مشيه واتيانه هذا هو الباعث للمضاعفة فغير مراد اذ لو كان كذلك لزم ان لا يثاب مقيم المسجد ومتوطئه ومن لا يخرج منه ابدا شئ من تلك المضاعفة فافهم فانه غريب“ (٦٥)

فهذا الشرح كالشروح الآخري لمحدث كنكوه مع وجزاته ذخيرة قيمة لعلوم الحديث لا سيما فقه الحديث كما انها تخبر عن تبحر العلم لصاحبه.

### الهوامش

- ١- عزيز الرحمن، مفتي، تذكره مشائخ ديوبند، كراتشي، ايج، ايم سعيد كمبني، ١٩٦٤ء، ص ١٠٨، ١٠٧
- ٢- نفس المصدر، ص ١٠٥
- ٣- ويقال لها 'دوآبة' لانها وقعت بين نهري نهر جمن ونهر كنك وتشتمل على دهلي ميرت، مظفر نكر وسهارنفور، (محمد زكريا، مولانا، شريعت وطريقت كا تلازم، كراتشي، مكتبة الشيخ، ١٩٩٣ء، ص ٣)
- ٤- نفس المصدر
- ٥- ميرتي، عاشق الهى، تذكره الرشيد، لاهور، اداره اسلاميات، ١٩٨٦ء، ١٧/١
- ٦- عبدالحى، الحسنى، دهلي اور اس كے اطراف، دلي، اردو اكادمي، ١٩٨٨ء، ص ١٠٨

- ۷- تذکرہ مشائخ دیوبند، ص ۱۰۸
- ۸- انوار قاسمی، شیر کوتی، انوار الحسن، لاہور، ادارہ سعدیہ، ۱۹۶۹ء، ۶۷/۱
- ۹- عبدالحی، الحسنی، نزہۃ الخواطر، کراتشی، اصح المطابع، ۱۹۸۶ء، ۱۴۸/۸
- ۱۰- ا۔ تذکرہ الرشید، ۱/۳۹-۳۷ ii۔ تذکرہ مشائخ دیوبند، ص ۱۱۰
- ۱۱- تذکرہ الرشید، ۱/۵۱، ۵۰
- ۱۲- الانعام ۳: ۱۶۴
- ۱۳- اللہ یار، خان، مولانا، دلائل السلوک، جکوال، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، ۱۹۹۸ء، ص ۱۶
- ۱۴- جشتی، یوسف سلیم، اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، لاہور، انجمن خدام القرآن، ۱۹۸۳ء، ص ۹
- ۱۵- مکاتیب رشیدیہ، میرتی، عاشق الہی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۴ء، ۵۸/۱
- ۱۶- انظر لاسماء خلفائهم ا۔ تذکرہ الرشید، ۲/۱۶۰-۱۵۴ واحوالہم مفصلاً، الدکتور فیوض الرحمن، مولانا رشید احمد کنکوہی اور ان کے خلفاء، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، سن
- ۱۷- کان الشیخ عبدالعزیز الشاہ ابن ولی اللہ الدہلوی افتی بان شبہ القارة دار الحرب مند سلطۃ الافرنجیین (عبدالعزیز، الشاہ، فتاویٰ عزیز، دہلی، مطبع مجتہائی، ۱۳۱۱ھ- ۱/۳۴، ۳۳ ثم افتی العلماء بان هذا جہاد شرعی (حسین احمد، نقش حیات، مدنی، کراتشی، دار الاشاعۃ، ۲/۳۵۶-۴۵۴
- ۱۸- انظر للتفصیل (i) نقش حیات، ۲/۴۷۳-۴۶۳ (ii) غلام رسول، مہر، ۱۸۵۷ء کے مجاہد، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۱ء، ص ۲۵۳، ۲۵۴ (iii) قریشی، محمد صدیق، جنگ آزادی کے مسلم شاہیر، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۵۷-۱۵۴ (iv) جانباز مرزا، انگریز کے باغی مسلمان، لاہور، مکتبہ تبصرہ، ۱۹۸۰ء ص ۱۹۹-۱۹۳
- ۱۹- انظر لهذا الرأي (i) جالندھری، رشید احمد، برطانوی عہد میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۹ء، ص ۱۱۵-۱۱۳ (ii) مرتب عبدالشاہد، باغی ہندوستان (حاشیہ)، لاہور
- ۲۰- واکبر دلیلہم ہو اسلوب بیان هذه الواقعة الذي اختاره صاحب تذکرہ الرشید، فانظر لهذا الاسلوب وسببه الذي بينه الشيخ زكريا وجوابه الذي اجاب عن سؤال الشيخ عاشق الہی بلند شہری۔

- (i) تذكرة الرشيد (حاشيه) ۷۳/۱ (ii) نفس المصدر ضمیمه ۶۲۲/۲ - ۶۲۰
- ۲۱ - نقش حیات، ۷۰/۲، ۶۹، ۴
- ۲۲ - تذكرة الرشيد، ۶۴/۱
- ۲۳ - تذكرة الرشيد، ۹۳/۱
- ۲۴ - عثمانی، ظفر احمد، سلسله شاه ولی اللہ کی خدمات حدیث، معارف، اعظم کرہ، جون ۱۹۴۴ م ص ۴۰۲
- ۲۵ - نفس المصدر
- ۲۶ - نفس المصدر
- ۲۷ - انظر لخصائص الصحيح البخاری، لامع الدراری، (مقدمه) محمد زکریا، مولانا، کراتشی، ایچ، ایم سعید کمپنی، ۳۷، ۳۶/۱
- ۲۸ - بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحيح، کراتشی، قدیمی کتب خانہ س ن ۷۵/۱
- ۲۹ - نفس المصدر
- ۳۰ - عینی، محمد بن احمد، عمدة القاری، مصر، ادارة الطباعة، س ن ۶۰۷/۳
- ۳۱ - (i) عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری، بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۶، (ii) عمدة القاری، ۶۰۷/۳
- ۳۲ - لامع الدراری، ۶۰۸/۱
- ۳۳ - لامع الدراری (حاشیه) ۶۰۸/۱
- ۳۴ - حاشیه السندهی علی الجامع الصحيح، کراتشی، قدیمی کتب خانہ س ن، ۱۴۱/۱
- ۳۵ - ابن بطال، علی بن خلف، شرح الصحيح البخاری، ریاض، مکتبة الرشید، ۱۵۲/۲، ۴۲۰، ھ
- ۳۶ - الجامع الصحيح، ۸۱/۱
- ۳۷ - لامع الدراری (حاشیه) ۲۲۳، ۲۲۴/۱
- ۳۸ - فتح الباری، ۲۴۶/۲
- ۳۹ - عمدة القاری، ۷۰/۳ - ۴۱، کرمانی، محمد ابن یوسف، الکوکب الدراری شرح الجامع الصحيح، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۱، ھ، ۲۱۵/۴
- ۴۰ - وقد اشتهر بهذا الاسم شرحان، للجامع الصحيح، احدهما وهو اقدم من الاخر للشيخ يعقوب اليماني (م- ۱۰۰۳ھ) وجزئه الاول محفوظ بمکتب فتنه

بالہند وقد استفادمنہ کثیر الشیخ احمد علی السہارنفوی فی تحشیۃ البخاری  
(انظر مبار کفوری، عبدالسلام، سیرۃ البخاری، لاہور، اہلحدیث اکادمی  
۱۹۶۸، وثانیہما هو للشیخ محمد سرور الصوفی شیخ الحدیث بالجامعۃ،  
الاشرفیۃ طبع من ادارۃ عتیقیۃ بطبعات عدیدۃ۔

- ۴۱۔ لمحمد سرور، الخیر الجاری، مولانا، لاہور، ادارۃ عتیقیۃ، ۱۴۱۵ھ-۱۹۱۱  
۴۲۔ لامع الدراری، ۲۲۴/۱، ۴۳۔ الجامع الصحیح، ۱۸۳/۱  
۴۴۔ نفس المصدر ۴۵۔ لامع الدراری، ۲۳۰/۱-۲۲۶  
۴۶۔ لامع الدراری (حاشیہ) ۲۳۰/۱-۲۲۶  
۴۷۔ احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، ص ۶۹، ۷۰  
۴۸۔ الجامع الصحیح، مع شرح ابن ابطل، ۳۹۴/۲  
۴۹۔ کشمیری، انور شاہ، فیض الباری بشرح صحیح البخاری، مرتب، میرتی، بدر  
عالم، لاہور المطبوعۃ الاسلامیۃ، ۱۹۷۹، ۲۹۰/۲  
۵۰۔ الخیر الجاری، ۶۷، ۶۸/۱، ۵۱۔ لامع الدراری، ۳۱۰/۱  
۵۲۔ جامع الترمذی، ۳۲۵/۲، ۵۳۔ الجامع الصحیح، ۱۳۵/۱  
۵۴۔ لامع الدراری، ۵۰/۲، ۵۵۔ لامع الدراری (حاشیہ) ۵۰/۲  
۵۶۔ الجامع الصحیح، ۲۸۳/۱، ۵۷۔ لامع الدراری، ۲۹۱، ۲۹۲/۲  
۵۸۔ کنکوہی، رشید احمد، الکوکب الدراری، شرح جامع الترمذی، مرتب، محمد  
یحییٰ الکاندھلوی، کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱۹۹۵، ۹۲/۱  
۵۹۔ الجامع الصحیح، ۳۳۱/۱، ۶۰۔ الشوری: ۳۷-۳۹  
۶۱۔ لامع الدراری، ۳۸۱، ۳۸۲/۲  
۶۲۔ الجامع الصحیح مع شرح ابن بطل، ۲۷۲/۲  
۶۳۔ فتح الباری، ۳۴۶-۳۴۹/۲، ۶۴۔ شرح ابن بطل، ۲۷۲-۲۷۵/۲  
۶۵۔ لامع الدراری، ۲۴۵/۱

## شُرکاء کا تعارف

مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں متعدد مناصب پر خدمات انجام دے کر ریٹائر ہو چکے ہیں۔ علم حدیث پر انکی خدمات نمایاں ہیں۔ بیس سے زیادہ کتب تالیف کیں۔ علمی و تحقیقی مقالات کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں طویل عرصے تک پروفیسر شعبہ اسلامیات اور ڈائریکٹر سیرت چیئر رہے۔ متعدد قومی اور بین الاقوامی کانفرنسز کا انعقاد کرانے میں پیش پیش رہے۔ امریکہ کے مختلف اداروں میں لیکچر دیئے۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں قائم کردہ Centre of Excellence in Islamic Studies کے دس سال تک ڈائریکٹر رہے۔ ایم۔ اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے بے شمار علمی و تحقیقی مقالات کی نگرانی کی۔ آج کل سرگودھا یونیورسٹی میں علمی و تحقیقی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر میمونہ تبسم

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ایم۔ اے کیا۔ پی ایچ ڈی کراچی یونیورسٹی سے کی۔ آج کل لاہور کالج خواتین یونیورسٹی میں بطور اسٹنٹ پروفیسر فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔ متعدد مقالات کی مصنفہ ہیں۔

ظلیٰ ہما صاحبہ

شیخ زاید اسلامک سنٹر سے ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل شعبہ علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کر رہی ہیں۔ تحقیق سے دلچسپی ہے۔ علوم حدیث کے مختلف پہلوؤں پر متعدد مضامین تحریر کر چکی ہیں۔

جناب عثمان احمد

2009ء سے شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں بطور لیکچرر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ بی اے آنرز شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی سے کیا، ایم بی اے انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن، پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ ادیب و شاعر اور ابھرتے ہوئے محقق اور ناقد، متعدد کتب کے مؤلف ہیں۔ ایچ ای سی سے منظور شدہ جرائد میں متعدد تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، ملائیشیا میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر

اسلامیات اور عربی میں ایم اے کی ڈگری مدینہ منورہ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ درسِ نظامی بھی کیا۔ پی ایچ ڈی شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی سے کی۔ متعدد مقالات اور کتب کے مولف ہیں۔ قومی سیرت کانفرنس منعقدہ اسلام آباد میں مقالات پر سند امتیاز، گولڈ میڈل اور سلور میڈل متعدد بار حاصل کیے۔ اس وقت بھی شعبہ علوم اسلامیہ کے ایک پروجیکٹ پر ہمہ تن مصروف ہیں۔ شعبہ علوم اسلامیہ میں طویل عرصے تک تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد ریٹائر ہو چکے ہیں۔ اب کنٹریکٹ پر شعبہ ہذا کی خدمت میں مصروف ہیں۔

ڈاکٹر خالد ظفر اللہ

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ایم اے کیا۔ پی ایچ ڈی کے لیے ترکی تشریف لے گئے اور وہاں انقرہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری امتیازی حیثیت میں حاصل کی۔ اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ سے عربی زبان و ادب میں سٹپنڈیٹ حاصل کیا۔ اس وقت گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج گوجرہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ پندرہ سے زیادہ علمی و تحقیقی مقالات موقر جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ قومی و بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کی اور مقالات بھی پیش کیے۔ متعدد ایم اے اور ایم فل مقالات کی نگرانی کی۔

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حال پروفیسر اور صدر شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی۔ پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی اور ملائیشیا سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کیا۔ متعدد کتب تالیف کیں۔ چالیس تحقیقی و علمی مقالات تحریر کیے۔

ایم۔ اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات کی نگرانی کی۔ مختلف قومی اور بین الاقوامی کانفرنسز میں شرکت کی اور مقالات بھی پیش کیے۔ عالمی رابطہ ادبِ اسلامی کے صدر اور پنجاب قرآن بورڈ کے رکن ہیں۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے دینی پروگرامی میں باقاعدہ شرکت کرتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر عاصم نعیم

2009ء سے شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ایم فل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے کیا۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری شعبہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ تفسیر، حدیث اور تاریخ دلچسپی کے خصوصی مضامین ہیں۔ قومی سطح کے معروف مجلات میں مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ دس سے زائد قومی اور بین الاقوامی سطح پر کانفرنسوں میں شرکت کی اور مضامین بھی پیش کیے۔

ڈاکٹر محسنہ منیر

ایم اے اور پی ایچ ڈی پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ اس وقت لاہور کالج خواتین یونیورسٹی میں بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ پندرہ سے زیادہ علمی و تحقیقی مقالات تحریر کیے، متعدد قومی کانفرنسز میں شرکت کی اور مقالات بھی پیش کیے۔ ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے متعدد مقالات کی نگرانی کر رہی ہیں۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن پاکستان کی مقرر کردہ Curriculum Reviewe Committee کی ممبر ہیں۔ ان کی ایک کتاب سید مودودی کی حدیث میں خدمات شائع ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر ساجد اسد اللہ داودی

پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی کیا۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے 1998 میں حاصل کی۔ لیکچرار گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمن آباد فیصل آباد میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی مجلات میں سات (7) تحقیقی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ متعدد کانفرنسوں میں شریک ہوئے۔ مطالعہ کا خصوصی میدان صحائف Dead Sea Scroll ہے۔

## پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

پروفیسر امیر یطس، کنوینر ارمغان کمیٹی۔ کیمبرج یونیورسٹی (برطانیہ) سے پی ایچ ڈی کی۔ پروفیسر و چیئر پرسن ادارہ علوم اسلامیہ، ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی اور ڈین اور پینٹل اینڈ اسلامک فیکلٹی پنجاب یونیورسٹی لاہور میں طویل عرصے تک خدمات انجام دیں۔ ایم۔ اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلباء کے تحقیقی مقالات کی نگرانی کی۔ علمی و تحقیقی مضمون (انگریزی، اردو، عربی) ملک و بیرون ملک کے موقر مجلات میں شائع ہوئے۔ متعدد کتب کی مؤلفہ ہیں۔

## ڈاکٹر احسان الرحمن غوری

اسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں 2004ء سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ شعبہ علوم اسلامیہ سے 2008ء میں پی ایچ ڈی کی۔ خصوصی دلچسپی کے مضامین تقابلی ادیان اور بائبل کی استنادی حیثیت ہے۔ بارہ سے زیادہ تحقیقی مقالات ایچ ای سی سے منظور شدہ مجلات میں شائع ہو چکے ہیں۔ دو کتب کے شریک مصنف۔

## ڈاکٹر عبدالباسط خان

عبدالباسط خان عرصہ 13 سال سے شیخ زاید اسلامک سنٹر میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ اسلامک سنٹر سے ایم۔ فل اور شعبہ علوم اسلامیہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جامعہ اشرفیہ سے درس نظامی اور افتاء کی تعلیم حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی ہی سے ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی۔ مقالات گیلانی پر تحقیقی کام کیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کی حیات و خدمات اور جدید فقہی مسائل پر فقہائے پاک و ہند کے اجتہادات پر کتابیں لکھیں اور چھ بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور لگ بھگ 16 تحقیقی مقالات لکھے۔







(And if all the trees in the earth were pens, and the sea will seven more seas added to it (were ink), the words of Allah would not be exhausted).

- 101 Art. The Challenge of Modern Ideas and Social Values to Muslim Society, P. 5. (Islamic Colloquium papers, Lahore, 1958).
- 102 Dr. Fazlur Rehman, op. cit., P. 9.
- 103 Supra, P. 25.
- 104 Abdul Hayee Al-Kattani, Al-Taratib Al-Idariyya, Vol. II, P. 169. (Beirut, n. d.)
- 105 E. W. Lane, Arabic-English Lexicon, BK. I, Pt. 2, P. 616.
- 106 Al-Qur'an, 3 : 80.
- 107 Ibid., 4 : 113, C. f. 2 : 231.
- 108 Ibid., 2 : 129.
- 109 Ibid., 3 : 163; 2 : 151; 62 : 2.
- 110 Al-Risalah (Ahmad Shakir Edition, Cairo, 1938) P. 78.
- 111 Imam Shafi'i, Idem.
- 112 Imam Shafi'i, Idem.
- 113 Khalil I. Semaan, Ash-Shafi'i's Risalah : Basic Ideas, (Lahore, 1961) P. 2.
- 114 Kitab al-Umm, (Bulaq, 1321 - 5 A.H.) VII, PP. 282 - 287.
- 115 Al-Qur'an, 33 : 34.
- 116 'Islam'.
- 117 Cf. Mukhtalaf al-Hadith (Cairo, 1909) PP. 194, 232.
- 118 Kitab-al-Ruh, 2nd Ed. (Hyderabad Deccan, 1324 A.H.) P. 119.
- 119 Abu Dawud, Sunan, P. 47.
- 120 Al-Qur'an, 57 : 25.
- 121 Ibid., 42 : 17.
- 122 Joseph Schacht, The Origins of Muhammadan Jurisprudence, (Oxford University Press, 1950) P. 2.
- 123 H. A. R. Gibb, Muhammadanism, (London, 1950), P. 101.
- 124 Al-Qur'an, 5 : 15 - 16.
- 125 Ibid., 33 : 45 - 46.

95 Al-Qur'an : 5 : 3.

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً

(This day have I perfected for you your religion and completed My favour to you and chosen for you Islam as a religion.) All the authorities agree that this verse was revealed towards the close of the holy Prophet's life and no precept was revealed after it. It is even an explicit testimony to the perfection of religion in Islam, no such claim being put forward by any other revealed book or religion. It was regarding this occasion that some Jews told Hadrat `Umar : O, Amir al-Mu'minin, "Had this verse been revealed to us, we would have celebrated the occasion as *Id*-day. Thereupon Hadrat `Umar replied, "Do'nt you know the day it was revealed on us, the Muslims enjoyed two *Ids*. It was revealed on the day of `Arafah, Friday-afternoon, the 10th A.H., on the occasion of Farwell-Pilgrimage, where more than forty thousand pious companions gathered around the holy prophet and he survived only for eighty one days after that".

96 F. Rahman op. cit., P. 78. (It appears to be a great childishness of the twentieth century to name the "living *Sunnah*" of the 2nd century A.H. with all the legal religious and moral idea's wealth, on one hand, as chaotic and on the other hand to argue for and aim at again to recast the *Hadith* material into living *Sunnah* terms by historical interpretation.)

97 Ibn Hisham, The Sira, P. 969.

98 Supra, Ch. I, Tradition and Christianity, P. 60.

99 Joseph Schacht, Art. Shari`a, Shorter Ency. of Islam, (E. J. Brill, Leiden, 1953), P. 524.

100 Cf. Al-Qur'an, 18 : 109 :

قل لو كان البحر مداداً لكلمت ربي لنقد البحر قبل ان تنقذ كلمت ربي لو جئنا بمثله مدداً

(Say : If the sea were ink for the words of my Lord, the sea would surely be exhausted before the words of my Lord were exhausted, though We brought the like of it to add (thereto); Ibid., 31 : 27 :

ولو ان ما في الارض من شجرة اقلام والبحر يمده من بعده سبعة ابحر ما نفدت كلمت الله

- 66 Hadith Literature (Calcutta, 1961), P. 1 - 2.
- 67 Abu`l Baqa op. cit., P. 288.
- 68 Subhi Salih op. cit., P. 12.
- 69 Al-Qasimi, Qawaid al-Tahdith, P. 65.
- 70 Abu`l Baqa, Idem.
- 71 Muhammad b. Ja`far al-Kattani, Al-Risalat Al-Mustatrafah, (Karachi, 1960), P. 68.
- 72 Mustafa as-Saba`i, Al-Sunnah wa Makanatuha fi al Tashri` al-Islami, (Cairo, 1961) P. 59.
- 73 Cf. Ignaz Goldziher, Muhammedanische Studien, P. 11 F.; A. Guillaume, 'The Traditions of Islam', P. 10. Dr. M. Z. Siddiqi, op. cit., P. 2.
- 74 Shorter Encyclopaedia of Islam, (Leiden, E. J. Brill, 1953) Art. Sunnah, P. 552 f.
- 75 Cf. Sunnah, Lane, op. cit., Bk. 1, Pt. IV, P. 1438.
- 76 Lisan al-`Arab, Vol. XIII, P. 225.
- 77 Cf. Al-Shatibi, Al-Muwafaqat, Vol. IV, P. 3.
- 78 Sharh Nukhbat al-Fikar, (Deoband, U. P., 1371 A.H.) P. 79. F.
- 79 A. Guillaume, op. cit., P. 10.
- 80 Ignaz Goldziher, Muhammedanische Studien, 1961, II, P. 12.
- 81 Ulum al-Hadith wa Mustalihuhu, (Beirut, 1965, 3rd Ed.), P. 9.
- 82 Subhi Salih, op. cit., P. 10.
- 83 A. Manual of Hadith, (Lahore n.d.) P. 3.
- 84 Al-Zurqani, Sharh al-Muwatta, 1, P. 4, Cf. Goldziher, loc. cit.; A. Guillaume, op. cit., P. 11; Fazlur Rahman, Islamic Methodology in History, (Karachi, 1965) P. 1.
- 85 Ibn Nadim, Al-Fihrist, P. 230.
- 86 A. Guillaume, loc. cit.
- 87 Fazlur Rahman, loc. cit., (F. N. 22. P. 146.).
- 88 Abu Da'ud, Sunan, Vol. II, P. 48.
- 89 Cf., Fazlur Rehman, op. cit., P. 70.
- 90 Cf., Ibid., P. 6.
- 91 Ibid., P. 78.
- 92 Ibid., P. 19.
- 93 Fazlur Rahman, 'Islam', vide Islamic Methodology in History, P. 12.
- 94 Fazlur Rahman, 'Islam', vide Islamic Methodology in History, P. 80.

- 33 Al-Qur'an, 3 : 32.
- 34 Al-Qur'an, 6 : 50.
- 35 Cf. Moore, op. cit., II. P. 386.
- 36 J.B. Noss, op. cit., P. 683.
- 37 Supra, Ch. I, P. 2.
- 38 Ibn Manzur, Lisan al-Arab (Beirut, 1958) II, P. 131.
- 39 E. W. Lane, Arabic English Lexicon. BK. I, Pt. II, P. 529.
- 40 Cf. Murtada Al-Husaini, Taj al-'Arus (Egypt, 1306 A.H.), I. P. 612.
- 41 Al-Qur'an, 12 : 111.
- 42 `Allama Ibn Kathir, Tafsir, (Egypt, 1348), IV, P. 492.
- 43 Al-Qur'an, 18 : 6.
- 44 Tafsir, op. cit., V. P. 252.
- 45 Al-Qur'an, 39 : 23.
- 46 Tafsir, op. cit., V. P. 252.
- 47 Al-Qur'an, 52 : 34.
- 48 Tafsir, op. cit., VIII, PP. 7 - 8.
- 49 Al-Qur'an, 7 : 185.
- 50 Jami' al-Bayan, (Egypt), XII, P. 290.
- 51 Al-Qur'an, 79 : 15.
- 52 Ibid., 4 : 78.
- 53 Ibid., 33 : 53.
- 54 Tafsir, op. cit., VI, P. 586.
- 55 Nasa'i, K. Zinah, 33, III, p. 188.
- 56 Abu Dawud, (Cairo, 1280 A.H.), P. 240.
- 57 Abul-Baqa, Kulliyat, (Al-Am`riya, 1280 A.H.) P. 152.
- 58 Jalal al-Din al-Syuti, Tadrib al-Rawi (Egypt, 1966), I. P. 42.
- 59 Muhammadanische Studien, (Halle, 1889), II, P. 4.
- 60 Subhi Salih, Ulum al-Hadith, (Beirut, 1965), P. 5.
- 61 Sahih al-Bukhari, Kitab al-Riqaq, No. 51.
- 62 Ibid., 1, 20.
- 63 Al-Darimi, Sunan, (Kanpur, 1292 - 93 A.H.) P. 46.
- 64 Al-Dhahabi, Tadhkirat al-Huffaz, (Hyderabad 1330 A. H.), I. p. 6.
- 65 Ahmad b. Muhammad al-Qastallani, Al-Mawahib al-Ladunniyah, (Egypt, 1291 A.H.), V, P. 454.

## References

- 1 Supra, P. 13.
- 2 G. F. Moore, op. cit., II, P. 386.
- 3 Al-Qur'an, 10 : 16.
- 4 Al-Qur'an, 6 : 33.
- 5 Ibid., 26 : 214.
- 6 Sahih al-Bukhari, Vol. 6, P. 140. (Egypt, 1345 A. H.)
- 7 Alfred Guillaume, The Life of Muhammad, P. 151 - 2, (London, 1955).
- 8 Sahih al-Bukhari, I, P. 5, (Egypt, 1345 A. H.).
- 9 Ibid., I, P. 3.
- 10 Ibn Hisham, Sirat, P. 162, (Cairo, 1355 A. H.)
- 11 Ibem.
- 12 Al-Qur'an, 56 : 10 - 12.
- 13 Al-Qur'an; 52 : 30.
- 14 Ibid., 74 : 24.
- 15 Ibid., 52 : 29.
- 16 Ibid., 68 : 2.
- 17 Ibid., 21 : 5.
- 18 Ibid., 25 : 8.
- 19 Al-Qur'an, 9 : 30.
- 20 Ibid., 25 : 7.
- 21 Ibid., 25 : 20.
- 22 Ibid., 6 : 8 - 9.
- 23 Ibid., 17 : 93.
- 24 Ibid., 17 : 94.
- 25 Ibid., 17 : 95.
- 26 Ibid., 7 : 140.
- 27 Ibid., 2 : 34.
- 28 Ibid., 3 : 160.
- 29 Ibid., 21 : 25 - 27.
- 30 Ibid., 2 : 213.
- 31 Ibid., 6 : 4.
- 32 Ibid., 6 : 7.

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾  
يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ  
وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ  
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾<sup>124</sup>

(Indeed, there has come to you from Allah, a light and a clear Book. Whereby Allah guides such as follow His pleasure into the ways of peace, and brings them out of darkness into light by His will, and guides them to the right path.)

It makes clear that the Apostle of Allah is the greatest spiritual Light to guide humanity to the right goal. Still more, the Prophet has been spoken of as a light-giving Sun also!

يَتَأْتِيهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا  
إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا<sup>125</sup>

(O Prophet, surely We have sent thee as a witness, and a bearer of good news and a warner, And as an inviter to Allah by His permission, and as a light-giving sun.)

The Prophet thus, was allotted the central seat of guidance to make the fallen humanity rise to its highest eminence.

To sum up, the Divine origin of the practices and utterances of the Prophet assigned a sublime status to tradition and it is therefore not surprising that from the very beginning of Islam the believers accepted it as the second infallible basis with the Qur'an.

Besides the *Hikmah*, the Apostles were granted *al-Mizan* as mentioned in the *Surah Al-Hadid*:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ  
وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ<sup>120</sup>

(Certainly We sent Our messengers with clear arguments, and sent down with them the Book and the Balance, that men may conduct themselves with equity.....)

On another occasion, it has been mentioned with special reference to the Holy Prophet:

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ<sup>121</sup>

(Allah is He, Who revealed the Book with truth, and the Balance...)

The purpose of revealing the Balance is that people may justly conduct their lives by adhering to the example of the Prophet who acts according to the ordinances contained in the Book. The Prophet thus, is not only a preacher but also an exemplar. He translates the Divine Commandments into deeds, so that it is by following his example that people are led aright. The Balance is therefore apparently the standard conduct or *Sunnah* of the Prophet, which is as essential for the exact guidance of people as The Book itself. That is why it has been acknowledged even by the non-muslim orientalisists that all rules and regulations are found in the Qur'an and in the *Sunnah*, the "Model Behaviour" of the Prophet,<sup>122</sup> and are derived from the "Methods of utilizing"<sup>123</sup> these two sacred sources.

In *Surah Al-Ma'idha* the Holy Prophet has been referred to as a *Noor* :



the jurist al-Shafi`i d. 820) was so clearly unchallengeable that it was perforce accepted in principle by all the schools of Law".<sup>116</sup>

In the same way Ibn Qutayba has elucidated the thesis of the Divine origin of the *Sunnah* by putting forth very sound arguments and relevant examples.<sup>117</sup>

Similarly, Ibn Qayyim al-Jawzi asserts :

والكتاب هو القرآن والحكمة هي السنة باتفاق السلف وما اخبر به الرسول عن الله فهو في وجوب تصديقه والايمان به كما اخبر به الرب تعالى على لسان رسوله هذا اصل متفق عليه بين اهل الاسلام- لا ينكره الا من ليس منهم وقد قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم اني اوتيت الكتاب ومثله معه<sup>118</sup>

(The Book referred to is the Qur'an, and the *Hikmah* is the *Sunnah* with the unanimity of the predecessors. And whatever was narrated by the Apostle on the authority of Allah is to be compulsorily testified and believed upon in the same way as that was narrated by Lord Almighty on the tongue of His Apostle. This is a basic fact agreed upon by all the Muslims and none denies it save those who are outside the pale of Islam. And the Prophet (peace be upon him) said, "verily I am given the Book and the like besides.")

Thus it must be fully recognized that everything that the Prophet ordained, especially in religious matters, was decreed at Allah's Command :

ان الله شرح لنبيه سنن الهدى<sup>119</sup>

- the theological term is *Sunan al-Huda*; and it was revealed to the Prophet as was the Holy Qur'an, with the difference that in the Qur'an, the Prophet was given the actual words of Allah, while in the case of *Sunnah*, the words used were his own but uttered under Divine guidance:

گفته او گفته الله بود۔ گرچه از حلقوم عبد الله بود

very interesting discussion has been recorded by Imam Shafi`i in this connection.<sup>114</sup> When A critic of *Hadith* objected to Imam Shafi`i's point of view and put forward the argument that the wives of the Prophet were required by the Qur'an to recite the *Hikmah* :

وَأَذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ  
وَالْحِكْمَةِ<sup>ج 115</sup>

(And remember that which is recited in your houses of the messages of Allah and the *Hikmah*.....)

Hence, it is evident that *Hikmah* is included in the Qur'an, otherwise, who recites the traditions. Imam Shafi`i pleaded that in the verse: (يعلمهم الكتاب والحكمة) two separate things were mentioned, because conjunction (عطف) demanded distinction (تغاير). Therefore, *Hikmah* is something besides the Qur'an and that is tradition. The critic questioned about the nature of recitation of *Hikmah* or tradition. The Imam replied, "Recitation in Arabic language does not mean reading by sight from an opened book, but it signifies speech (نطق). And as the communication of the Qur'an is proved through the word of mouth of the Prophet, similar is the case with *Hadith*. Had the meaning of recitation been the reading of an opened book, it would have, consequently followed, that the Holy Prophet used to read before his Companions the Qur'an by sight". It silenced the critic and he approved the significance of *Hadith*.

Prof. H. A. R. Gibb remarks :

"Where such traditions were found to exist, it was held, the rulings they contained, explicitly or implicitly, were decisive and mandatory for all Muslims. The *Sunnah* of the Prophet obviously superseded all other *Sunnahs*, and still more any speculative reasoning. This argument (elaborated by

(So Allah mentioned His Book - which is the Qur'an - and Wisdom, and I have heard those whom I approve as learned in the Qur'an saying that Wisdom is the *Sunnah* of the Messenger of Allah.)

وهذا يشبه ما قال، والله اعلم لان القرآن ذكر وأتبعته الحكمة -  
وذكر الله منه على خلقه بتعليمهم الكتاب والحكمة فلم يجز -  
والله اعلم- ان يقال الحكمة ها هنا الا سنة رسول الله <sup>111</sup>

(This is similar to that what He said; but Allah knows best! For the Qur'an is mentioned first, followed by *Hikmah*; and Allah mentioned His favour to His creation by teaching them the Book and the *Hikmah*. So it is not permissible - and Allah knows best - For *Hikmah* to be called here except the *Sunnah* of the Messenger of Allah.) He continues:

و ذلك انها مقرونة مع كتاب الله وان الله افترض طاعة رسوله و  
حتم على الناس اتباع امره- فلا يجوز ان يقال لقول فرض الكتاب  
الله ثم سنة رسوله- لما وصفنا- من ان الله جعل الايمان برسوله  
مقرونا بالايمان به- وسنة رسول الله مبينة عن الله معنى ما اراد  
- دليلا على خاصه وعامه- ثم قرن الحكمة بها بكتابه فاتبعها  
اياه- ولم يجعل هذا لاحد من خلقه غير رسوله <sup>112</sup>

(And this is because *Hikmah* is linked with the Book of Allah and He has imposed the obligation of obedience to His Messenger, and imposed on people the duty to obey his orders. So it is not permissible to consider anything obligatory except that contained in the Book of Allah, then the *Sunnah* of His messenger. As we have stated, Allah made the faith in Him. And the *Sunnah* of the Messenger of Allah clarifies the meaning of what Allah intended; indicating His general and specific (orders). Then He linked the Wisdom implied in the *Sunnah* with His Book and made it subservient to the Book. Allah has never prescribed this for any one of His creatures except His Messenger.)

In short, Imam Shafi'i is very emphatic in declaring *Hikmah* referred to in the Holy Qur'an as *Sunnah* of the Apostle of Allah, "which complements the Qur'an".<sup>113</sup> A

In fact it was beseeched in the Prophetical prayer made by Hadrat Abraham while raising the foundations of the Sacred House at Macca :

رَبَّنَا وَأَبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ  
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ<sup>108</sup>

(Our Lord, and raise up in them a Messenger from among them who shall recite to them thy messages and teach them the Book and the Wisdom, and purify them. Surely thou are the Mighty, the Wise.)

As such, the appointment of the Holy Prophet has been termed a great favour of Lord Al Mighty; and the fourfold functions of the Prophet mentioned in this connection do include repeatedly the teaching of *Hikmah* as well :

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا  
عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ<sup>109</sup>

(Certainly Allah conferred a favour on the believers when He raised among them a Messenger from among themselves, reciting to them His messages and purifying them, and teaching them the Book and the Wisdom...)

All the above Qur'anic verses make it clear that the Holy Prophet was granted two things, the *Kitab* and the *Hikmah* and he transmitted and taught both these things to his *ummah*. After quoting the above mentioned verses Imam Shafi'i argues:

فذكر الله الكتاب وهو القرآن وذكر الحكمة، فسمعت من ارضى  
من اهل العلم بالقرآن يقول: الحكمة: سنة رسول الله<sup>110</sup>

raised in this world,<sup>103</sup> but only one hundred and four Divine Books were revealed in all.

اخرج البيهقي عن الحسن قال انزل الله مائة واربعة كتب اودع علومها اربعة منها التوراة والانجيل والزبور والفرقان ثم اودع علوم الثلاثة الفرقان<sup>104</sup>

It was possible because all the Prophets were equipped with *Hikmah*, a highly developed intellectual faculty,<sup>105</sup> which bestowed upon them not only knowledge of the true natures of things but also acquainted them with excellent ways and means of performing exemplary deeds according to the requirements thereof. It was a type of Divine Inspiration as is evident from the following quotations from the Holy Qur'an.

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا  
أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ<sup>106</sup>

(And when Allah made a covenant through the Prophets: Certainly what I have given you of Book and Wisdom -- then a messenger comes to you verifying that which is with you, you shall believe in him, and you shall aid him.)

Again, in *Surah al-Nisa'*, it has been mentioned with particular reference to the Holy Prophet Muhammad (Peace be upon him) as such :

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا<sup>107</sup>

(And Allah has revealed to thee the Book and the Wisdom, and taught thee what thou knewest not, and Allah's grace on thee is very great.)

a book must be as big as the Universe itself. And who will read such a big book?<sup>100</sup>

Therefore, it is only through the medium of a reasonable length of time that the spirit in which the more fundamental day to day situations of all times are to be met can be made known. No message can be sent to men except with reference to actual concrete situations. The Eternal Word of God speaks with reference to actual concrete situations. The Eternal Word of God speaks with reference to the human situations and events of the last twenty-three years of the Prophet's life, in particular. These years are the historical context of the Eternal Divine Word".<sup>101</sup>

Even Dr. Fazlur Rahman was constrained to acknowledge it and declared as such :

"It goes without saying that the Qur'an was taught as the nucleus of the new Teachings. But the Qur'an is obviously not intelligible purely by itself..... It would be utterly irrational to suppose that the Qur'an was taught without involving in fact the activity of the Prophet as the central background activity which included policy, commands, decisions, etc. Nothing can give coherence of the Qur'anic teaching except the actual life of the Prophet and the milieu in which he moved".<sup>102</sup>

Never in the history of the religions of the world we find a Book being revealed without the appointment of a Prophet, yet on the other hand, thousands of the Prophets were raised without being given individual, separate revealed Books. It is said that approximately one hundred and twenty-four thousand Prophets were

ترکت فیکم امرین، لن تضلوا ما تمسکتم بهما۔ کتاب اللہ  
وسنت رسولہ<sup>97</sup>

(I have left with you two things, if you hold fast to them you will never fall into error - the book of Allah and the *Sunnah* of his messenger.)

After the Holy Prophet, none can claim in Islam the infallibility, neither absolute nor relative, such as guaranteed by revelation or inspiration as assumed by the Christian Church.<sup>98</sup> Hence, the talk about the Prophetic *Sunnah* being "progressively developed" by the early generation of Muslims is not only an acute crisis of human confidence and uncompromising cynicism but an utter nonsense and religious dishonesty. Particularly important is the belief that Islam is the last revealed religion. Therefore, it is blasphemous to assign to anyone other than the Prophet the task of the formulation of the Divine religion. Though, it is a truth never to be surrendered that each Muslim must believe in the Holy Qur'an, as the words of Allah, yet, it is equally true that no one can attain a genuine faith which is not largely the product of Prophetic instructions.

بمصطفیٰ برسان خویش را کہ دین همه اوست

اگر بار ترسیدی تمام بولہبیست

With the above spirit, the word "Shari" is used as a technical term for the Prophet as the preacher of the *Shari'a*, but more frequently it is applied to Allah as the law-giver".<sup>99</sup>

Dr. Muhammad Da'ud Rahbar, once elucidated the above point by saying :

"Human situations are inexhaustible. No book comprehensible by men can exhaust them, for such

(Wakalah)	الوكالة	(Ikrah)	المرتدين
(Al-Harth wa'l-Muzara'a)	الحرث والمزارعة	(Hiyal)	الاکراه الحيل
(Sharb) (Musakat)	الشرب (المساقاه)	(Ta'bir al-Ru'ya)	تعبير الرويا
(Istiqrad wa Ada 'al-Duyun)	الاستقراض وادائ الديون	(Fitan)	الفتن
(Khusumat)	الخصومات	(Ahkam)	الاحكام
(Luqta)	اللقطة	(Tamanni)	التمني
(Al-Mazalim wa l-Ghadab)	المظالم والغصب	(Akhbar al-Ahad)	اخبار الاحاد
(Shirka)	الشركة	(I'tisam bi'l Kitab wa'l-Sunnah)	الاعتصام بالكتاب والسنة
(Rehn)	الرهن	(Tawhid)	التوحيد
(Itq)	العتق		

When the biggest Islamic Republic of Pakistan founded in the name of religion itself refers in her constitution to *Kitab* and *Sunnah*, it is aimed at something very specific by the later terms *Sunnah*, though flexible and not rigid, yet left well-bounded and well-formulated by the Prophet himself. He is reported to have said in his sermon of the Farewell Pilgrimage :



(Al-'Amal fi'l Salat)	العمل في الصلاة	(At'ima)	الاطعمة
(Sahw)	السهو	(`Aqiqa)	العقيقة
(Jana'iz)	الجنائز	(Zaba'ih)	الذبائح والصيد والتسمية
(Zakat)	الزكاة	(Adahi)	الاضاحي
(Hajj)	الحج	(Ashriba)	الاشربة
(`Umra)	العمرة	(Al-Marda)	المرضي
(Muhsar)	المحصر	(Tibb)	الطب
(Jaza 'al-Said)	جزاء الصيد	(Libas)	اللباس
(Fada'il al- Madina)	فضائل المدينة	(Adab)	الادب
(Sawm)	الصوم	(Isti'dhan)	الاستئذان
(Tarawih)	صلاة التراويح	(Da'awat)	الدعوات
(Fadl Lailat al- Qadar)	فضل ليلة القدر	(Riqaq)	الرقاق
(I'tikaf)	الاعتكاف	(Qadar)	القدر
(Buyu')	البيوع	(Al-Aiman wa'l Nuzur)	الايمان والنذور
(Salam)	المسلم	(Kaffarat)	الكفارات
(Shuf'a)	الشفعة	(Fara'id)	الفرائض
(Ijara)	الاجارة	(Hudud)	الحدود
(Hawalat)	الحوالات	(Diyat)	الديات
(Kafalah)	الكفالة	(Istitabat al- Murtaddin)	الستابة

(`Ilm)	علم	(Shahadat)	الشهادات
(Wudu')	وضو	(Sulh)	الصلح
(Ghusl)	الغسل	(Shurut)	الشروط
(Haid)	الحيض	(Wasaya)	الوصايا
(Tayammum)	التييم	(Jihad)	الجهاد والسير
(Salat)	الصلاة	(Fard al-Khums)	فرض الخمس
(Mawaqit al-Salat)	مواقيت الصلاة	(Jizya)	الجزية
(Adhan)	الاذان	(Bad 'al-Khalq)	بدء الخلق
(Jum'a)	الجمعة	(Anbiya')	الانبياء
(Salat al-Khawf)	صلاة الخوف	(Manaqib)	المناقب
(Idain)	في العيدين	(Fada'il Ashab al-Nabi)	فضائل اصحاب النبي
(Witr)	الوتر	(Manaqib al-Ansar)	مناقب الانصار
(Istisqa')	الاستسقاء	(Maghazi)	المغازي
(Kusuf)	الكسوف	(Tafsir al-Qur'an)	تفسير القرآن
(Sudjud al-Qur'an)	سجود القرآن	(Fada'il al-Qur'an)	فضائل القرآن
(Taasir al-Salat)	تقصير الصلاة	(Nikah)	النكاح
(Tahajjud)	التهجد	(Talaq)	الطلاق
(Al-Salat fi Masjid Makka wa'l-Madina)	الصلاة في مسجد مكة والمدينة	(Nafaqat)	النفقات

A complete critical analysis of the same shall be presented in its proper place in the present study; here it is enough to point out that it is not only utterly irrational and completely nonsensical but also religiously dishonest and deceitful to hoodwink the real issue in the name of "progressiveism". The essential point we wish to make here is, that the religion of Islam was completed with the completion of the last revelation,<sup>95</sup> and the gate-way of Tashri` was closed till the doom's day with the expiry of the Holy Prophet's time. As such, only the Prophetic *Sunnah*, in addition to the Holy Qur'an is the infallible, the authoritative and the perfect Model covering the whole code of life, distinctly preserved for all times to come. So we do'nt need "to recast the *Hadith* into living *Sunnah* terms by historical interpretation" to modify and restate the case of determinism and free-will,<sup>96</sup> (taken for example by The learned Dr. Sahib, as if with him this is the most fundamental religious problem of Islam, agitating the minds of Muslims of the world). In fact the 23 years' exemplary conduct of the Holy Prophet not only covered prayer, *zakat*, fasting and pilgrimage in their minute details but also laid down specific rules for the minutiae of all walks of life, covering almost every topic on which guidance may be sought. A cursory look over the subjects covered by Imam Bukhari in his *Sahih*, which is divided into 97 books, will well illustrate the above claim, such as:

( <i>Bad' al-Nahy</i> )	بدء الوحي	( <i>Mukatab</i> )	المكاتب
( <i>Iman</i> )	ايمان	( <i>Hiba</i> )	الهبة

Sunnah and that Ijma' was the guarantee for the rectitude, i.e., for the working infallibility (as opposed to absolute or theoretical infallibility, such as assumed by the Christian Church) of the new content".<sup>92</sup>

4. The Holy Prophet sought the advice of his major Companions on important policy decisions with regard even to religion and "thus in the behaviour of the Prophet, religious authority and democracy were blended with a finesse that defies description".<sup>93</sup>
5. Though *Hadith* is not to be regarded in general as strictly historical, yet the terms "forgery" or "concoction" should not be used with reference to it. Instead the term "formulation" may be employed.

"This is because although *Hadith*, verbally speaking, does not go back to the Prophet, its spirit certainly does, and *Hadith* is largely the situational interpretation and formulation of this Prophetic Model or spirit. We cannot call *Hadith* a forgery because it reflects the living Sunnah and the living Sunnah was not a forgery but a progressive interpretation and formulation of the Prophetic Sunnah".<sup>94</sup>

The overall character of the above findings, in its essential features is open to question and no conscientious Muslim is expected to share it.

like Ignaz Goldziher and Joseph Schacht, may be summed up in the context of our present study as under:

1. That the *Sunnah* of the Prophet was very meagre, situational, and unspecific and there was a valid organic relationship between the *Sunnah*, *Ijtihad* and *Ijma'*. Thus the free thinking activity of the early legists of Islam enriched the content of *Sunnah* to a great extent.<sup>90</sup>
2. That the mass-scale Hadith movement destroyed the *Sunnah*, *Ijtihad* and *Ijma'* organic relationship and in order to make *Ijtihad* and *Ijma'* operative again, we must infer the *Sunnah* validly from the *Hadith*-material. A thorough reinterpretation and revaluation of different elements in *Hadith* under the changed moral and social conditions of today is prescribed. "This can be done only by a historical study of the *Hadith* - by reducing it to the "living Sunnah" and by clearly distinguishing from the situational back ground the real value embodied in it".<sup>91</sup>
3. The Prophetic *Sunnah* or Ideal *Sunnah* in sense (1), meaning thereby, an "authoritative" or "normative" precedent, progressively developed through the personal free-thought activity of the early generations of Muslims (*Ra'y*, *Qiyas* and *Ijtihad*) into living *Sunnah* in sense (2) - an agreed practice, identical with *Ijma'*.

"This shows that the community as a whole has assumed the necessary prerogative of creating and recreating the content of the Prophetic

کتاب السنن بشوا □ د الحدیث<sup>86</sup>

Dr. Fazlur Rahman argues from the above illustration "that *Hadith* meant the traditional materials whereas *Sunnah* signified the deduction of practical norms from these materials by the exercise of understanding". And as such treading on the heels of Goldziher, he further justifies his stand by asserting :-

"Similarly, Abu Dawud (apud Goldziher, ibid, P. 11, footnote 6). after narrating a *Hadith* about a person who kills an animal during the state of *ihram*, quotes Ahmad b. Hanbal as saying : 'There are five *Sunnahs*' (i.e. points of law) that follow from this *Hadith*".<sup>87</sup>

The wordings of Imam Ahmad b. Hanbal i.e.,

فی هذا الحدیث خمس سنن<sup>88</sup>

(Five *Sunnahs* are contained in this *Hadith*), are not honestly rendered into English by learned Dr. Sahib).

In reality, he has left no stone unturned in creating confusion and obscuring the whole issue of *Hadith* and *Sunnah*, simply, in order to decimate the authority of the Prophetic tradition, in the name of so-called modern scholarship and Islamic methodology in history. In fact his prepossessions led him astray. But the conscientious scholars of Islam in general and the Muslim Community of Pakistan in particular, have neither shared his progressivism, nor forgiven his "Confusionism and obscurantism".<sup>89</sup>

The main points discovered by the minute researches of our distinguished modern scholar, mostly based on the presumptions of the learned orientalist,

identical.<sup>82</sup>

Maulavi Muhammad `Ali reiterates the above fact in the preface of his compendium on *Hadith* as under:

“It shows what the Holy Prophet Muhammad, peace and blessings of Allah be on him, said and did, and what lives his Companions led. This is technically known as the *Sunnah* (lit., a manner of acting or a mode of life) of the Holy Prophet and is popularly known as *Hadith* (lit., a saying) being a record of what he said, did or approved”.<sup>83</sup>

On the other hand, several attempts have been made by the orientalist and our so-called modernists, not only to keep `Sunnah' and `Hadith' permanently distinct from one another, but to explore the possibility of showing the contents of *Hadith* contradicting *Sunnah* and vice versa. In this connection a saying of `Abd al-Rahman b. al-Mahdi is often quoted :

ان سفیان الثوری امام فی الحدیث والا وزاعی امام فی السنۃ  
ولیس بامافی الحدیث وما لک بن أنس امام فیہما جمیعاً<sup>84</sup>

(That Sufyan al-Thawri was an *Imam* in the *Hadith* (but not in the *Sunnah*); and al-Awza'i was an *Imam* in the *Sunnah*, but not in the *Hadith*; and Malik b. Anas was an authority in the both.)

While introducing the above mentioned great merit and masterly expert qualities of Malik b. Anas, Alfred Guillaume opines :

“But there is no necessary connexion between them (*Hadith* and *Sunnah*), and we often find that tradition is in conflict with custom”.... He further states : “Perhapes the best example of the distinction is in the title of a book cited by the *Fihrist*”,<sup>85</sup> `the book of the *Sunnahs* with confirmatory *hadith*'.

Shihab reported, I asked Salim, "Was that the doing of the Prophet?" He replied, "And do they mean by that except the *Sunnah* of the Prophet (peace be upon him)". So Salim, who is one of the seven jurists of Madina and one of the *huffaz* from amongst the successors, narrated on the authority of the Companions that when they applied the term *Sunnah*, they meant not but the *Sunnah* of the Prophet only (peace by on him)".

To be more precise, *Hadith* is the record of *Sunnah* and as such "*Hadith* enshrines the *Sunnah*"<sup>79</sup> and the knowledge of both of them is rooted in tradition.<sup>80</sup> Dr. Subhi Salih, in order to prove the two terms, *Hadith* and *Sunnah*, as indentical or relatively synonymous, poses the following questions:

فهل السنة العملية الا الطريقة النبوية النبي كان الرسول صلوات الله عليه يويدها باقواله الحكيمة واحاديثه الرشيدة الموجهة؟ وهل موضوع الحديث يغير موضوع السنة؟ الا يدوران كلاهما حول محور واحد؟ الا ينتهيان اخيراً الى النبي الكريم في اقواله المئويدة لا عماله وفي اعماله المئويدة لا قواله؟<sup>81</sup>

(Is the *Sunnah* pertaining to action not the same Prophetic way which is supported by the sagacious utterances of the Prophet (peace be upon him) and his rightly guiding and directing *Ahadith*? And is the caption of *Hadith* incompatible to that of *Sunnah*? Do, they both, not revolve around the same pivot? Do, both of them, finally, not end at the sayings of the Holy Prophet supporting his doings and at the deeds of the Prophet supportings his utterances?)

In consequence thereof, Dr. Subhi Salih concludes, that when such questions arise in the minds of the critics, they do not find any hesitation in acknowledging the unrefutable reality, that barring the etymological application, *Hadith* and *Sunnah* are one and the same thing. Hence, most of the traditionists declare them



- - - - قول الصحابی من السنة كذا، فلا كثر على ان ذلك مرفوع ونقل ابن عبد البر فيه الاتفاق قال واذا قالها غير الصحابي فكذلك ما لم يصفها الى صاحبها كسنة العمر بن وفي نقل الاتفاق نظر فعن الشافعي في اصل المسئلة قولان وذهب انه غير مرفوع ابوبكر الصير في من الشافعية وأبو بكر الرازي من الحنفية وابن حزم من اهل الظاهر واحتجوا بان السنة تتردد بين النبي صلى الله عليه وسلم وبين غيره واجيبوا بان احتمال ارادة غير النبي صلى الله عليه وسلم بعيد وقد روى البخاري في صحيحه في حديث ابن شهاب عن سالم بن عبد الله بن عمر عن ابيه في قصته مع الحجاج- حيث قال له ان كنت تريد السنة فهجر بالصلوة قال ابن شهاب فقلت لسالم افعله رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال وهل يعنون بذلك الا سنته صلى الله عليه فنقل سالم وهو احد الفقهاء السبعة من اهل المدينة واحد الحفاظ من التابعين من الصحابة انهم اذا اطلقوا السنة لا يريدون بذلك الا سنة النبي صلى الله عليه وسلم ---<sup>78</sup>

“(As regards the assertion of the Companion of the Prophet that such and such belongs to *Sunnah* - Majority considers it *marfu'* and Ibn `Abd al-Barr has conveyed agreement on it. He asserted that the above saying will be taken as *marfu'*, even if uttered by a non-Companion - so far as it is not associated with its performer like, the *Sunnah* of `Umarain, (i.e., Abu Bakr and `Umar). But the report of agreement is questionable. In this matter two versions have come down from Imam *Shafi'i*. Abu Bakr al-Sairafi, Abu Bakr al-Razi and Ibn Hazm, from amongst the Shafi`ites the Hanafites and the Zahirites respectively, do'nt consider it *marfu'* and they argue that *Sunnah* is frequented between the Prophet (peace be upon him) and others. On the other hand, it is contended by others that the likelihood of aiming at *Sunnah* of anyother than the Prophet is remote. And Bukhari has reported in his Sahih a tradition on the authority of Ibn Shihab from Salim b. `Abdullah b. `Umar from his father in his account with Hajjaj, when he told him (Hajjaj), “If you aim at the *Sunnah* then perform the noon prayer before time”. Ibn

“That Muhammad's *Sunnah* in the sense of his words, actions and silent approval is fixed orally and in writing in the *Hadith*. In theory the conceptions of *Sunnah* and *Hadith* are separate but in practice they often coincide, which may be due to the fact that some of the collections of *Hadith* have the title *Sunan* (e.g., the collections of Abu Da'ud, Ibn Maja and al-Nasa'i.)”<sup>74</sup>

Though originally the word *Sunnah* stood for mode or manner of acting or conduct, whether good or bad, approved or disapproved,<sup>75</sup> yet it has been used by the Muslims for the doings and practices of Muhammad only. The distinction between them is theoretical. The great Lexicographer Ibn Manzur Afriqi observes in connection with *Sunnat*.

والاصل فيه الطريقة والسيرة واذا اطلقت في الشرع فانما يراد بها ما امر به النبي صلى الله عليه وسلم ونهى عنه وندب اليه قولا وفعلًا مما لم ينطق به الكتاب العزيز ولهذا يقال له في ادلة الشرع الكتاب والسنة اي القرآن والحديث<sup>76</sup>

(In reality (literally) it is the way and the conduct but when applied in *shari'ah* (law), it signifies only what the Prophet (peace be upon him) has commanded or prohibited and what he has recommended to do by word or deed or such things as are not mentioned in the Holy Qur'an.<sup>77</sup> That is why, while discussing the sources of law, it is said, The Book and the *Sunnah* i.e., al-Qur'an and *al-Hadith*.)

According to the present writer, by Sunnah is to be understood Muhammad's Sunnah only (peace be upon him.) The point under discussion has been completely elaborated in the fuller statement of the famous traditionist Hafiz Ibn Hajar 'Asqalani:

(That the Qur'an contains the words and meanings both from Allah, revealed through explicit revelation.)

Allama Ibn Arabi has collected one hundred and one such Holy traditions in a book entitled:

مشكاة الانوار فى ماروى عن الله سبحانه و تعالى من الاخبار

and after that, Shaikh Abdur Rauf al-Munawi compiled a booklet containing only the Holy traditions, arranged in an alphabetical order but without mentioning the chains of narrators and named it :

الاتحافات السنية بالا حاديث القدسية<sup>71</sup>

It, therefore, concludes that though mostly *Hadith* contains implicit revelation, yet on the other hand each and every Holy *Hadith* (حديث قدسى) is believed to be the direct revelation but next to the Holy Qur'an only.

With the above connotation of the term *Hadith*, is closely connected the meanings of *Sunnah* of the Holy Prophet. In the terminology of the traditionists Sunnah signifies:

ما اثر عن النبى صلى الله عليه وسلم من قول او فعل او تقرير او صفة خلقية او خلقية او سيرة، سواء كان قبل البعثة او بعدها - وهى بهذا ترادف الحديث عند بعضهم<sup>72</sup>

(What relates to the saying or doing or unspoken approval or trait of the personality, innate or acquired or life (itself), of the Prophet (peace be upon him), whether before appointment or after that. As such it has been treated identical with *Hadith* by some.)<sup>73</sup>

The modern Orientalist A. J. Wensinck opines,

than once. When Muhammad said to Abu Hurayra that he knew his anxiety about the *Hadith*,<sup>62</sup> he did not mean but his own *Hadith*. `Utba referred to this kind of *Hadith* only when he said that Ibn `Abbas related only two or three *Ahadith* in a month.<sup>63</sup> `Umar I did not mean but the *Hadith*<sup>64</sup> of Muhammad when he asked his friends not to relate too many *Ahadith*. When `Ali said: "If you write the *Hadith* write it with the *Isnad*"<sup>65</sup> he meant the *Hadith* of Muhammad only".<sup>66</sup>

A certain type of *Hadith*, on the other hand, is designated *Hadith Qudsi* (حدیث قدسی) or also *Hadith Ilahi* (حدیث الہی) or *Hadith Rubbani* (حدیث ربانی) i.e., "Holy" or "divine" tradition. Abu`l-Baqa says in his *Kulliyat* :

واما الحدیث القدسی، فهو ما كان لفظه من عند الرسول، ومعناه من عند الله بالالهام او بالملام<sup>67</sup>

(And as regards *Hadith al-Qudsi*, it means what God has told to his Prophet by inspiration or in a sleep and the Prophet has proclaimed it in his own phraseology.) Such traditions usually begin with :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما بروى عن ربه<sup>68</sup>

(The Messenger of Allah, peace be upon him, said while narrating from his Lord) or

قال الله تعالى فيما رواه عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم<sup>69</sup>

(Allah Almighty says through the narration of the messenger of Allah, peace be upon him.)

So in contradistinction to the ordinary *Hadith Nabawi* (حدیث نبوی). Prophetic tradition, it is designated *Hadith Qudsi* (حدیث قدسی). Divine tradition. Although a Divine tradition is supposed to convey Divine revelation, yet the Holy Qur'an is esteemed above it because it is believed:

ان القرآن ما كان لفظه ومعناه من عند الله بوحى جلى<sup>70</sup>

The German Orientalist, Ignaz Goldziher while commenting upon the tradition : (احسن الحديث كتاب الله-- الخ) writes :

“A certain type of *Hadith* is here particularly praised and favoured, and it is for this type also that the term is later used in preference to others. The book of Allah, however, ‘this most beautiful and perfect *hadith*’, is contrasted with the general concept of *hadith* as being the highest of all religious authorities, and the term *hadith* is restricted to the Prophet's sayings, made either on his own initiative or in response to a question”.<sup>59</sup>

The Prophet of Islam himself termed his saying as *Hadith*,<sup>60</sup> most probably to discriminate it from the Word of God on the one hand and from the sayings of other people on the other. Imam Bukhari narrates that when Hadrat Abu Hurayra put to the Prophet the question:

(من اسعد الناس بشفا عتك يوم القيامة)

(Who is the most likely to be made happy by your intercession on the day of the resurrection?)

The Prophet replied to him :

انه علم ان لن يساله عن هذا الحديث احد قبل ابي هريرة خوصه  
على طلب الحديث<sup>61</sup>

(That he knew that Abu Huraira would be the first to question him about this *Hadith*, as he has observed how eager he was for the *Hadith*.)

Dr. Muhammad Zubayr Siddiqi, while elucidating this point, writes that :

“The Muslims since the very life-time of Muhammad called the reports with regard to his sayings and doings the best *Hadith*, and by and by its use was confined to the reports of Muhammad's words and deeds only. Muhammad himself as well as his immediate followers have used it in this sense more

The above quotations from the Holy Qur'an make it clear that the word *Hadith* could be applied to any kind of news or information and throughout the revealed Book it has been used in its literal sense.

The Prophet himself applied in his sermons the word of *Hadith* for the Holy Qur'an itself :

وعن جابر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته: اما بعد! فان اصدق الحديث كتاب الله... وفي رواية: اما بعد، فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد - الحديث، رواه الامام احمد ومسلم وغيرهما<sup>55</sup>

"The most truthful *Hadith* or the best *Hadith* is the book of Allah, and the best guidance is that of Muhammad".<sup>56</sup>

But, from the very beginning of Islam, this word was given a new technical sense when used in connection with information about the Prophet Muhammad (peace be upon him), telling what he said and did, and his reaction to things said or done in his presence.<sup>57</sup> Thus, it acquired in the life-time of the Prophet its narrowed distinctive connotation of an oral tradition ascribed to him. It has also been asserted :

وقال شيخ الاسلام ابن حجر في شرح البخاري المراد بالحديث في عرف الشرع ما يضاف الى النبي صلى الله عليه وسلم وكانه اريد به مقابلة القرآن لانه قديم<sup>58</sup>

(That Shaikh al-Islam Ibn Hajar has maintained in his commentary on *Sahih Bukhari* that in the terminology of *Sharia'h* the word *Hadith* means that which is ascribed to the Prophet (peace be upon him). And as if it has been used in contradistinction to the Holy Qur'an which is *Qadim*.)

Commenting upon this verse of the Holy Qur'an  
Allama Ibn Jarir Tabari writes:

فباى تخويف و تحذير و ترهيب بعد تحذير كتاب الله هل اترك  
حديث موسى<sup>50</sup>

هَلْ أَتَكَ حَدِيثُ مُوسَى<sup>51</sup>

(Has not there come to thee the story of Moses.)

فَمَا لِهَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا<sup>52</sup>

(But what is the matter with these people that they  
make no effort to understand anything.)

يَتَأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ

يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ نَظِيرِينَ إِنَّهُ وَلَٰكِنْ إِذَا

دُعِيتُمْ فَأَدْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَعْسِفِينَ

لِحَدِيثِ<sup>53</sup>

(O you who believe, enter not the houses of the  
Prophet unless permission is given to you for a  
meal, not waiting for its cooking being finished - but  
when you are invited, enter, and when you have  
taken food, disperse - not seeking to listen to talk.)

While discussing the occasion of revelation of the  
above (آيت الحجاب) (the verse of seclusion), Ibn Kathir  
informs us that when the Prophet married Zainab bint  
Jahsh, he invited his Companions, to the wedding feast.  
The Companions after taking food dispersed except  
three of them who stayed on indulging in table-talk in the  
house of the Prophet.

وبقى ثلاثة رهط يتحدثون فى البيت<sup>54</sup>

Allama Ibn Kathir again writes that the word *Al-Hadith* means here *Al-Qur'an*.<sup>44</sup>

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْكِتَابِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِي تَقْشَعِرُّ  
مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ تَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ<sup>45</sup>

(Allah has revealed the best announcement a Book consistent, repeating (its injunctions), whereat do shudder the skins of those who fear their Lord.)

While discussing (احسن الحديث) Ibn Kathir explains:

هذا مدح من الله عزوجل بكتابه القرآن العظيم<sup>46</sup>

(This is the approbation of the Book, *Al-Qur'an al-Azim* by Lord Almighty.)

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ<sup>47</sup>

(Then let them bring a saying like it, if they are truthful.)

In connection with this verse Ibn Kathir's comments are as under :

ان كانوا صادقين في قولهم تقوله وافتراءي فليأتوا بمثل محمد من  
هذا القرآن<sup>48</sup>

(If they are truthful in their claim which we have mentioned that he has forged it, they are permitted to bring the like of the *Qur'an* brought by Muhammad.)

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ  
اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ  
فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ<sup>49</sup>

(In what announcement after this will they then believe.)



though it is believed to contain an element of implicit Divine revelation (وحی خفی) or revelation not to be recited (وحی غیر متلو). It is argued that while the Qur'an is the eternal, uncreated Word of God, which is not subject to any human adaptation of wording, the tradition conveys the words of the Prophet, but uttered under divine guidance. Literally speaking, 'Hadith' (حدیث) stands for any thing new,<sup>38</sup> an announcement or narrative in general, and in its primary sense, it really means a story or a report,<sup>39</sup> and so represents an account of what happened whether secular or religious, historical or legendary, of whatever sort it may be.<sup>40</sup> This word has been used in the Holy Qur'an on several occasions, but always in its literal sense; sometimes it has been used even for the Holy Qur'an itself. Let us consider a few instances :

لَقَدْ كَانَتْ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصَدِّقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۙ<sup>41</sup>

(In their histories there is certainly a lesson for men of understanding. It is not a narrative which could be forged.)

The commentator Allama Ibn Kathir explains that the word *Hadith* here signifies the Holy Qur'an.<sup>42</sup>

فَلَعَلَّكَ بَخِيعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ ءَاثَرِهِمْ ۖ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۗ<sup>43</sup>

(Then may be thou wilt kill thyself with grief, sorrowing after them, if they believe not in this announcement.)

Word of God as explicit Divine revelation (وحی جلی) or revelation to be recited (وحی متلو), under the most sacred title of Al-Qur'an, from its very beginning. Every part revealed was both written down and committed to memory by the Prophet's Companions under his direct dictation and supervision as soon as it was revealed. Thus, the whole of the Holy Qur'an revealed by God during the twenty three years of Prophetic career of the unlettered Prophet of Islam, was preserved in manuscripts by the specially appointed amanuenses on one hand, and in the memories of *huffaz* on the other, both, in the life time of the Prophet. The written manuscripts were gathered together in the book form immediately after the death of the Prophet by the order of Hadrat Abu Bakr, his first successor, and "of the authenticity of its contents there has never been any (substantial) question."<sup>35</sup> The historians of Comparative study of religions do agree that Islam does not overburden the minds of its adherents "With a multitude of scriptures and a plethora of abstruse doctrines. It has kept to one basic scripture, preserved from the first in a state of textual purity such that no variant readings have ever arisen to confuse the commentators"<sup>36</sup>.

Beside the word of God in the Holy Qur'an, the words of the Prophet Muhammad (peace be upon him), in his own name, were dealt with separately along with the record of his decisions and regulations on questions of justice or morals or religious observance under the specific title of the Prophetic tradition or (حدیث) *Hadith*. The word *Hadith* is treated as equivalent to tradition<sup>37</sup> and in its technical use strictly excludes the Holy Qur'an,

would willingly have accepted him. But he told the people plainly that he was but a man; he had no treasures, nor did he lay claim for himself as a man to know the secrets of the future, nor did he profess to be any more than a mortal. What distinguished him from the rest of mankind was that Allah revealed His will to him, and he faithfully followed and translated into practice everything that he received from on High. His main object was to make people true followers of the high principles of life, which had been revealed to him, through his own personal example.

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ  
وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنَّا تَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ قُلْ  
هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ<sup>34</sup>

(Say : I say not to you, I have with me the treasures of Allah, nor do I know the unseen, nor do I say to you that I am an angel; I follow only that which is revealed to me. Say : Are the blind and the seeing alike? Do you not then reflect?)

The unique greatness of the Holy Prophet lies in the fact that he never tried to put himself before people as superhuman. As a Prophet he did his utmost to abolish all sorts of superstitions and to remove all types of misconceptions regarding the Prophethood, in order to establish the doctrine of Divine unity in all its purity. For this object in view, for the first time in the history of religious literature, Islam draws a distinct line of demarcation between the Word of God and the words of the Prophet. It was made possible by safeguarding the

They must have disbelieved the Book even if it would have been sent down to them in a material shape.

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ  
لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ<sup>32</sup>

(And if We had sent down to thee a writing on paper, then they had touched it with their hands, those who disbelieve would have said : This is nothing but clear enchantment.)

The meaning is that the Book itself even if revealed in the physical form would not have served the purpose. It was only the charm and irresistible attraction of the character and personality of the Prophet that first of all convinced the people and they were constrained to accept him as an infallible model. It was actually the magnetic force of the irresistible words and deeds of the mortal messenger that fascinated the people to accept the Divine revelation in its entirety. Never in the history of religion, since the dawn of humanity, a Book was sent down without a Prophet. The revealing God had to choose and appoint men for the job as it was the only course possible for the betterment of humanity :

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ<sup>ط</sup> فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ  
الْكَافِرِينَ<sup>33</sup>

(Truly Allah chose Adam and Noah and the descendants of Abraham and the descendants of Amran above the nations.)

The Holy Prophet of Islam, appearing among superstitious and ignorant people, could have claimed any supernatural powers for himself, and the people

supposed to be sinless, both their words and deeds being in accordance with Divine Commandments.

ما كان لنبي ان يغفل<sup>28</sup>

(And it is not for a Prophet to act dishonestly.)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ<sup>29</sup>

(And We sent no messenger before thee but We revealed to him.....! Nay, they are honoured servants. They speak not before He speaks and according to His Command they act.)

The Prophets were given books for the guidance of their people.

فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ<sup>30</sup>

(So Allah raised Prophets as bearers of good news and as Warners and He revealed with them the Book with truth, that it might judge between people concerning that in which they differed.)

As the disbelievers were destined to reject all sorts of signs from God :

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ<sup>31</sup>

(And there comes not to them any sign of the signs of their Lord but they turn away from it),

(Say : Glory to my Lord : am I aught but a mortal messenger.)

Similarly the Holy Qur'an asserts :

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ  
قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا<sup>24</sup>

(And nothing prevents people from believing, when the guidance comes to them, except that they say : Has Allah raised up a mortal to be a messenger.)

A very convincing and logical argument has been put forward to counteract the above conventional stupidity of the disbelievers :

قُلْ لَوْ كَانَتْ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ  
مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا<sup>25</sup>

(Say: Had there been in the earth angels walking about as settlers, We would have sent down to them from the heaven an angel as messenger.)

In short, according to Islam, the Prophet must be a human being to whom Divine will is revealed, because only a man could serve as a model for men; the reformation of mortals could be entrusted to mortals alone. Even an angel could not have served that purpose because man had been made to excel all created things,<sup>26</sup> including the angels, who were required to make obeisance to man.<sup>27</sup>

Moreover, Islam has affirmed in the clearest words that as Prophets are needed to enable man to rise to higher stages of life by reforming and purifying him, they must be free from all impurities. They are rather

بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ  
بَصِيرًا ۚ<sup>21</sup>

(And we did not send before thee any messengers but they surely ate food and went about in the markets.)

As regards the second objection, that why an angel has not been sent down to him to be a warner with him, it is thus overruled :

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكَ لَقُضِيَ  
الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ۚ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكَ لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا  
وَلَلْبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ۚ<sup>22</sup>

(And if we send down an angel, the matter would be decided and then they would not be respited. And if We had made him an angel, We would certainly have made him a man, and (thus) made confused to them what they confuse.)

Again, when the disbelievers demanded from the Prophet to work for them wonders in proof of his claim, like, causing a spring to gush forth from the earth or cause the heaven to come down or ascend into heaven and bring Allah and the angels face to face or bring from heaven a book to read and so forth and so on, the Prophet was commanded to proclaim :

أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرَفٍ أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ  
نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُوهُ ۚ قُلْ  
سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ۚ<sup>23</sup>

doctrines of divinity of Ezra and Jesus Christ by the Jews and Christians respectively:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيحُ  
ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ  
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلْتَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ<sup>19</sup>

(And the Jews say : Ezra is the son of Allah; and the Christians say: The Messiah is the son of Allah. These are the words of their mouth.)

Their very conception of a Prophet of God, if any, was so confused that they remarked about the Prophet, Muhammad (peace be upon him), as under:

وَقَالُوا مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي  
الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا<sup>20</sup>

(What a Messenger is this? He eats food and goes about in the markets. Why not an angel been sent down to him to be a warner with him?)

It is a unique contribution to human civilization by the Prophet Muhammad (peace be upon him), that he raised the dignity of man to the noblest of God's creation by declaring all Prophets and messengers of God including himself as human beings, subject to human laws. The Holy Qur'an emphatically declares :

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنْهُمْ  
لِيَأْكُلُوا الطَّعَامَ وَيَمْشُوا فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا



There lies for the present study a point of paramount importance in these earliest converts. They all declared their belief in whatever was said and claimed by Muhammad (peace be upon him), simply because they had a faith in his unimpeachable truthfulness and infallible veracity. What was the actual condition or state of new religion being presented by the Holy Prophet at that time? Save a few revealed verses of the Holy Qur'an which again were being honoured on the authority and reliability of Muhammad b. `Abdullah, firstly as a noble man and then as a Prophet and messenger of God, there was neither any revealed scripture, nor any religious schedule of Do's and don'ts. Even the concept of revelation and that of the revealing God was being introduced by Muhammad (peace be upon him), as if for the first time in the Arab world. In spite of the missionary efforts of the Jews and Christians, carried on for hundreds of years one after the other with material power of the kingdom at their back, the Arabs and especially the non-believers and polytheists of Makkah were completely ignorant even of the remotest idea of Prophethood and Divine revelation. The native Arab movement of the *Hanifs* proved an even greater failure in this regard. That is why, the non believers in their height of enmity accused the Prophet of being a poet,<sup>13</sup> a sorcerer,<sup>14</sup> a soothsayer,<sup>15</sup> a madman,<sup>16</sup> a dreamer,<sup>17</sup> and of being possessed.<sup>18</sup> They could not even think of a human being, being appointed as an apostle from on High, presumably due to the distorted and perverted impression regarding Prophethood created through the

كلا والله ما يخزيك الله أبداً انك لتصل الرحم وتحمل الكل  
وتكسب المعدوم وتقرى الضيف وتعين على نوائب الحق<sup>9</sup>

(That God would certainly never disgrace you because you loved his kinsmen, and bore the burden of those who were weary, and helped the poor and honoured the guest and gave relief to those who were in distress).

She was followed by `Ali b. Abi Talib, Zaid b. Haritha, freedman of the apostle, and Abu Bakr b. Abu Quhafa. These were either closely related to the Prophet or were his most intimate friends. When Abu Bakr became a Muslim, he began to call to Islam all whom he trusted of those who came to him and sat with him. At his invitation, `Uthman b. `Affan, Zubair b. Al-`Awwam, Abdul-Rahman b. `Auf, Sa`d b. Abi Waqqas and Talaha b. `Ubaidullah, all the five, accepted Islam.<sup>10</sup> The Prophet of Islam used to say : "I have never invited anyone to accept Islam but he has shown signs of reluctance, suspicion, and hesitation, except Abu Bakr. When I told him of it he did not hold back or hesitate".<sup>11</sup> These were the first earliest eight converts to Islam who believed in the divine inspiration of the apostle. They are referred to in the Holy Qur'an as under :

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ فِي جَنَّاتِ  
النَّعِيمِ<sup>12</sup>

(And the foremost are the foremost. These are drawn nigh (to Allah) in Gardens of Bliss).

Naturally, those who accepted the Holy Prophet in the earliest stage of his mission and had to make greatest sacrifices, had the greatest reward. Those foremost in doing good are foremost in reaping their reward.

engagements, mindful of the ties of kinship and kindly hospitality, and to refrain from crimes and bloodshed. He forbade us to commit abominations and to speak lies, and to devour the property of orphans, to vilify chaste women ..... We confessed his truth and believed in him, and we followed him in what he had brought from God, and we worshipped God alone without associating aught with Him. We treated as forbidden what he forbade, and as lawful what he declared lawful. Thereupon our people attacked us, treated us harshly... circumscribed our lives, and came between us and our religion, we came to your country (for asylum)".<sup>7</sup>

Still later, when opposition of the Quraish was at its highest, rather they were at war with the Prophet, the King of Rome, Heraclius, called Abu Sufyan, the Quraish leader of opposition, who was then in Syria for trading purposes, and asked him numerous questions regarding the Prophet. One of these questions was :

فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال - قلت لا---<sup>8</sup>

(Did you ever blame him for telling a lie before he said that he was a Prophet? Abu Sufyan's reply was "No")

Another strong corroborative fact of Muhammad's truthfulness is that the earliest converts to Islam were not only of upright character, but his own bosom friends and people of his household, who, intimately acquainted with his private life, could not fail otherwise to have detected any discrepancy between his words and deeds. His wife, Khadija, was the first to believe in him and accepted as true what he brought from God, and helped him in his work. She strengthened him, lightened his burden, proclaimed his truth and comforted him, saying:

ارایتکم لو اخبر تکم ان خیلا بالوادی ترید ان تغیر  
علیکم اکنتم صدقی؟ قالوا: نعم، ماجربنا علیک الا صدقا<sup>6</sup>

(Tell me, if I were to inform you that a mighty army in the valley lies in wait to make a raid upon you, would you believe me?)

They all replied in one voice :

“Yes, we would; We have never known anything but truth from thee”.

In the early days of Islam, when Abu Bakr was told that his friend Muhammad claimed to have received revelation from his God, he abruptly remarked that he must be true in his claim, because a man who had never uttered a falsehood against his fellowbeings could not utter a falsehood against God.

Similarly, the statement given by Ja'far b. Abu Talib before Negus, the King of Abyssinia, when a deputation of polytheists of Makkah petitioned the King for the extradition of the first muslim emigrants to his country, throws a flood of light on the sublime character of Muhammad, on one side, and the vices of his contemporary countrymen on the other. He stated :

“O king, we were an uncivilized people, worshipping idols, eating corps of dead animals, committing abominations, breaking natural ties, treating guests badly, and our strong devoured our weak. Thus we were until God sent us an apostle whose lineage, truth, trustworthiness, and clemency we know. He summoned us to acknowledge God's unity and to worship him and to renounce the stones and images which we and our fathers formerly worshipped. He Commanded us to speak the truth, be faithful to our

قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ  
فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ 3

(I have lived among you a life time before it. Do you not then understand).

It was in his youth that, on account of his pure and praise worthy character and his love for truth and honesty, he received from his compatriots the title of *al-Amin* (the Truthful or the faithful one). His worst enemies, even at the height of their enmity, admitted that he had never told a lie on any occasion during his entire life. The Holy Qur'an testifies the truthfulness of the Prophet of Islam in the clearest terms on another occasion as below:

قَدْ نَعَلِمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا  
يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بَيَّاتٍ اللَّهُ تَجْحَدُونَ 4

(For surely they give not thee the lie, but the wrongdoers give the lie to Allah's messages).

The argument is, that it was only after he received the Divine revelation that he was belied, otherwise he was known before it as the truthful one; hence it was in reality the denial of the Divine revelation, not a denial as to the Prophet's truthfulness. Similarly, when the Prophet was Commanded by God as under:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ 5

(And warn your nearest relations),

he called out all the various families of the Quraish at Mount *Safa*, among those assembled was his bitterest opponent, abu Lahab - The Holy Prophet thus addressed them:

# Tradition and Islam

Malik Muhammad Aslam\*

In the light of the observations, already made in the introduction of the present study,<sup>1</sup> regarding the epistemological and theistic view points of Islam, it is quite obvious that the Divine revelation is the fundamental characteristic of Islam. It is also an established historic fact that the Prophet of Islam, Hadrat Muhammad (peace be upon him), claimed to have received the Divine call at the age of forty. Now, the whole structure of Islam rests on the correctness of the above claim and the assurance of its correctness comes from corroborative testimony of the truthfulness of the Prophet, before he received the Prophetic call. Fortunately, Islam being the most recent of the revealed religions, "Its rise and early progress lie more fully than any other in the daylight of history".<sup>2</sup> The Holy Qur'an, which contains the most trustworthy account of the Prophet's life, invites our attention to his sublime character during the forty years that he had passed among the non-believers and polytheists of Makkah, before he received the Divine call, as follows:

---

\*Ex-Chairman (Late) Department of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore



**ARMUGHAN-E-**  
**Prof. Malik M. Aslam**

Compiled By  
**Prof. Dr. Hafiz Mahmood Akhtar**  
**Prof. Dr. Jamila Shaukat**



**Department of Islamic Studies**  
**University of the Punjab, Lahore**



امضات  
پروفیسر ملک محمد اسلم

مرتبین

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت



شعبہ علوم اسلامیہ  
جامعہ پنجاب، لاہور